

DAMAGE BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222182

UNIVERSAL
LIBRARY

1975

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۲۳۳۳ Accession No. ۱۱۹۷۱

Author: رتدالمی ر - ص

Title: صبح زندگی

This book should be returned on or before the date last marked below.

صبحِ زندگی

تصنیف

مُصَوِّرِ غمِ علامہ اشرف الیخیری علیہ السلام

مستند :- شامِ زندگی - شبِ زندگی - نوحہ زندگی - الزہرۃ المنارۃ لہذا

جسے

احمد مجتبیٰ برادر

نے

بمآہ شعبان المعظم ۱۳۵۳ھ ہجری النبوی مطابق نومبر ۱۹۳۶ء عیسوی

اٹھارویں مرتبہ

محبوب المطابع برقی پریس دہلی جمہوریہ اسلامیہ

صنیعاً مضمون علامہ استاد پیر

ملاح

Checked 1999

صبح زندگی ۱۲
 شام زندگی ۸
 شب زندگی جلیل ۱۲
 شب زندگی حصہ دوم ۱۰
 نوحہ زندگی ۱۲
 نوحہ ان حیات ۱۲
 الزہراء ۱۱
 قطرات اشک ۶
 جہر قدامت ۸
 یاسین شام ۸
 آفتاب مشرق ۱۰
 تیغ کمال ۶
 سہ ماہ پچاند ۱۰
 منازل السائرہ جلد اول ۸
 منازل السائرہ جلد دوم ۸
 ماہ عجم ۱۲
 عرس کریم ۱۲
 نوبت پنج روزہ ۵

محبوبہ خداوند ۱۲
 بنت الوقت ۸
 سراب مغرب ۱۰
 فسانہ مسیبت ۱۰
 تائید غیبی ۱۲
 لو کیوں کی انک ۱۲
 سونکن کا جلا پا ۶
 مودودہ ۸
 اعمالنامے ۸
 سبجوگ ۱۰
 گوہر مقصود ۶
 در شہوار ۱۰
 شاہین و قنداق ۱۰
 انگوچی کا راز ۸
 جہر عصمت ۱۲
 روزاد نفس ۱۲
 ولایتی نسخی ۱۲
 تفسیر عصمت ۵

صبح زندگی کا دائمی حق اشاعت بن
 شمع و شمع اور صنایع جہانی کو رشتہ ساری
 الزہراء و زمرہ خیرات شیعہ و دیگر ہے
 اس کے کوئی مضامین یا اس کے کسی حصہ
 انٹرنیٹ پر ڈیجیٹل کرنے کا ارادہ نہ کریں
 رشتہ اطہاری و قانونی جرم کے مرکب
 اس کے۔ ہاں کتب فروش حضرات
 اس سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو معقول کمیشن
 اس کی جلدیں دفتر نظام المشایخ دہلی
 سے خرید سکتے ہیں۔

ماکسار محمد الوحیدی
 لکڑا ڈیٹر نظام المشایخ دہلی

توبہ توبہ کس کام کی رہی نیت۔ بسے چاروں کنبے بھی اچھے ہوں گے۔ دیکھو شہد
سکھ جین کے ساتھ اس کی لڑکی سکھیا آتی ہے۔ بھرا ہوا جیب ہوتا ہے کبھی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتی
ہے۔ آج تو خیر میں نے نمکو چھوڑ دیا۔ اب اگر کسی چیز کو دیکھ کر ہلکیس یا مانگی تو ایسا ماروں گی کہ
کہ تم کو نہ رہی آجائے گا۔

دل کیا کرے؟ زبان کی سیٹی۔ کام بننا ہوا تھا۔ پھر کبھی کے منہ سے بات نکلنے کی دیر تھی
سیدھی ہتھی کے دل میں جا کر اتری۔ وہی سیمہ جو دونوں لے چاروں پر یہ کچھ بلکان ہوئی بنوں
چیز گھر میں آتی اور آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی۔

(۳۳)

تخمِ تاثیر صحبت کا اثر سنجیدہ جی، عورت۔ بھوپتی کی بھوپتی۔ ماں کی ماں۔ استانی کی
استانی۔ مسئلہ کی مسئلہ۔ جس کی رگ رگ میں خدا کی عظمت اور مذہب کی وقعت بھری ہوئی
تھی۔ اس کی تربیت کا فیض جو کچھ نہ ہوتا تھوڑا۔ جاڑا پالا لاکر می برسات صبح و شام دن
رات آندھی جاتے۔ مینہ جاتے۔ مگر اس کی نماز اور قرآن نہ جاتے۔ اتنا وہ ہم سے
زیادہ سمجھتی تھی کہ یہ چھ برس کی جان سمجھ گئی تو کیا خاک مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتی
تھی اور خوب جانتی تھی کہ کتنی لکڑی کے سیدھا کرنے کا یہی وقت ہے۔ ذرا غفلت کی تو نماز
بھلا گیا۔ لکیر کو میٹھی پتیا کر دیں۔ پھر تھنڈے لوہے پیٹھ سے درست ہونے والے نہیں۔
بجھلی کا نم نہ موجود ہے۔ تیرہ چودہ برس کی لوتھا بھی کسی نماز اور کہاں کا روزہ کہ ہر کا خدا
اور کس کا قرآن۔ پہر سوا پہر دن چڑھے سوکھ اسٹی منہ پر دوچار جھپکے مارنا زہ باسی جو ہاتھ لگا
کھانے میٹھ گئی۔ جھوٹی۔ مکار۔ لستری۔ مغرور۔ خانہ داری سے الگ شرم و حیا سے کوسوں دور۔
زرا کوئی بات خلاف مزاج ہوئی اور آواز کی پر جھٹکتے پہنچ رہی ہے۔ باپنے کی لاپرواہی۔ ماں کو
خیال ہوا نہیں۔ پہلی جنگ لڑائی ہاتھ سے جاتی رہی۔ سنجیدہ کے واسطے یہ افتاد خاصا اچھا
سین تھی۔ اس نے اپنی چھوٹی سنا پتی کو اس ہڑے پر ڈال لیا کہ نماز سے غافل ہوئی قرآن کہہ لا

اور وضو کر جانا زبردست تھے۔ مٹی کی گرجی کے موسم میں ایک درمیں کا سہانا وقت تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سبھی ہنسیدہ ہنسیدہ کو پاس بٹھائے قرآن پڑھ رہی تھی۔ کوٹھے کی مٹی پر شامانے بولنا شروع کیا۔ کچی کچھ دیر تو بیک مٹی غور سے دیکھتی اور شوق سے سنتی رہی اور پھر کہنے لگی۔

لے لو پھوپھی اماں۔ شام بول رہی ہے۔

پھوپھی۔ تم جانتی ہو کیا کہہ رہی ہے۔

نسیم۔ نہیں تو۔ کیسے مزے سے بول رہی ہے۔

پھوپھی۔ یہ صبح ہی اٹھ کر خدا کی تعریف کر رہی ہے اور دعا مانگتے ہی کہ سارا دن نیرسٹار سے گزر جائے۔

پھوپھی۔ خدا بھی سن رہا ہے کہ یہ کیا کہہ رہی ہے۔ خدا تو آسمان پر ہے۔ ہاں ہاں پھوپھی اماں! کچھ اس کا سہ بھی آسمان ہی کی طرف ہے۔ خدا ہی سب کو کھانا بھی دیتا ہے۔ اچھی پھوپھی اماں۔ مجھے بھی رات کو اسی نے آم دیے تھے۔

پھوپھی۔ ہاں ساری دنیا کو وہی کھلاتا پلاتا ہے۔ ایسے سوچا ہے غریب۔ آدمی ہو چاہے یا نور سب اس کے محتاج ہیں۔ روٹ ٹکڑو ٹکڑا اس کا شکر یاد کرے تو پورا نہیں ہو سکتا۔ اس سے زیادہ چاہئے والا باپ سے زیادہ پیار کرنا والا۔ تکلیف کا شے والا۔ دکھ درد میں کام آنا والا۔ کھانا پانی۔ کپڑا لٹا۔ کھانا پانا۔ اور ہنسا بھونا سب اس کی باتیں ہیں۔

نسیم۔ اچھی اچھی میری پھوپھی اماں لاؤ میں بھی خدا کی تعریف کروں۔

پھوپھی۔ تم کہاں تک اس کی تعریف کر دگی! اس کی محبت تو دیکھو۔ دیکھنے کو آئی نہیں دس باتیں کرنے کو منہ دیا۔ کام کاج کو ہاتھ دیے۔ چلنے پھرنے کو پاؤں دیے کس کس چیز کا شکر کر دگی۔ ہماری ہی باتیں بہت سی ایسی ہیں جنکو گزیر تھکی بھی نصیب نہیں جوڑ رہیں۔

ذرا یاد دلاؤ آئی دند دیکھا نہیں تھا؟ بہت سے فقیر اور فقیر تیاں جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے تھے۔ نوائے رضا کی چٹنگ نہ چار پائی۔ رحیم پیاری کو دیکھو

آنکھوں اندھی ہو گئی تھی۔ لولی پاؤں سے لڑائی تو آخر چار سی صبی آدمی ہو سندر
کی تو بہتیرا ہی کہا۔ جین کسخت کبھی تو خدا کو بھی یاد دلایا کر۔ مگر اس چاروں کی زندگی پر لپی
پھولی کہ کبھی بھول کر بھی اس کے آگے سر نہ جھکایا۔ اب دیکھ لو کسی کو رحم آگیا آدمی پاؤں روٹی دیکھا
نہیں تو کڑا کے کھاتے۔ جڑو یا وہ کاٹے جیسا کیا ویسا بھگتے۔ ہم سبے اور عمدتیں اللہ کے
لنڈی غلام ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہر وقت اس کا شکر یہ ادا کرتے رہیں۔ دلوں کے حال وہ
جانتا ہے۔ جو کہتے ہیں ہنستا ہے۔ جو کرتے ہیں دیکھتا ہے۔ ذرا اپنے گھلوں کو تو دیکھو کیسے
رنگتے رنگ کے پھول کھل رہے ہیں۔ یہ سب سہی کی قدرت کا نمونہ ہے۔ چاند سورج دن رات
سب چیزیں ہمارے آرام کے واسطے بنائیں۔ دیکھو یہ پھول ہوا سے سرسبز نہیں رہے اپنے خدا
کی درگاہ میں سر جھکا رہے ہیں۔ نرسن بری صبح ہی اٹھ کر گدیوں کے سنوارنے کی نو پڑ جاتی
ہے۔ کبھی یہ بھی خیال آتا ہے کہ اپنے تئیں بنا سنوار کر خدا کے حضور میں حاضر کرو۔ بنا تو ہوسا
دن میں کے دفعہ وضو کر کے نماز پڑھتی ہو۔ بڑی بی کو دو روپے مہینے اور کھانے پر ہم نے
گو یا مول لے لیا۔ ذرا کام کو دیر ہو جاتی ہے تو کیسا غصہ آ جاتا ہے۔ پر سوں تہا رہی
طیکہ ذرا مل گئی تھی کتنی بگڑی ہو۔ مگر تم کو کبھی اپنے آقا۔ اپنے مالک کا دھیان نہ آتا
نسیمہ۔ تو پھوپھی اماں آپ نمازیں اللہ ہی کی تعریف کرتی ہیں۔

پھوپھی۔ نماز تو ہم فرض ہے۔ جس طرح بڑی بی کھانا پکا کر اپنا فرض ادا کرتی ہیں
اسی طرح ہم نماز پڑھ کر فرض سے ادا ہوتے ہیں۔ خدا کی عنایتیں اور مہربانیاں تو اتنی زیادہ
ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتیں۔ زمین سے اناج اُگائے آسمان سے مہینہ برساتے۔
پینے کو پانی دیا۔ مائیں لینے کو ہوا دی۔ جب تک چاہے زندہ رکھے۔ جب چاہے مار
ڈالے۔ دنیا میں ہر کو اس لئے بھیجا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں۔ جب ہم اس کے
پاس جانیں گے اور امان سامنا ہو گا اس وقت وہ ہم سے پوچھے گا کہ میرے اساتو کے
بدے میں تم نے مجھ کو کتنا یاد کیا۔ میں نے تم کو روٹی دی۔ کیا دی۔ حلوا دیا۔

مگر جب میں بھوکا ہو کر تھا تو تم نے مجھے رحم نہ کھایا اور نہ پیہر لیا۔

نسیمہ - اے ہے پھوپھی اماں تو اللہ بھی بھوکا ہو کر آتا ہے۔

پھوپھی - بھڑو۔ پیسے سن لو۔ اور صاحب میں نے تم کو کانوں میں بالیاں دیں۔

ماں بھوکوں میں پہنچیاں دیں۔ پاؤں میں چوڑیاں دیں۔ تاروں کی اوڑھنیاں دیں گوٹے کے کرتے دیئے۔ چوڑیہ کا پا جامہ دیا اور ہنسی میں نے تم سے مانگا تو تم نے ایک پیسہ بھی مجھ کو نہ دیا! بھوکا ہوا تو روٹی نہ دی پیاسا ہوا تو پانی نہ پلایا میں بھوکا پیاسا تھکا ہارا منہ کھتا رہا اور تم نے آنکھ اٹکھا کر بھی نہ دیکھا۔

نسیمہ - بس تو پھوپھی اماں آج اللہ کو بلا دینا۔ میں اپنی روٹی کھلا دوں گی۔

پھوپھی - توبہ۔ توبہ۔ اللہ کچھ تھوڑی کھاتا ہے۔ اس کا تو نہ ہاتھ نہ پاؤں۔ نہ منہ نہ سر۔

نسیمہ - ہائیں واہ۔ اور ابھی کیا کہہ رہی تھیں۔

پھوپھی - ہاں سچ تو کہہ رہی تھی جب نے کھیا اے نصیبت مارے ہم سے آکر سوال کرتے

ہیں ان کا دینا ایسا ہی ہے جیسے اللہ کو دیا۔ اللہ نے ہلکے کم دیا ہے۔ تم ان کو دو مجھ کو پیسہ چاہنا۔

میں باپ کے بچے کی کئی وقت کے بھوکے بڑی اس لٹا کر ہائے پاس لے رہی ہیں۔ ان کو محبت سے

کھلانا ہوا لا چکا رکھ پاس بیٹھانے والا کون ہوتا ہے۔ اگر ان کو دیکھ کر ہمارا دل کڑھے اور ہم

ان کی خدمت کریں تو اللہ ایسا ہی خوش ہوگا جیسا اس کو مل گیا۔ بیٹی بڑے مانگنے اور

بیوقوف ہیں وہ لوگ جو دنیا میں آکر خدا سے غافل ہو جائیں۔ پہلا سوچو تو ہسی جانور اپنے

پیدا کرنے والے کی یاد کریں اور ہم آدمی ہو کر بھوکھا ہیں! اللہ تمہاری عمر میں برکت دے۔

ایمان رب سے بڑی نعمت ہے اور ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ہر وقت یاد رہے۔ جب اس کی

دراگاہ میں عاجزی سے حاضر ہوگی اور اس کو یاد کرو گی تو وہ سو مہربانوں کا مہربان ہو

جو چاہو گی وہ پاؤ گی جو مانگو گی وہ لوگی۔ اچھا آؤ میرے ساتھ ملکر اس کی تعریف کرو۔

حمد جناب۔ باری۔ رکھو زبان پہ جاری

باقی ہے بس وہی رب	کافی ہے وہ اکیلا
وہ خالق جہاں ہے	حاکم ہے بحر و بر کا
فرش زمیں اسی کا	ازماہ تا بسا
شاہ نشہ جہاں ہے	حاکم ہے دو جہاں کا
ہر چیز میں نہاں ہے	سب سے قریب تر ہے
خوشید میں نہ آئے	کھائے پیئے نہ سوئے
بے آنکھ سب کو دیکھے	بے ہمتا پاؤں سب کام
مکن نہیں کسی سے	توصیف اس خدائی
نہ کور جلوہ ذات	بے کراں تیرے بس کا

راشد نہیں یہ قصہ

پسو پچی نے تو ہتھیجی کے سامنے باتوں سی باتوں میں خاں چھوٹا سا دغلا ہندیا جیسی چھوٹی

سی سُسنے والی ویسا ہی چھوٹا سا وعظ۔ چپکی میٹھی میٹھی مٹر مٹر بھو بھی کا منہ کستی ہی۔
 دعا کا وقت آیا تو ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر خدا کی تعریف بیان کرنے لگی۔ اتفاق کی بات
 ہے جب تک وعظ ہوتا رہا شام بھی میٹھی رہی۔ ادھر دعائیں ہوئی ادھر شام پھر سے اڑی
 جاوہ جا۔ سچ پوچھو تو سنجیدہ کی نہ یہ غرض تھی نہ یہ یقین کہ آج ہی دین کی ساری باتیں اُسے
 گھو لکر پلا دوں۔ ہر نہا بردا کے چکنے چکنے بات بضمون تھا سچا بات تھی اچھی۔ بچی کے دل پر جم
 گئی۔ بیچہلی بہن کا یہ حال ازل تو وہ نہ بچے کے بعد سوکراٹھے اور پھر چھوٹے ہی ناشتے کا سوال
 جب تک کھانا گرم نہ ہو کسی سے بات کرنی تسم۔ ذرا دیر ہوئی تو گھر بھر پر آفت۔ یہ تو وہ پھوڑ۔
 اس کو مارا اس کو دھاڑا تن تازہ ہونے سے پہلے ٹھنڈے پیٹوں بات کرنی گناہ۔ کھاپی پیٹ
 آیا دیکھا اور گریوں میں داخل پھر قدری کر ڈالو کوئی مرے یا بیٹے اس کو دھاسے اٹھنا حرام
 کبھی کہا رہیو بے سرے اٹھی بھی تو ایک کو گھر کے دوسرے کو ڈانٹ بہن کو نوچ بھائی کو کھوٹ
 غرض جس طرف بھی تڑا تڑا چمچ گئی۔ اماں کی پھوپھی نالال۔ لوندیاں حیران ماماں پریشان
 لڑکی کیا عذاب تھا۔ ہمدہر گئی آفت اور جس کے سر ہوئی جھاڑ کا کانٹا۔ خدا کا خوف نہ دنیا
 کا ڈر۔ ماں کا سنا نہ باپ کا ذکر۔ ماکو رہی ماما۔ باپے ہا بے خبر راکھی اماں اللہ دن و نونی رات
 جو گئی۔ ذرا اسی غفلت میں کاییل اور دل کا پہاڑ بن گئی۔ شروع میں علاج ہوتا تو آج یہ نوبت
 کا ہے کما تری۔ مرض ہوا لاحق۔ دوا کی نہیں۔ ہر وہ کہلتا گیا۔ زبان بڑھتی گئی۔ جھوٹی لپٹان
 کسڑے رحم۔ نکمی۔ کام چور گستاخ۔ بے ادب۔ بے شرم۔ بے حیا۔ غرض پانچوں عیب
 شرعی موجود تھے۔ اسی پیٹ کی اولاد اور اسی باپ کی بیٹی نسیم تھی۔ کہ ایک وعظ نے
 کندن بنا دیا۔ صبح منہ اندھیر سے اٹھی۔ لٹا بھر وضو کیا اور پھوپھی کے ساتھ چائنا پڑھو بیٹی
 ادھر پھوپھی نے سلام پھیرا ادھر اس نے گڑا گڑا کر دعا مانگنی شروع کی۔

عید کے دن دوپہر کے قریب محلہ میں ایک موت ہوئی۔ جب گھر کا قدیم سفر بڑوں کے

زمانہ کا آدمی۔ ایک مانگ سے لنگڑا۔ بڑا پھونس۔ اس پاس کے ٹھکانوں میں پانی بھر بھرا لیا پچوں کے پیٹ میں مکر اڑا دیتا۔ دو میاں بیوی ایک لڑکی سستا ساں۔ برکت کے دن بشتہ شتم کسی طرح گزر کر لیتے۔ جاڑے کا موسم ضعیف آدمی چار بجے صبح اٹھ کر پانی بھرتا۔ بچا را در بجا کے ساتھ سلی میں درد ہوا تل تار ٹوم چہلا جو کچھ موجود تھا بیماری میں خیرج ہوا۔ مرا تو ایسا کہ گورگہ ہا اور کفن دفن تو درکنر ملتان کے واسطے ادھی کی کوریاں بھی گھر میں تھیں۔ نسیم خدا جانے کس کام کو کوٹے پر جا بھلی۔ برابر کے گھر سے رونے کی آواز آئی۔ کھڑکی کو کھول دیکھتی ہے تو سفی زور زور دیواروں سے ٹکریں مار رہی ہے۔ رو پکی زخا لہ سے کہنے لگی اب کس کس کے آئے ہا تھ پھیلاؤں کہاں کہاں بھیک مانگوں۔ برس کا برس دن۔ تہوار کا روز اپنی جگہ پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ کون کس کی منتا ہے۔ بڑے نواب صاحب کے ہاں گئی تھی۔ بیگم صاحب تو میری جان کو انگلیں میں تے تو پنی بتا ستانی وہ لگیں خفا ہوئے کہ بوا میرے دل میں ہم تہا ہر گھر کے مردانہ رکھے نماز کو سدھا ہے ہیں۔ تہوار کے دن میرے ہاں بیہہ کے تو قور وہیں دیاں سے اٹھ حکم جی کے ہاں آئی۔ وہ پوری طرح ابھی سننے بھی نہ پائی تھیں۔ چھوٹے ہی کہنے لگیں داہری خورن داہ میرا بال بچوں کا گھر تو بے ہما سے نہ ہوئے اندر گیس آئی نسیم خانم پہلی جا دیاں سے گورگڑا ہو جائیگا۔ اپنا ساندہ لیکر علی آئی رستے میں تھی مسجد ملا جی سے کہا ہے تو وہ سبھی ستیاں لائی ہے۔ جھوٹی جیپی مکا بڑا سا پیا لہ لیکر لپکے میں نے حال منایا تو اس طرح للکارا جسے کوئی نہ کہتے کہ وہ تھکا رہا ہے۔ بچی کے کان میں چاندی کی بالیاں ہیں ان کو بجاتی ہے مگر وہ کبھی ہی کہنے کی دورو پنے کی توجہ میں خریدی تھیں۔ اتنی دیر کا مردہ پڑا ہوا ہے اور ان سہانوں کے محل میں کوئی اتنا نہیں کہ اول منزل کرے۔ اتنا کہکرا خورن کا جی بھر گیا، بچی بندھ گئی۔ بچی کو پاس بلا کر بالیاں اتارنے لگی۔ تانے چھدے ہوئے کان پک کر چھ گئے تھے پہلی ہی بالی تے کان ہو لہاں کر دیا۔ نسیم کچھ دیر تک تو چپکی بیٹھی ٹھنڈے سانس بھرتی رہی دل تو خورن ہی کے بیانیٹے ہلا دیا تھا۔ لڑکی کے کانٹے بالکل ہی بے تاب کر دیا۔

عیدی کے چہرہ پہ رکھے تھے۔ آئی صندوقچی کہول پانچ روپے نکال اور ہنی کے کونے میں باندھ کر
اوپر جا جیسے پر سے لٹکا کر کہنے لگی ”یہ گروہ کہول لو، روپے دیکھ آئی تو پھوپھی نے کہا بیٹی کیلے گئیں
نسیمہ - جی کچھ نہیں ایک چیز لے گئی تھی۔

پھوپھی - جب لے گئیں تو کچھ نہیں کیسا؟ اسی چیز کو تو پوچھتی ہوں کیا لے گئی تھیں
نسیمہ نے پہلے تو کچھ تامل کیا۔ مگر جب پھوپھی نے زیادہ اصرار کیا تو سارا حال ڈرتے
ڈرتے بیان کر دیا۔ سنتے ہی خیمہ نے نسیمہ کو کیلجے سے لگا لیا اور کہنے لگی میں اپنی بچی کے قربان
نسیمہ بیٹی تم نے ایسا اچھا کام کیا کہ میرا دل بہت ہی خوش ہوا۔ یہ لکھو کو بھڑی میں گئی۔ تین اشرفیا
پانچ روپے لاکر دیے اور کہا تو تم اپنی صندوقچی میں لکھو۔ بتاؤ یہ کتنے روپے ہوئے۔ ایک
اشرفی کتنے کی ہوتی ہے۔

نسیمہ - پندرہ کی ہوتی ہے۔

پھوپھی - تو پندرہ تیسے کتنے ہوئے؟ پندرہ کا پہاڑہ پڑ ہو۔

نسیمہ - پندرہ تیسے بہتتایس۔

پھوپھی - اور پانچ۔

نسیمہ - پچاس۔

پھوپھی - بس تو پانچ کے بدلے اللہ نے تم کو پچاس دیے۔ ایک کے بدلے دس
ہو گئے یا نہیں۔

نسیمہ - جی ہاں پھوپھی اماں وہ در دنیا ستر در عاقبت۔ عاقبت کے الگ ہے۔

پھوپھی - ہاں ہاں شاباش شاباش۔ اچھا ایک بات تو تم بتاؤ۔ تم نے یہ روپے
خرین کے خوش کرنے کے واسطے دیئے یا اللہ کو۔

نسیمہ پھوپھی اماں میں نے فقط اللہ کے واسطے دیئے ہیں۔

پھوپھی - آؤ۔ پھوپھی کے گئے سے لگتھا اس سے زیادہ پاجی کوئی نہیں جو دے کر

احسان جتنا ہے تمکو بھی معلوم ہو کہ رجب نے تمہاری کتنی خدمت کی ہو اور اس کا تمہارے اوپر کیا حق تھا۔ اس کے اور بیماری میں کہ ایک ٹانگہ سمندر تھا۔ لکڑی ٹیکتا کنوئیں پر جاتا اور تمہارے لئے مشک بھر کر لاتا۔ خود تکلیف اٹھا کر تم کو آرام دیتا تھا۔ نگوڑا جکل کا بھی تو نہیں چائیں برس کا سدا گرجی کے دنوں میں جب پانی ٹیلے میں دھن صراحی میں تیل ہوتا تھا تو کوس بھر سے اندازے کی ٹھنڈی مشک بھر کر لاتا تھا۔ چلنے کے جاڑے میں جب دانت سے دانت بچتے تھے ٹھنڈا پانی کندہ ہے پر ڈبو کر لانا آسان کام نہیں ہو۔

نسیمہ۔ مگر پھوپھی اماں اس کو پسینہ بھی تو اسی کا ملتا تھا۔

پھوپھی۔ ضرور ملتا تھا اور اس کا کام بھی یہی تھا۔ مگر پھر بھی جس طرح یہ لوگ تمہاری خدمت کرتے ہیں۔ ہم کو لازم ہو کہ ان کے وقت پر ہم کام آئیں۔ ہمارے اوپر بھی تو ان کا حق ہو اور خدا کے کسی حق دار کا کوئی حق مائے۔ تم نے جو کچھ کیا تم کو کوتاہی چاہیے تھا۔ سچی خیرات اسی کا نام ہو یہ ہٹے ہوئے تازے مسٹنڈے اور خنکے جو دن بھر بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور دھوکے دیکر آٹوں سے جھولیاں اوپسوس جیسے بھرتے ہیں ان کا دینا حاصل نہیں نہ حاصل نہ بلکہ الٹی آنکھ بھیک مانگنے کی عادت سکھانی ہو خیرات کے قابل نہ ہو لوگ ہیں جو سچ کمانے سے بالکل معذور ہیں اور خدا کا حکم بھی یہی ہو کہ مستحقوں کو دو۔ اور الفتوں کو کھلاتا اور حاجتمندوں کے حق مار کر ان بد معاشوں کو دنیا سخت گناہ ہو۔ ہم کو اگر خدا نے دیا ہے تو اسی لئے دیا ہو کہ بھوکوں کو کھلا کر کھائیں۔ نہ یہ کہ بھوکے بچاے تو پیٹ سے پٹی باندھ کر پڑیں۔ اور یہ فیلسوف صبح سے شام تک سیڑوں اٹا اکھٹا کر لیں کہیں لی بنجائیں کہیں پیرانی جی ہو جائیں کسی کو راگ کسی کو دھوکہ خدا ایسے دھما باز فقروں اور فقیروں سے سب کو بچائے یہ حالہ صحت ان ہی کی ماری میج آج تک نہیں۔ ایک ٹھکنی کے ڈمپٹ چڑھ کر دینی ہن نہیں خدا تھی تو وہ رسول تھی تو وہ اس کٹنی نے ہاتھ کلا سب ایتھا۔ اور ہینڈ ویرہ ہینڈ خدمت

کردانی سوا لگ۔ میں ان بیکاروں کے نام سے جلتی ہوں! اچھی خاصی۔ ہاتھ پیر سے تندرست صبح ہوئی اور بھیکٹ گئے۔ نکل کھڑی ہوئیں بھفت کی روٹیوں کا مزہ چڑ گیا تو کڑی کرے اُن کی جوتی اور کام کرے اُن کا صدقہ اُن کو دینا کنوئیں میں پھینکنا ہے۔ میں بہت خوش ہوئی کہ تم نے سچی خیرات کی۔ خدائے کو ہمیشہ خوش رکھے۔ حق داروں کے حق اسی طرح سمجھنا اور کبھی اس بات کا خیال نہ کرنا کہ کس کے ساتھ سلوک کرو تو وہ اسان مانے۔ چلو اباجان کو بھی سلام کرو۔ عید گاہ سے آگئے ہوں گے۔

(۵)

آگے آگے پھو پھی۔ پیچھے پیچھے ہستیجی۔ کھڑکی میں سے نکل بڑے گھر میں آئے۔ دیکھتی ہیں تو دباں عجیب ہی تماشا ہو رہا ہے۔ بیجی نے ایک کتیا کے گلے میں سی کا لکڑا اڈال در سے باندھ رکھا ہے اور لکڑیوں پر لکڑیاں مار رہی ہے۔ کتیا غریب در سے بند ہی ہوئی نہ کہیں بھاگ سکتی تھی نہ چھپ سکتی تھی۔ صبح سے جو مار پڑتی شروع ہوئی ہے تو دو پہر قریب آگئی۔ بانس کی موٹی کھنچی کے پُر زے اڑ گئے مگر مار دھا ختم نہ ہوئی۔ مارتے مارتے متھک گئی تھوڑی دیر دم لے لیا۔ اٹھی اور پھر ماننا شروع کر دیا۔ بے زبان جانور نہ کچھ کرنے کے قابل نہ کہنے کے لائق ایک ایک کا منہ حسرت سے ٹک رہی تھی کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ ایسا رحم دل آجائے جو مجھے اس مصیبت سے بچالے۔ اماؤں بچاریوں کی تو ہستی ہی کیا تھی جو دم مار سکتیں۔ خود بدولت یعنی اماں جان کا یہ حال کہ ایک فتنہ منع بھی کیا تو جانور پر رحم کہا کہ نہیں بلکہ اپنی تکلیف سے اُگنا کر اور وہ بھی اس طرح۔

لے ہو سنبھلی بس چھوڑ دے۔ کیا موٹی مار دینی کیتا ہے۔ آواز نہ کہ کان کے پار ہوئی جاتی ہے۔

سنبھلی۔ میں تو اس کی کھال اڑا دوں گی۔

چھو پھی۔ اور تم نے اس کو پکڑا کیونکہ؟

مبہتملی اور تم نے پہچانا بھی؟ مانی جان : الی کتیاہی۔ میں تو اس سے بہت جلی ہوئی ہوں۔ اس دن میں تو ان سے منہ منہ میں چہا پے چہین رہی تھی آپ انی پھیر و ملا سے پہنچتی ہوئی میں تہ اسی دن اس کے نکو میں تھی۔ بڑی شکل سے ہاتھ آئی ہر کیا لب لب کر کے قلمی بڑا کھایا ہر جنین کتنا ہی یہ تو دیکھو ! اتنا کہہ راہ کی نے پھر مارنا شروع کیا۔

پھوپھی - بیٹی برس کے برس دن اچھا ثواب کما یا یہ تو کوئی ایسا تصور نہیں ہے۔ تم نے ان سے چہا پے چہینے۔ وہ سمجھی یہ میری مالک سے راہ رہی ہے اپنے آقا کا دشمن سمجھ کر تم پر ہونگی۔ گناہ کیا کیا؟ تم زیر دست ہو یہ کمزور۔ تہا سے قبضہ میں ہر از رہنہ ہوئی۔ بتنا جی چاہے مار لو۔ مگر جس طرح آج تم اس پر حاوی ہو۔ اسی طرح کوئی تمہارا اور اس کا دونوں کا مالک بھی ہے۔ جو تم سے بھی شہ زور ہے۔ کمزور تر نہیں آتا تو طاقتور سے تو خوف کر دے۔ جانوروں کا بنانے والا بھی وہی ہے جو آدمیوں کا۔ ان کو اس لئے نہیں بنایا کہ تہا سے لاکھوں ایسی ایسی از تین بگتیں کامل دو پہر سے مار رہی ہو اور دل ٹھنڈا انہیں ہوتا۔ تم کیا سمجھتی ہو کیا جانور بدو عا نہیں دیتے اس سے دبا دیں جو ایک بردست بادشاہ کا ہوا آدمی ہو یا جانور سب یکساں ہیں جس طرح تمہاری بنتا ہی سی طرح ان کی سنے گا۔ شاہش ہو تمہاری طبیعت کو کس دل سے تم ایک زبان جانور کو یہ کچھ تکلف پہنچا رہی ہو۔ تم نے تو سینکڑوں کچیاں دیں اور بس نہیں۔ اگر ایک کھسچی میں تہا سے لگا دوں تو کے بیسی کے ساٹھ۔ جانوروں پر رحم کرنا انسانیت کی ایک صفت ہے۔ آدمی کو ستاؤ گی تو وہ ایک کے بدلے چار بولے سنا لگا اور ہزار آدمیوں میں مات پہنچائے گا۔ کتیا یہ نصیب تو اتنا بھی نہیں تباہ سکتی کہ اتنی دیر کہاں رہی۔ ہمارے بول مقبول نے تو ایک دفعہ اپنے ہاتھ سے ایک کتے کو جو پیاس کے مارے ہا نہ پ ہا تھا پانی پلا یا۔ بلکہ ایک دفعہ کسی شخص نے جینے ٹیوں کو جلا کر ان کے بلوں میں بھول ڈال دیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو بہت ناخوش ہوئے۔ تم مسلمان ہو کر ایسی کٹر کہ جانور پر اتنا علم دار کہا اور نہ سستی پھر رہی ہو۔ سبکتگین بادشاہ کا حال تم نے تو کیا خاک سنا ہو گا یا نہ؟

تو یہ پیچھے ہوا ہی پہلے تو سچا رہ نرا سپاہی تھا۔ ایک ن جنگل میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک ہرنی اپنے بچے کے ساتھ لے جرتی پھر رہی ہے۔ بچہ کو دیکھ کر سپاہی کا جی دلچایا اور دل میں آیا کہ کسی طرح اس کو پکڑ لوں۔ بچہ بھاگ نہ سکتا تھا۔ ہاتھ آگیا۔ لیکر چلا تو پیچھے سے رونے کی سی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھتا ہے تو ماتا کی ماری اپنے بچہ کے واسطے جھپتی چلی آتی ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر سبکتگیس کا دل بھر آیا۔ فوراً بچہ کو چھوڑ دیا۔ ہرنی ہنسی خوشی اچھلی کودتی اپنا بچہ لیکر جنگل کو چلی۔ تھوڑی دیر چلتی تھی اندر پھر لپٹ کر دیکھتی تھی گویا اس احسان کا شکریہ ادا کرتی تھی اور دعا دیتی تھی کہ جس طرح تو نے میرا کچھ ٹھنڈا کیا تو بھی ہمیشہ خوش و خرم رہے۔ بات گئی گزری ہوئی۔ رات کو خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص کہہ رہا ہے۔ ”سبکتگیس تو نے جو آج خدا کی مخلوق پر رحم کیا۔ اور ہرنی کا بچہ چھوڑ دیا۔ یہ خدا کی درگاہ میں پسند آیا۔ اس کے بدلے غزنی کی بادشاہت تجھ کو عطا ہوئی۔ مگر دیکھ یا دشاہ ہو کر اپنی ہستی کو نہ بھول جاؤ۔“

تم نے تو ایسا برا کام کیا جس کا اب کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ آدمی ہوتا تو معاف کروا لیتیں۔ بے زبان جانور سے کیونکر معاف کراؤ گی۔ کیسی جی پی بیٹھی دم ہلا رہی ہے۔ کج نعت و زہری ہر کہ دیکھئے اب کتنی دیر میں لکڑیاں پڑتی شروع ہوتی ہیں۔ تم نے ایسے جانور پر رحم کیا۔ خدا وہی سے بھی بہتر ہو۔ تمک حلال و فادار مر جائے مگر منکر خدای نہ کرے۔ ایک دفعہ روٹی کا ٹکڑا دید و عمر بھرا احسان مانے۔ کہتے کہ تو خدا نے اس لئے بنایا ہے کہ آدمی اس سے عقل سیکھیں۔ عبادی دہو بن ایک دفعہ کا ذکر کرتی تھی۔ کپڑوں کی لاوی رکھتے تھے کہ ہاتھ میں روٹی سے لکڑیاں چھتے چلی گئی۔ درخت پر بیٹھا تھا۔ بند روٹی دیکھ کر بچے اتر آیا۔ چاہتا تھا کہ روٹی لے لکے۔ کہنے لگے دیکھا اند لپک کہ بندہ کو جادو چا۔ بندہ تھا جگا دہری روٹی اور بچہ سب چھوڑ کتے کو لپٹ گیا اور سارا ابو لہان کر دیا۔ مگر کہنے نے بھی ایسی گردن پکڑی کہ نہ چھوڑنی تھی اور نہ چھوڑی۔ اسی طرح زمین میں ٹنٹنیاں دے دے کر مار ڈالا ایسے جانور سے جس کے دل میں اپنے آقا کا اتنا درد ہو سکتا سیکھو ایک تہ جانور میں کہ اپنے مالک پر اس طرح جان پہرہ کیسے میں

ایک ہم آدمی ہیں کہ کبھی بھولکے بھی اپنے آقا کا خیال نہیں آتا۔

سنجیدہ۔ بھائی اور بھائی کی افلا وسب الگ تھلک ہوتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ میاں اور بیوی بیٹے اور بیٹیاں ایک سرے سے آد کا آد اہی بد تیز ہر کیوں اس سے زبان ملانی اور اپنا دل جلایا۔ یہی وجہ تھی کہ ابھی تھوڑی بہت عزت یا بزرگی شرم یا لحاظ اس کا قائم تھا۔ بھائی رشتہ میں چھوٹا عمر میں چھوٹا۔ بھادو ج برابر کی سہیلی ساتھ کی کہیلی۔ چاہیے کہ وہ ان سے بلا تکلف ملتی ہرگز نہیں قیسرے چوتھے آنکھوں میں سویں کہڑے کہڑے آئی بیٹی اٹھی چلی گئی۔ میاں بیوی کے معاملہ میں وہ دل نہ دیتی اولاد کے جھگڑے میں نہ نہرتی اور اس لحاظ سے اس کی احتیاط نہایت درست اور سچائی کی اپنی عزت اپنے ہاتھ ہی کیوں ایک کہی اور دوستیں۔ یہ کچھ تھوڑا سا وقربا اور واقعی یا برائے نام باقی ہی۔ چار دن میں ختم ہو جائیگا۔ آج بھی خدا جانے اس نے کیا جاتی دنیا دیکھی تھی کہ آنا کچھ بولی اور اگر سچ پوچھو تو اس میں بھی اس کی مصداق تھی کہ وہی رہی میں جھگڑا کہوں بیوری تو کافی ہڑت منہ منہ کی طرف ضرور تھا مگر کن آنکھوں سے لیمہ کو دیکھتی جاتی تھی وہ خوب سمجھتی تھی کہ منجھلی کی صلاح میں بیجاری تو کس گنتی میں ہوں میرے فرشتوں کے بس کی ہیں بڑا ہوا دل کہلی ہوئی زبان پٹیا ہوا دیدہ۔ چھوٹے ہوئے ہاتھ یہ برسوں کے جے ہوئے رنگ ایسے رنگ تھوڑی ہیں کہ پوئے ہاتھوں صاف ہو جائیں۔

یہ امید کہ بھوکھی کی اس جھک جھک کا منجھلی پر کچھ اثر ہوتا۔ بالکل غلط۔ کیسا خوف خدا اور کس کی ندامت وہ تو یہ انتظار کر رہی تھی کہ بھوکھی کی باتیں ختم ہوں اور میں جواب دوں۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ ماں تھوڑی دیر تک تو منہ کی ماں میں ہاں ملاتی رہی کرتے کا ذکر سنتے ہی متحرا اٹھی۔ شامت جو آئی تو منہ سے اتنا نکل گیا۔

”آپا تم دیکھتی ہو سیرا تو کچھ بس ہے نہیں۔ تہوار کا دن کوئی خیرات کر رہا ہے۔ کوئی خیر سناڑ ہے۔ اس نے کیمخت نے صبح سے یہ اور دم بجا رہی ہے۔ میری تو اتنی مجال نہیں کہ دم مار سکوں۔“

چکی بیٹھی دیکھ رہی ہوں اور جی رہی ہوں۔“

پھوپھی کا ترخیر وہ سچ یا جھوٹ زیادہ یا کم کچھ نہ کچھ لحاظ کرتی یا نہ کرتی۔ گفتگو کے ختم کا انتظار اور جواب میں کچھ سوچ بچار کرنا ہی پڑتا۔ مگر ماں غریب تو ایک بات کہہ کر گئی تھی کہ ہوسکتی ہے کہ جھوٹ چھڑا دینے جہاں جہاں کے پیچھے پڑی تو جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔ زبان تھی کہ اللہ ماں ایک منہ میں سیوں کو سنے اور ایک سانس میں سینکڑوں فضیلتیاں۔

”ایس بڑی بچاری وہاں سے۔ مائے میں تو ہم۔ کٹر ہیں تو ہم۔ دوسرا حکایت لینے والا کون؟ اسی واسطے میں کسی سے بولتی نہیں چالتی نہیں پھر کوئی مجھے کیوں کہے۔ اس کتیا کے تواج میں پرچھے اڑا دوں گی۔“ دیکھوں تو سہی کون روکتا ہے۔“

اتنا کہتا ہی جو کتیا پر پلی تو اُسے کہ پیپوں کے بھر کس نکال دیا۔ انگنائی میں بھی بی بی بیٹھی ہے جو ترے پر کتیا منہ ملی۔ والان میں ماں۔ باورچی خانہ میں ماما۔ سب دم بخود کھڑے تھے۔ ماں نے تو جیسا کہا ویسا پایا۔ مگر پھوپھی کو تو گویا سانپ سونگھ گیا۔ جہاں کہڑی تھی وہیں کہڑی کی کہڑی رہ گئی۔ کتیا اتنی پٹی کٹی مگر پھر بھی زندہ رہی۔ اتنے میں میرزا ہدی بھی آگئے۔ بھائی کو آتا دیکھ کر سنجیدہ سچی کا ہاتھ پکڑ اپنے ہاں چل دی۔ تہوار کا لحاظ۔ ماں باپ کی شرم اتنا اثر بیٹی پر ہوا کہ کتیا کو چھوڑ کرے میں گس گئی۔ مگر میرزا ہدی بھرے نہیں اندھے نہیں بیٹی کے ہنکارنے کی آواز سات گھر پرے پہنچ رہی تھی۔ وہ یا ہر ہی سے سمجھ گیا تھا کہ کس روزہ چلتا ہے میرے ہاں عید چکے ہی ہے۔ خدا خیر کرے۔ خبر نہیں کیا آفت آئی۔ سنجیدہ اس وقت تو بیٹی کا ہاتھ پکڑ ماساٹھ لے گئی مگر وہاں پہنچ کر خیال آیا تو کہنے لگی۔

نسیمہ۔ جاؤ۔ باپ۔ کو سلام کر آؤ۔ دیکھو اڑتے بیٹھا۔ جو کچھ پرچھیں اس کا جواب دینا۔ جہز ارجو خواہ مخواہ کسی معاملہ میں دخل دیا۔ نیچی نگاہ کے ایک طرف بیٹھ جانا۔

پھوپھی کا حکم پاتے ہی نسیمہ کی طرف چلی تو پھوپھی نے کہا یہاں تو آؤ۔ میر

فقط تم کو دیکھ رہی تھی کہ خود بھی خیال آتا ہی نہیں۔ اس طرح جھم جھم کرتے باپ کے آگے جاتا۔ تم کو شرم نہیں آتی۔ اب تم ایسی نادان نہیں ہو جاتیں مرنی بات بھی نہ سمجھ سکو۔ باپ کے سامنے اس جھنکار سے جانا شالیش بیٹی شالیش۔ وہ تو مریں اور میں عورت۔ بچہ ایک کھانا سے پھوپھی۔ ایک لحاظ سے ماں۔ مگر خدا کی قسم تمہارا یہ چھٹنا کما جھکنا ہر معلوم ہوتا ہے۔

پھوپھی کی زبانی اتنا سنتے ہی نسیم بائی پانی ہو گئی۔ جہاں جتن چڑیاں آتا رہتا ہے۔ ڈالیں اور باپ کے سلام کو چلی۔ سنجیدہ نسیم کے ایک ایک قدم کو نگاہ میں کرتی تھی جب کہ نہ کھڑکی کے پاس پہنچی غور سے دیکھتی رہی۔ اتنا چاہتی تھی کہ پھوپھی تے وہیں سے کہا نوح ایسی بے ڈھنگی بیٹی ہو کہ کسی چیز کا ٹھیک ٹھور ہی نہیں۔ جہاں چاہا آتا پھینکی۔ تم تو پھینک پھانک ایسی ہو اور میں بھی رکھوالی کروں۔ تمہارا کارڈن آنے جانے والوں کا تانتا لگا ہوا ہے۔ دہریں بہشتی۔ ملا۔ ہینگن۔ بیسوں اتیاں خنیاں آ جا رہی ہیں۔ خدا میری نگاہ چوکی اور کوئی فعل میں کہہ چلتا ہوا تو مٹھی رونا۔ بیٹی ذات! اور یہی بدتمیز کہ کسی چیز کی سرت ہی نہیں۔ لو کنبیاں تو قتل میں رکھو۔

نسیم کو ٹھہری کھول چیزیں کہنے چلی تو ایک ڈانٹ اور پڑی۔

”کے دفعہ بتا چکی ہوں کہ اوڑھنی کا بکسل سیدھی طرح لگایا کرو۔ مگر جیسے بکھو وہی بہودہ بنے۔ بیٹی الٹی طرف کا پلا زیادہ رکھتے ہیں۔ سیدھی طرف کا بکسل لگا الٹی طرف کا کتہہ پر ڈال دیا۔ مریوں کے سامنے تو ان باتوں کا خیال رکھا کہ بے شرم باپ کے سامنے جا رہی ہو اور سارا بازو کھلا ہوا ہے۔ آج باپ کھانی سے کھانا کر دگی ترکل دیو جیٹھ سے شرم آئیگی۔ جس سے دیدہ ہوا میاں کیا تو دھاں کیا خاک ہو گا۔“

اوڑھنی ٹھیک کر ماں کے ہاں پہنچی تو دونوں میاں بوری سر جڑے منہ کی پتہ نہ تھی برا فوس کر رہے تھے۔ میرزا ہمد بوری پر الزام تھوپے ہوئے تھے اور بوری میاں پر سارا پتہ رکھ رہی تھیں۔ اتنے میں نسیم گلابی ملل کی ریشمی اوڑھنی آگے ہٹا پیچھے چھپا کی

تو نی بیچ میں گو کہہ رکی پٹیاں سبز ساٹن کا پا جامہ موریوں پر چنبیلی کے جال کا چٹھا آگے
 بانگڑی نگارانی شیشین کرتے گہیر میں تو نی ہنپا کلیوں پر ایک تار کی پک گکے میں چمپا کلی۔ ہاتھ
 میں ٹھوس کڑے۔ لوک میں اک اک پتہ پالی۔ دبے پاؤں پہلی جھکائی سائے آبا کے سلام
 کو پہلی سلام کر چکی تو الگ کہڑی ہو گئی۔ باپ کو دیکھا تو پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ نکمھا ہاتھ
 برسے پیٹھ کے پیچھے جھٹے لگی۔ باپ نے دعا دی۔ پانی مانگا تو نسیم نے تلخی دار کٹورہ لیجا کر پیسے
 خوب ہویا۔ پھر صراحی میں سے پانی الٹ اوپر نیچے ہاتھ رکھ سائے لاکہڑی ہو گئی۔ بیٹی کی
 یہ تیز دماغی ہنکریا پک دل بہت ہی خوش ہوا۔ پانی پی چکا تو اپنے پاس بلا کر کہنے لگا۔ اوہ بیٹی
 تمہارے کپڑے تو خدا اللہ خوب ہیں۔ عید تو صل میں بھاری ہی ہو۔ کہو عیدی کے کتنے روپے جمع ہو
 نسیم۔ چھ روپے ہوئے تھے۔ جس میں سے پانچ اٹھ گئے۔ اللہ نے مجھے پچاس اور دیئے
 اب کیا دن ہیں۔

باپ۔ پچاس روپے تنگ کس نے دیئے۔

نسیم۔ پھوپھی اماں نے۔ لیجئے وہ بھی آگئیں۔

پھوپھی۔ پچاس کیا اگر پانسو ہوتے تو میں اپنی بچی پر قربان کر دیتی۔ رجب سقہ کا
 مردہ بے کفن بڑا تھا۔ اپنی عید میں سے اس نے پانچ روپے دیئے میرا اتنا دل خوش ہوا
 کہ بس میں ہی جانتی ہوں۔

دونوں ماں باپ یہ منکر دعائیں دینے لگے۔ باپ نے اسی وقت دس ماں نے پانچ روپے
 نکال کر اور دیئے۔ پھوپھی نے پوچھا ہاں لو اب تو بتاؤ تمہارے پاس کل کتنے روپے ہوئے۔
 نسیم۔ اکیاون تو پہلے ہیں دس اباجان کے اکٹھے پانچ آتا جان کے چھیاٹھ ہوئے
 باپ۔ سو میں کتنے کم رہا۔

نسیم۔ چھیاٹھ اور چار ستر۔ ستر اور تیس سو تیس۔ یہ چار وہ چوتیس ہی۔

باپ۔ تمہارے پاس سو روپے ہو جائیں تو بس مہرم سے گریا کا بیاہ کر دیا لو

ماں - واہ اچھا دہوم سے کیا وہ تو ایسی سو مہر کہ خدا کی پناہ - بنگوڑی مٹھانی کی دو ڈلیوں کی بھی کچھ چل ہو۔ آٹھ دن سکھا کر کہیں اور پھر بھی خبر نہیں کہائیں یا نہیں۔ وہ ایک ایک پیسہ جوڑ کے روپے کرتی ہے۔

پھوپھی - واہ بوا واہ سو م کیوں ہونے لگی۔ کس کام کی وہ لڑکیاں کہ پیسہ ہاتھ میں آیا اور چل بیٹ میں ایسے کہانے سے خاک نہ کھالے خدا نہ کرے جو کواری بیٹی کو چمک چاک لوند کا مزہ پڑ جائے۔ موت نہ موت تو سب ہی کے ساتھ ہے۔ لپکا پڑ گیا تو پھر نہیں چھوڑتا۔ چوری کو دیا قرض لو۔ میکے میں مینا کا دوپٹہ بسسرال میں میاں کی پگڑی بیچ پارچ چٹ کر دو دو کیوں جاؤ پڑوس ہی میں بیکھ لو۔ ادھر کا چھن بارہ آنے کو جھیکٹ ہی ہے۔ ادھر کچھ چوری والی ڈیڑھ روپے کو بیٹ ہی ہے کھنجر الگ ڈرہا ہے۔ حلوائی جدا سر مور ہا ہے کس کام کی وہ بیٹی جس کی وجہ سے دو درازے پر تقاضا آئے۔ ان کو کہلانے پلانے والے ہم کیا مر گئے ہیں۔ بری تازی - یا سہی - جو میسر ہو پہلے یہ پیچھے ہم - بینک ہ تو کبھی ادبی نہیں اٹھاتی - میں خود ہی دوپٹہ روز کا سودا منگوا دیتی ہوں - اس کے ہاتھ میں پہنچ جائیں تو وہ ان کو بھی صبح ہی میں ڈالے۔

ماں - بنی آیا - تمہارا تو باوا آدم ہی نکال رہا ہے۔ مگر یہ بات تو بتا دو ان گھٹے ٹپوں پر تم تو ہمیشہ تاک رہو چڑھاتی ہو۔ پھر یہ سچی کو کیوں مصالکے میں لا دیا۔ اب یہ جو جہوں نہیں مر رہی۔

پھوپھی - میں اب بھی وہی کہتی ہوں اور سچ کہتی ہوں۔ تمہارے سمجھنے میں غرق ہو سینکڑوں روپے مصالکے میں ایندھن کا رہا ہو میری سمجھ میں تو آتا نہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ دہوئی کے دھوئے ہوئے سفید کپڑے پہنو۔ گھر ہاں یہ ضرور کہتی ہوں کہ مصالکے سے پہلے ہوئے جوڑے عندو توں میں سینٹ کر رکھنے حاصل دین نہ حاصل دینا۔ تم ہی کہتو کہ کتنے جوڑے ملے۔ کتنے کام لے اور کتنے کپڑوں کی نذر ہوئے میرا ساڑت چاہو کا

چوتھی کا جوڑا یوں ہی کھا رکھا عمارت ہو گیا۔ اس ڈھانی ڈھونی میں ادھر تو لگا پکا۔ ادھر
 صندوق تھا پرانا درازوں اور درزوں میں سے سارا پانی اندر پنچا۔ دوپٹہ اور پاجامہ
 دونوں گنگر آٹا ہو گئے۔ میں یہاں بھی نہیں۔ اما جان کو اللہ بخشے خیال نہیں ہا دوپٹے
 کی بھی نوبت نہ آئی ایک تو وہ اور اس کی پسٹ میں سات اور سب اسی مینہ کی بہنٹ چڑے!
 مصالحوں انکو میں منع نہیں کرتی مگر ضروری ضروری۔ یہ نہیں کہ گرمی میں ایک تو ڈھانی پٹ
 کا دوپٹہ اوپر سے مصالحوں انباروں۔ پوئے ایک ٹاٹ کا بوجھ ہو جائے اور جو کہیں غصہ
 نیچنے کی نوبت ہوئی تو پچوں کا مال کوڑیوں کے مول۔ یہ سترہ اور اکیس جوڑے تم ہی کو پسند
 ہوں گے۔ میں اس کو فرض نہیں سمجھتی کہ چاہے جان تک کی بک جائے مگر جوڑے پے
 ہی ہوسے ہوں۔ تم ہنسو گے تو ہسی مگر میں سچ کہتی ہوں یہ وضع وضع کی بلیں اور طرح طرح
 کے کٹائے تھاری ان کنارہ یا ٹکڑیوں سے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ خوبصورت کے
 خوبصورت صوفیہ کے صوفیہ اور سب بڑی بات تو یہ کہ کواریوں بیاہیوں میں
 بھی کچھ فرق ہو گا یا نہیں۔ وہ اپنی گھر والی گھر نہیں برتن آزاد و مختار جتنا چاہیں اوٹیں
 جو چاہیں بنائیں۔ یہ بیچاریاں ان کی محتاج باپ کی دست نگر جو ہاتھ اٹھا کر دیدیا وہ لے لیا
 ان کے دل رکھنے کا وقت تو یہی ہے۔ چار پانچ برس کی مہمان سمجھ لو۔ پھر خدا جانے فقیر
 میں کیا لکھا ہے۔ کوئی پہلے مانس مل گیا۔ عزت آبرو سے گزر گئی کسی بد ذات سے پالا
 بڑا ہر وقت کی سوختی۔

میکے میں بھی ان کی بات نہ پوچھی گئی تو سو بد نصیبوں کی بد نصیبی ہے ہی تم سب
 بھگ دو لوانی کہو یا سٹرن کہو میں تو کہوں ہانکے پکائے کہوں کہلے خزانے کہوں کہوں اور
 بچوں میں کہوں کہ تم سب ایمان خدا نے تو مرنے ہی کے بعد ان کا آدھا حصہ رکھا تھا
 تم نے جیتے ہی ان کو لٹہ لٹوں سے بدتر بنا دیا۔ سنا ہے کہ عرب میں جیتی لڑکیوں کو گاڑ دیتے تھے بلکہ
 : اچھا تھا یہ روز روز کے کچھ کے اور ہر وقت کی آفت تو نہ تھی کہ مار کا سالن بیٹوں کو ڈھیر

ڈیہر قلیا بیٹوں کو۔ روغنی روٹیاں بیٹوں کی تر تہ پر اٹھ بیٹوں کے۔ بچا بچا رکھا رکھا یا ان بچا ریوں کے
 واسطے۔ کپڑوں کو دیکھو اپنی اپنی حیثیت کے بموجب اُبلے ہمیں نئے ثابت جو کچھ میں پہلے بیٹے۔
 وہ بنے پھر میں چھیلا۔ یہ ما کے گھر کی بیٹی کو ڈر پسیٹی۔ میں نے اپنی آنکھ سے بڑی غامی جان کے ہاں
 دیکھا ہو اور آج تک یاد ہے کہ ایک ن برت : لا لواللڑے نے سات اور چھوٹے نے چہر قلیا
 چڑھ گئے اور تینوں لڑکیاں بیٹی منہ دیکھتی رہیں۔ جب : اچھی طرح کہا چلے نیت اور پیٹ : دنوں
 بھر گئے تو غامی جان نے کہا ایک ایک تعلق ان تینوں کو بھی لا دے۔ خدا کی قسم میرا کھیمہ کت گیا
 جب بڑے نے آکر کہا : قلیا ہوں چکیں : بوا یہ تو سازن کی چڑیاں ہیں : چاک چکا کر ڈاگئیں جب تک
 ان کی تقدیر کا آب دانہ نہ ہو بیٹی ہیں۔ جب اٹھ گیا : دوسرا گھر جا بسایا۔ پھر طرح طرح کی تکلیفیں اور
 مصیبتیں۔ ذرا انصاف کر دیہ تو جا نوروں سے بھی بدتر نکلیں۔ یہاں بھی ان کی خاطر
 مدارات نہ ہوئی تو یہ بھی کیا یا د کریں گی کہ ہم دنیا میں پیدا ہوئے : ان کی تقدیر کا سکھ چین تو
 بس میکے ہی تک سمجھ لو بس سلال جا کر تو بڑی بڑی رئیس زادیوں کو دیکھ لیا۔ ایمان نہ نکلے۔
 ایک دن خدا کو منہ دکھانا ہو۔ جیسے ان بچا ریوں کے من مائے ہیں اور ان کی بھی پلید
 کی ہو خدا دشمن کی نہ کرے۔ کہنے ظلم کی بات ہو۔ جو خدا کے رہنے بنے ڈالے گھر کے مالک
 مختار ان کی تو یہ عزت کہ آنکھ تک میل نہ ہو۔ اور وہ بچاے مسافر جو رستہ چلتے چلتے تھک
 کرات کی رات دم لینے آٹھریں۔ ان کی بات بھی نہ پوچھو۔ بو ابیٹوں کے لئے تو میکا سر سمجھو۔
 چڑیا دین بیسرا ہو صبح ہونے کی دیو ہو۔ اور ہر نقادہ بچا اُدھر کو چ۔ پھر یہ کہاں اور تم کہاں؟
 تم کو تھامے بیٹے مبارک۔ تمہارا گھر نصیب۔ بیا ہی بیٹی پڑوسن داخل : بیٹے تو جوتیاں
 مایں گے اور لیں گے۔ لیں گے اور عمر بھر لیں گے۔ زندگی کی کمائی بیٹے۔ ہزار برس کی
 نیو ہو۔ گھر کا کوڑا بیٹی۔ جہاڑوری نکال بھینکا۔ اللہ کے کئے تم بھی اولاد والی ہو۔ خدا بچوں
 کی عمریں برکت ہے۔ ایمان سے کہنا جتنی رفاقت کی لو ان بے زباؤں سے آتی ہو۔ لا کو شمس
 بھی پاتی ہو۔ پھر اس مجبور ہی اصعبے بسی کو دیکھو جس کے سر چا چا چپک دیا۔ جہاں جی چا

پٹنچ دیا۔ ہر حال راضی ہر جگہ خوش۔ بنی سعید وہی کو دیکھہ لو سینکڑوں کوسں دو چار پڑیں کس میں اتنا بوتا ہو کہ تین سو روپے خچ کرے اور بلکے۔ بال بچوں کے جہگڑوں میں ایسی ہنسیں کہ سب بھول بسر گئے آرام کے دن اور سکھ کا وقت تو لیں ہی تھا جو میکے میں کٹ گیا۔ اماں باہ کی صورت دیکھنے کو دل نہ مڑ پتا ہوگا؟ بہن بھائیوں سے ملنے کو جی نہ چاہتا ہوگا؟ مگر کس سے کہے اور کیا کہے؟ نہ آنے والی میں اتنی ہمت نہ ملانے والوں میں اتنی طاقت۔ ہم یوں گئے وہ یوں گئیں۔ ہم یہاں تڑپیں وہ وہاں تمللائے۔ چلو چھٹی ہوئی۔

(۷)

بھادج غریب نے تو آمد سخن ایک بات یکدی سخی اس کو کیا خبر کہ نند ایک داستان شروع کر دیگی۔ کچھ دیر تک تو بیٹھی سنتی اور سنتی ہی مگر پتہ کی باتیں تھیں۔ اچھو تین تین بیٹیاں آگے کچھ ایسا ماتا کا جوش ہوا کہ بے اختیار ہو گئی۔ نسیم سے چار آنکھیں ہوتا تھا کہ آنکھ سے ٹپ آنے لگے۔ دوڑ کر گئے لگا لیا اور لگی بلائیں لینے۔ میرزا بہ بیچاے سید ہے سادے بھولے بھالے ادھر تو بہن کی لہجھے دار تقریر۔ ادھر بیوی نے شروع کیا۔ رونا۔ نرم دل تو تھا ہی۔ دل بھر آیا۔ پہلو نہی کی مٹی سیدہ کا لے کوسوں حیدر آباد بیٹھی تھی۔ کچھ اس کی جدائی کا خیال کچھ منجھلی کی شرارتوں کا ملال۔ دل ایسا بے قابو ہوا کہ بچکی بندہ گئی۔ بھائی کو دوتا دیکھ بہن کو بھی تائب رہی۔ ادھر بہن بھائی۔ ادھر ماں بیٹیاں چاروں دیر تک دتے رہی۔ مگر صد آفریں اس کٹر منجھلی کو۔ یہ کچھ ہوا کہ ماں تک سچ گئیں مگر وہی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس پر طرہ یہ کہ ماما کی لڑکی کو دیا یہ میکہ لونگ چڑے لا دے۔ چہہ برس کی جان عید کا ون کہا بوں کا دوتا ہا تھیں۔ ادھر ادھر دیکھتی بھالتی چلی آتی تھی۔ نکر پجائی تو پھر سے چیل نے ایسا جھپٹ دیا کہ کباب پنجویں اور دوتا موری ہیں۔ ہاتھ میں خون نکلا سوا لگ۔ غریبہ وتی بھتی گہر میں آئی۔ صاحبزادی بلند اقبال کے دربار میں تو کس کی مجال تھی کہ دم ماتا۔ لڑکی در سے لگی سوں سوں کرتی اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ پوچھا کیا اب لانی؟ جھپٹے کا نام

سننے ہی ایک ایسا دھوکا دیا کہ بچی لڑکتی پڑکتی انگنائی میں پہنچی۔ اوپر پنجوں کی کہر پنج اڑہ دیکھے کی چوٹ۔ اوپر سے بڑا دھڑیل پھلا اٹھی۔

امتا تو امیر غریب سب ہی کی ہوتی ہے۔ بیٹی کی یہ کیفیت دیکھ کر ماما سے صبر نہ ہوا گھبرا کر اٹھی اور بگڑ کر کہنے لگی۔ اے ہونہمی بگیم وہ تو ابھی کیرا ہی ہے۔ چیلیں نامہ ادیس تو بڑے بڑے مردوں کے ہاتھوں سے چیزیں لے جاتی ہیں۔ ایک پیسہ کے واسطے اپنے بچی کو ملکان کر دیا۔ اس کا ہاتھ تو پہلے ہی ہولہان ہو رہا ہے۔ برس کے برس دن نگوڑا اتنا سارا جیتا جیتا خون نکل گیا۔

منہمٹی۔ ہولہان کیا ہیں تو اس کو جان سے مار ڈالوں گی۔ میرا پیسہ مفت کا تھوڑا ہی ہے کہ کباب کہا دو نا چاٹ جھوٹ موٹ ٹسوے بہانے چلی آئی۔ بڑی سوکھیا عراف ہو تو میرا پیسہ دیدو۔

دن دہائے کا معاملہ۔ بیچ انگنائی کا ذکر ٹھیک دوپہر کی بات اماں اور بیٹی اتنا اور سا مکون تھا جس نے یہ سیر نہ دیکھی اور غل نہ سنا کہ چور کی ماں گھٹنوں میں سر سے اور روئے دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر چپ ہو گئے۔ کس کے سر پر اتنے بال تھے کہ الف سے بے کرتا۔ دیکھا اور منہ پہر لیا۔ کسی نے ہنر کسی نے روکر۔ ماما نے بڑا کہوں پیسہ نکال آگے ڈال دیا۔ اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔

گرمی تو تڑاتنے کی پڑ رہی تھی۔ میر صاحب عید گاہ کی تھکان۔ رونے کی کوفت پلنگ پر لیٹے اور لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ باپ کو سوتا دیکھ نہ سہ نکہا لے پاس بیٹھ گئی اور جپنے لگی۔ آنکھ کھلی تو ظہر کا وقت تھا۔ اذان کی آواز آتے ہی سنجیدہ ہتھیج کو ساتھ لے اپنے ہاں آئی۔ دونوں نے دھوکا کیا نماز پڑھی۔ پڑھ چکی تو سنجیدہ نے کہا: بیٹی نسیم تم میری باتوں پر بھول نہ جانا دیں تو میں تمہارے آبا کے سامنے اڑکیوں کی حمایت لے رہی تھی۔ لیکن سچ پوچھو

تو اچھی یا بُری جیسی بھی بیٹھو گی ماں باپ بھر ہی گئے بگائے کو سینکڑے بھر نہیں ہوتے
مگر پہلے سے منہ اُن لڑکیوں پر جو صریحاً جانتی ہیں کہ ماں باپوں کے پاس خُند و زکِ ہمان
میں امد و نماک میں کدیں ! ماں جیسی چیز کہ اگر دنیا چہان مار دے اور زمانہ ڈھونڈ دے ڈالو کہیں صبر
نہیں۔ نام سے بیزار ہو جائے کیسی محنت اور مصیبت سے پالا پوسا۔ پڑھایا لکھایا۔ اتنا بُرا
بوجھ گنہہ اودھ گنہہ بھی تو نہیں مہینوں پیٹ میں لگا گو دین کہا عیش آرام سب حرام کیا
کھایا تو پر میسر سے پیتا تو اعتیاد سے۔ زمینا میں ننوں اندر انباروں میں سے اور ترکاریاں کہیں
اور اُنیں مگر کچھ دالی کے دل سے بوجھو لیا کھایا۔ آم وہ نہیں کھاتی برف وہ نہیں چکپتی کھیر
لکڑی۔ خبر بوزے تربوز اس کی طرف سے ہوئے نہ ہوئے دونوں یکساں لوگوں کے کہنے
سننے سے ارادہ بھی کرتی ہے۔ پھر خیال آتا ہے نفیس میں قربان کئے خبر بوزے۔ جو۔ لطف
میں کئے تربوز۔ خدا میری گود بھری رکھے۔ اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوگی۔ بھر مزاج کہ
نہ کسی کا نظم ہے نہ یہ دوستی جو کچھ ہے وہ اپنی خوشی سے اور ولی محبت اور امتا سے بستی
کو دیکھو چوکی کا ہتھ پاتھ میں ہے۔ بچہ برابر میں پڑا ہے بستی جاتی ہے اور اس کو دیکھ دیکھ نہال
ہوتی جاتی ہے۔ نہ اپنی کلفت کا خیال تو اپنی مصیبت کی پروا برابر نہکے تھلے جا رہی ہے جب
پس پاس کر فارغ ہوئی اور بچہ کو کیچر سے لگا کر دھ پلایا اس وقت اس کا دل دیکھو۔ بچہ
بادشاہ سے بھی تو زیادہ ہے۔ اس کی گود میں اپنی نعمت ہے کہ سلطنت ہو تو اس پر ہے
قربان کر دے۔

یہ مانتا ہی کا جوش تھا کہ اس وقت بیجاری بلا قن نے تیسری منجلی آپا کے آگے پیسہ نکال بھینک دیا۔ لو سائے اس چڑیا کو دیکھو تم کو مدد مل رہا تھا کیا چیز سی۔ موکھے میں کچھ بیٹھا ہے۔ ادھر ادھر سے دانا ڈکا جو کچھ ہاتھ لگتا ہے۔ چنگ چکا کر لاتی ہو اور اس کے پوٹے میں ڈالتی ہو۔ اسے ہی نیکہ ذرا دیکھ تو یہی۔ سچے کس طرح ماں کے آگے بازو اور پر پھیلا کر چھین چھین کر رہا ہو۔ جانتا ہے کہ مانتا کی ماری کہیں کہیں چرا چھپا اپنی جان جو کہوں

میں ڈال کچھ۔ کچھ غمور لیکر آئی ہی۔ تم بڑی خوش نصیب ہے اور خدا تم کو سدا ایسا ہی خوش نصیب رکھے۔ کہ تمہارے پاس یہ نعمت موجود ہے۔ ہمارے چاہنے والے جنہر طرح کا زور تھا جنگل میں جا سوئے۔ بہت تک اہدیاں باہر رہتے تھے۔ اماں جان اللہ بخشے میسوں نے نئے خیر مصالح سے لوٹنے کی تسبیح پڑھتی تھیں۔ اب جہاں چاہیں خاک اڑاتے پھریں۔ مگر بوجھے والا بیٹھا ہی۔ یوں تو جس کے ساتھ ملوک کرو وہی غمنا ہزار بار داشتہ نہ رہنے کو موجود مگر ایسا دعا گو کہاں۔ سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے پاس ہوتا یا دور۔ یہی آرزو اور یہی اسان کہ اقبال میں ترقی۔ عمر میں برکت۔ اگلے ہی برس کی تو بات ہے۔ تم کو کیا یاد نہ ہو گا جب شام کو کبکری چر کر آتی تھی۔ دن بھر کے چوٹے ہوئے بچے کس طرح ماں کو پیستے تھے اور کسی محبت سے وہ ان کو چاٹتی تھی۔ جس وقت وہ پھلرنا سے بچے اچھل اچھل کر دو دو پیستے تھے۔ انوقت جیسا بکری کا دل باغ باغ ہوتا ہو گا اس کی قدر امتباہی دالے کر سکتے ہیں۔ جب غمور پڑا ہی اور ہم سب بھاگ کر وزیر آباد گئے ہیں کیسی حویلی اور کس کے مکان۔ ایک ڈولے ہوئے قبرستان میں رات کو بیدار کیا۔ خدا وہ وقت دشمن کو نہ کہا ہے۔ بہت ہی محنت پر جان بھری ان کہنہ روں میں جہاں ات بھر آلو اور گینہ رہتے تھے۔ ڈولے پھولے چہرے اور کچی کچی تھروں پر لٹنے اپنے دوپٹے بچھا انٹیں سر ہانے رکھیں اور بھوکے پیاسے پڑ رہے۔ برا سلتی بھی ساتھ تھیں ان کی ایک بچی سلمہ جو اسی کینخت غمور کی بھینٹ چڑھی گو د میں تھی۔ ڈیڑھ پونے دو برس کی ہو گئی۔ جس مصیبت سے ان بچاری نے رستہ ط کیا ہے۔ میں کیا بتاؤں۔ ڈھیلے پانچوں کا پا جامہ چارہ پائے کو س کی رٹ گود میں بچی ایک ایک قدم بھاری تھا۔ ساری بیویاں لپک لپک کر آگے بڑھی جاری تھیں اور بچہ چارہ کبھی پانی پانی اچھا تیں کبھی بچی کو سنبھالتیں۔ یوں تو ہم سولہ مترہ بیویاں تھیں مگر سب کی سب کچھ ایسی گھبرانی اور سٹ پٹائی کہ جو تھا وہ مرنے سے بدتر کیسی سخت مصیبت کہا سامنا تھا۔ ادھر سے کالے ادھر سے گوسے۔ پھر کان کے برابر سے گولیوں کا سن سن کر

نکلنا۔ جانوں کا خدا حافظ اور دلوں کا اللہ بیل تھا۔ مانتا کا حال معلوم کرنے کا وہ وقت تھا۔ گرمی کے دن دوپہر کا وقت دھوپ اس شدت کی کہ جیل انڈیا چھڑے سبقتی بد نصیب کی جوتی بجی اس بھاگڑیس گر پڑی۔ لو کے وہ جھک کر الٹی توبہ مانتا کی ماری پتی کو گلے سے لگائے چلی جا رہی تھی۔ آپ تنگی ہوئی۔ دوپٹہ اتار چارتہ کیا اور لڑکی کو اڑھایا کہ لو کے جنو کوں سے کچھ تو نیچے۔ دونوں ہاتھوں سے چپائے کیلے سے لگائے چلے چکے پڑے پڑے کر پھونکتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں کہ "الٹی میری ننھی کی خیر، کس وقت اور آفت سے وہ کہنیں رستہ ملے کیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ جہٹ پنا وقت ہو گا جب ہم وہاں پہنچے قیروں کے ڈھیر اور خاک کے تودوں کے سوا کھانے پینے کو اللہ کا نام تھا پچی اور تو پڑی پا۔ پھر کی دھوپ بھر پیاماں کا جلتا بھلتا دو دو گرمی کے دن رات کا وقت ہوا بندہ۔ نیچے یوں ہی بھول پان ہوتے ہیں۔ کوڑھیں کھاج۔ مقلی ہیں آٹا گیلہ۔ لڑکی کو پیاس ہو گئی۔ اب پانی کے واسطے اس بچی کا بلبلانا۔ ایک چنچ آسمان اور ایک زمین۔ تم ابھی بچہ ہو کیا سمجھو گی۔ مگر تمہیں آج کی گھڑی تک یاد ہو کہ اس ڈیڑھ برس کی صیغی کی مانتا نے ماں کی جان پر بنا رکھی تھی۔ چاروں طرف پریشان پھر رہی تھیں اور ایک ایک سے پوچھتی تھیں۔ کیوں ہمیں یہاں ہیں پانی بھی مل جائے گا؟ بہلا وہاں پانی کہاں وہی بی سلتی جو دن دھڑے کو کھڑی میں اکیلی جاتی ڈرتی تھیں۔ اندھیرا ٹھپ جھگل بیابان۔ جدھر منہ اٹھا نکل کھڑی ہوئی۔ اس ننھی سی جان پر اپنی جوات جان قربان تھی۔ چور کا کہنکا زسانپ کا ڈر۔ بچی کو کندھے سے لگا گاؤں کی طرف چل پڑیں کسی اللہ کے بندے نے رحم کھا کر پانی دیا۔ جب ہاں سے لوٹی ہیں گو دین پچی ایک ہاتھ میں مٹی کا لٹا پانی بھرا ہوا۔ بیٹھ بیٹھ کر یہاں پہنچیں۔ بچی اتنی دیر جو بچہ بالکل ملکان ہو گئی اور ہلا پانی اُدھر سے ٹھنڈی ہوا اور سب سے بڑا ماں کا بچہ ہوا۔ آنکھ لگ گئی ہم سب بھی بڑا کر سو گئے۔ مگر اس اللہ کی بندی کو بلک سے بلک جھپکانی حرام تھی۔ ٹانگیں نسل یا تھ

پاؤں تختہ۔ کمر پٹا۔ ایک رنج بیٹے بیٹے کو بھی جھٹک گئی۔ بہتر ہی کہا مگر اس کے دل نے گواہی نہ کیا کہ بچی بچپن ہو۔ وہ آفت اور مصیبت کچھ بھی یاد نہ تھی۔ بچی کو دین کیا تھی گویا نہ اس کی نعمت تھی جھک جھٹک کر ہمارا کرتی تھی۔ اور بلبلہ بلبلہ کر دے عانیں مانگتی تھی۔ رات بھر تو لڑائی خاصا اچھی طرح سوتی رہی صبح کو بھی اچھی تھی۔ دوپہر سے بگڑ گئی خدا جانے لو لگی پیاس ہوئی خاتم تک تو ہاتھوں میں تھی۔ مغرب کی نماز کا وقت تھا اور لڑائی ماں کی گود میں آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔ ماں کی نگاہ بچی کے چہرے پر تھی۔ جب بے بسی کے عالم میں کراہتی تھی تو کلیجہ پر مانتا کی جھریاں چلتی تھیں۔ منہ پر نہ رکھتی تھی سوز و گہم نہ ہنسنے لگتی تھی۔ اور گر گڑا گڑا کر کہتی تھی۔

”میرے اللہ مجھ دکھ باری پر رحم کر۔ اے میرے اللہ میری بچی کو اچھا کر دے۔“ دعا مانگ کر سپٹ پر دم کر رہی تھی کہ لڑائی نے آنکھ کھولی۔ اس وقت کی حالت بیان کے قابل نہیں۔ کس محبت سے جھپٹا اور رو کر کیا ہے۔

”اے سلمہ میں ماں نہیں لڑتی ہوں۔ ابھی ماں کی التجا ختم نہ ہوئی تھی کہ لڑائی کو ایک چٹکی آئی اور ایاں کی صورت کو تھکتی ہوئی ہمیشہ کے واسطے گود خالی کر دی۔ ادھر ادھر کی عورتیں تو دن ہی میں گاؤں کو چلی گئی تھیں۔ بس ہم گنتی کے پانچ آدمی وہاں تھے۔ ہر چند سب نے سر ہٹا کر اس مصیبت زدہ نے بچی کو گود سے نہ اتارا اور رات بھر روتے کو کلیجے سے لگا رہی۔ میں نے جب صبح کی نماز کا سلام پیرا ہے۔ دیکھتی کیا ہوں گم سم بیٹی لڑائی کے منہ کو ملنے لگی باندھے تک ہی ہے۔ میرا پاس جا کر بیٹھتا تھا کہ ایک پیچ ماری اور یہ ہلکے بہوش ہو گئی۔

”اے آپا! کھڑا اب میری بیگم کو جھک میں سلا دو۔“

سب ہمیں بوی تن یہ ہر ماں کا تھا۔ ماں ہی کا دل باندھا جیسی جیسی مصیبت اُٹھانی پڑتی ہے۔ بچہ کانپتا پھیٹکا ہوا اور ماں کا خون خشک۔ ہاتھ پاؤں مارنے۔ یک کر گود میں

آگیا اور خون چلوؤں بڑھ گیا۔ اپنے تئیں گیلہ اُسے سوکھا آپ کہ اُسے سکھ ذرا جی بے مزہ ہوا
 اعدیاں پر لگئی۔ دوائی ٹھنڈائی چھانی اور بنانی پسینی اند بلانی کیا کیا بتاؤں۔ ایسی
 خدمت گزار عورت جس کو ماں کہتے ہیں۔ اسی لائق ہے کہ جب بیٹیاں پل پلا کر بڑی ہو جائیں
 تو سامنے کھڑی ہو کر زبان چلائیں۔ زمین کا پوند ہو جائیں۔ یہی ناگنی اور کسینی بیٹیاں دنیا
 میں پیہ پیہ پیش آ رہی گھنپا تا بابکڑا لٹے رہے۔ چیزیں مسر کر جاتی ہیں مگر نہیں ملتے تو ماں اور
 باپ آؤ تم کو ایک کہانی سناؤں۔

ایک دن لڑتی ہوئی دو عورتیں	اُنیں عادل شاہ کے دیوار میں
ایک ننھے ننھے پر تکرار مکتی	دونوں اس مصہوم کی تھیں مری
شاہ نے ہر چند سمجھایا م نہیں	تاکہ جو قصہ ہو وہ سچ سچ کہیں
پھر بھی لیکن یہ کہا ہر ایک نے	میرا بچہ ہی عنایت ہو مجھے
آخر میں کچھ سوچ کر شہ نے کہا	ہم ابھی آتے ہیں تم بھڑ دڑا
کہہ کے یہ تشریف اندر لے گئے	اور اس بچہ کو بھی لیتے گئے
کوئی دس بارہ منٹ میں لوٹ کر	آکے بیٹھے بادشاہ پھر سخت پر
ایک خادم کی بغل میں ساتھ تھا	ایک صند وق کہنوسی خوشنما
شہ نے وہ صند وق رکھا اور پرو	اور بھکی عورتوں سے گفتگو
اب کئی گردوں ہی دعویٰ کیا	تو بڑا نقصان ہو گا دونوں کا
بند ہے وہ بچہ اس میں دیکھ لو	کس کا ہو تم دونوں میں سے بچہ
جس کا پیہ پیہ وہی ایمان سے	ورنہ پھر کیا فائدہ نقصان سے
بادبو عاں کے کہا ہر ایک نے	میرا بچہ ہی مجھے کو دیجئے
زیر دیاں ایک دریا بہتا تھا	بادشاہ نے خادموں سے یہ کہا
پھینک دو دریا میں اس صند وق کو	اور پھر ان دونوں کو بھی ڈالو

بھینک کر صندوق شاہ کے حکم سے
 ایک تو بس جیتے جی ہی مر گئی
 اور جا لپٹی اسی صندوق سے
 شاہ نے فوراً اٹھکھلوا یا اُسے
 لا دو اس بچہ کو اندر سے ابھی
 شہ نے اس کا بچہ اس کو دیدیا
 مستحق بچہ کی ہے یہ نیک بخت
 نے کے بچہ ایک کو رخصت کیا
 تنے دیکھا؟ کیسی کو دی دوڑ کر
 جان کا اپنی نہیں بالکل خیال
 ماں کے رشتہ سے بڑا رشتہ تھیں
 جاگتا راتوں کو بچہ کے لئے
 بے مزہ ہو کچھ اگر بچہ کا جی
 اور بچہ دو وہ پیستا ہوا اگر
 یا اگر ہو جائے بچہ کو زکام
 کھانے میں پیئے میں ن میاں میں
 الغرض ہر وقت ہوا سکون خیال
 لئے خادم عورتوں کے واسطے
 ایک خود دریا میں فوراً جا پڑی
 تاکر اس کو ڈوبنے پہنچنے نہ لے
 اور یہ تاکہ کی خستہ ام سے
 مہل میں اس بچہ کی ماں ہی پھی
 اور اس میں یہ سنایا فیصلہ
 دوسری کو دس برس کی قید سخت
 دوسری کو قید میں ڈکھلوا دیا
 ماتا کا ایسا ہوتا ہے اثر
 لیکن اس بچہ کا تھا از بس ملال
 ماں سے بڑھ کر چاہنے والا نہیں
 اور بچہ ناگواری میں لے کر لے
 پھر نہ پوچھو اس کے دل کی تکلی
 اور اس کے پیٹ میں ہو کچھ کسر
 تو اسے دنیا کی سب چیزیں آم
 جاگنے میں سونے میں ہر باتیں
 یہ نہ ہو تکلیف پائے میر لال

کس کو ہے آ کی محبت میں سکلام
 بس میاں رہشہ کرو قصد تمام

(۸)

دن آ رہے ہیں اور چار پہے ہیں۔ عمروں کا زمانہ کو قیام۔ روز روز صبح اور روز روز

شام۔ کل کی بات ہو۔ بی سیمہ کے دودھ چھٹنے کی طیاریاں تھیں۔ آج ماشاء اللہ سات بھر
 کرائی گئیں۔ پڑھنے اور یاد رکھنے کا وقت اصل میں تو اب ہی تھا مگر سنجیدہ وہ سمجھدار اور
 ہوشیار عورت جس کے پرچہ واں پڑنے سے آدمی تمیز دار ہو جائے۔ بہت سچی کے پڑھانے لکھانے
 سے غافل نہ تھی۔ پانچ ہی برس کی کو اس نے ایسے رستہ پر لگا لیا کہ جو دیکھتا واہ واہ
 کرتا۔ اس نے اپنی بنگالہ کی مینا کچھ ایسے ڈھنگ سے اٹھائی اور ایسے رنگ سے سدھائی
 کہ خدا ساری دنیا کی بیٹیوں کو ایسی افتاد نصیب کرے پورے پانچ برس کی بھی نہ ہوئی تھی
 کہ اس نے بسکٹ کی تھنی تھنی سی ٹکیاں بنا کر حرفت لکھوائے۔ صبح ناشتہ کا وقت آیا اور
 آٹھ دس ٹکیاں رانگے ڈال کر کہا۔ حرفت بتاتی جاؤ اور کھاتی جاؤ ایک ہینڈ پی بھر میں الف
 سے لیکر ی تک سارے حرفت ایسے ذہن نشین ہوئے کہ دس میں کیا ایک ہزار میں
 چھپا دو تو جو حرفت کہو الگ نکال لائے۔ حرفت ابھی طرح پہچان چکی تو سنجیدہ نے
 اپنے ہاتھ سے گڑیاں بنائیں ماسٹیر پر نام لکھے۔ جینی کا نام خاتم۔ گڈے کا احمد گڑیا
 کا رحمت۔ کسی کا مکتب کسی کا موسن۔ کسی کا مریم۔ کسی کا اسلم۔ گھر بنایا تو ایسا کہ اس
 انی سی خاتم منزل میں ضرورت کی تمام چیزیں۔ سرکنڈے کی تیلیوں کا پنکھا پٹا پٹی کے پردے
 نواری پلنگ۔ بان کی چار پائیاں۔ ٹسکا۔ گہڑ پچی۔ لوٹا۔ صراحی۔ تڑا۔ پھلنی کر جھلڑا ہی
 گوجی کا سامان الگ۔ جاڑوں کا اسباب جدا۔ ہر چیز پر نام لکھا۔ ڈھنگ سے رکھی۔ فرینے
 سے لگی۔ غرض پڑھنے پڑھانے کا تو اس نے بھی نام بھی نہ لیا اور کھیل ہی کھیل میں یہ کمال کیا کہ
 چار حرفت تک کے لفظ کیسے شکل کیوں ہوں مجال نہیں کہ انکے جانے رات کو ساتھ
 لے کر لیٹی تاروں کا ذکر کرتے کرتے دوزخ جنت زمین۔ آسمان سب کے معنی بتا دیئے۔
 دن کو پاس لیکر بیٹھی کھانا پینا ملتا جلتا ہر ایک کے متعلق تمام حالات سناتی گئی۔ لڑکی
 ذہین ایسی کہ جو بات ایک دفعہ سن لی ایسی تہ نشین ہوئی کہ پھر نہ بھولی۔ سات برس
 کی سیمہ توارہ کی تیسری اور چوتھی ماشاء اللہ فر فر پڑھتی تھی۔ تصویروں کا شوق

بچوں کو قدرتی طور پر ہوتا ہی سنجیدہ یہ نئی ترکیب کرتی تھی۔ تھانوں پر سے چٹھیاں اتاریں اور ہر چٹھی کے نیچے موٹی موٹی تین چار سطریں لکھیں دو ایک باتیں منہ زبانی بتا کر ایسی چاٹ لگا دی کہ جب تک سارا حال نہ پڑھ لیتی چین نہ پڑتا۔ تصویروں کا شوق نئی کتابوں کا قوق نسیم کو کتابوں کو ایسی لپٹی کہ سنجیدہ کا بھی جی اُکٹا گیا۔ دن بھر پارات صبح ہو یا شام جب بیکھو کتاب ہاتھ میں نگاہ حرت پر۔ ایک دن صبح کے وقت نسیم بیٹھی پھوپھی کو بہن سنار ہی تھی۔ اتفاق سے ماں بھی کل آئی۔ دودھ پیتا بچہ گود میں تھا۔ بیٹی کو پڑھتا دیکھ پاس آ بیٹھی۔ منہ نے پان بنا کر دیا۔ بیٹی سبے پڑھنا شروع کیا۔ باادب یا نصیب بے ادب بے نصیب۔ خوش نصیب ہیں! لڑکیاں جیڑوں کا ادب کرتی ہیں اور رشتہ تک کی بوڑھیوں کا کہا نہیں مانتیں۔ گھر بھر میں انکی داد داد اور کنبہ بھر میں انکی تعریف ہوتی ہے۔ جو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے کسی سعادتمند بچی ہر کیسے ہی خفا ہو کتنی ہی نصیب ستیاں کر دے۔ جابجیا کچھ ہی کہو مگر کیا مجال جو کسی بات کا بھی جواب دے۔ انا ہوا ماما دادی ہوا ماما۔ بزرگوں کا ادب عین شرافت کی نشانی ہے۔ جیت ہی اس لڑکی پر کسی بڑی بوڑھی نے کوئی بات کہی اور اس نے ٹکڑا توڑ کر جواب دیا۔ لڑکیو! اگر آج تم بزرگوں کا ادب کرو گی تو کل تمہارے چھوٹے تمہارا ادب کریں گے۔ اگر اس وقت تم نے اپنی نالائقی اور ناسنجادگی سے ان کی بے توقیری کی تو یاد رکھو اس سے زیادہ تمہاری بے عزتی ہوگی۔ اے اس کتاب کی پڑھنے والی بچتو! بڑوں کی خدمت کرو ان کا ادب کرو۔ رعائیں لور ادیں پاؤ۔ پھولوگی پھلوگی۔ خوش و خرم رہو گی۔ جب کسی فرد گ کے سامنے جانے کا اتفاق ہو یا وہ کسی ضرورت سے کل آئے اس سے اوجھل ہو کر اپنی اور مہنی سنبھال کر اوڑھو۔ بیکل ٹھیک طرح سے لگاؤ۔ یہ نہیں کہ بازو کھلا۔ سر نہ لگا اور مہنی کا چھڑا کتہ ہے پر۔ لڑکیوں کا سب سے بڑا جہر شرم و حیا ہے۔ بعض لڑکیوں میں بدتمیزی سے پان کھانے کا سخت عیب ہوتا ہے۔ کپڑے ٹھیک کر لینے کے

بلکہ یہ دیکھو کہ پان کی سرخی باجھوں تک تو نہیں آ رہی۔ ہونٹ بھر ہوٹی ہوئے ہیں تو
 سکتی کرو منہ صاف کرو اور تہایت ادب سے آہستہ آہستہ چلکر سامنے آؤ۔ جبکہ کمر سلام کرو
 اور سامنے سے ہٹ جاؤ۔ یہ بھی عیب کی بات ہے کہ بس منہ میں کل گئے۔ وہ بلائے تو پاس
 یا د سوال کرے تو جواب دے۔ بغیر ہلکے سر پر سوار ہونا اور گیس کر بیٹھنا بڑی بیہودہ بات
 ہے۔ اگر کسی بات کے جواب دینے کی ضرورت ہو تو سچی نگاہ کر کے ادب سے جواب دے۔ آنکھوں
 میں آنکھیں نہ لکڑھٹاؤ۔ بات بات میں کرنی کچی عیب میرا فعل ہیں۔ پاس بیٹھنے کا اتفاق ہو تو
 اتنی احتیاط نہ کرو کہ کرنی چاہیے کہ بولنے میں جینٹیل منہ سے نہ آئیں۔ اگر کسی مجلس میں
 کوئی بزرگ کسی کام کو کہے تو اس کے حکم کی تعمیل شرافت کی عین دلیل ہے۔ اگر چند بیویاں
 بیٹھی کسی کام کا ذکر کر رہی ہیں تو سنی ان سنی کر دو۔ خواہ خواہ داخل دینا اور فستول باتیں کرنی سخت
 نالائق ہے۔ ایک بہت بڑا عیب لڑکیوں میں لڑے پن کا دیکھا گیا ہے۔ اس کی بُرائی
 اس سے اور اس کی اس سے۔ خدا پہلے مانسوں کی بیٹیوں کو اس سے بچائے۔ پہلے
 ہیں تو لوگ بہت عورت کرتے ہیں کہ یہ مخبر ہے۔ ادھر ادھر کا حال معلوم ہوگا۔ مگر تو بڑے
 ہی دنوں میں جہاں قلعی کھلی بس ہر جہوٹی عورت رخصت ہوئی۔ بلکہ الٹی ذات حاصل
 ہوتی ہے۔ کھانا کھانے میں بہت سی باتوں کی احتیاط چاہیے۔ خصوصاً آواز سے
 چیڑ چیڑ کر کے کہنا نا پرلے سرے کی بد تمیزی ہے۔ نوالہ اس طرح چبانا چاہیے کہ برابر
 دسے کو بھی آواز نہ آئے یہ نہیں کہ منہ میں نوالہ لینے کے واسطے زبان آدھ گرا باہر آجائے
 جس برتن میں کوئی دیر سر شمشک کہاں ہو اس میں بھی کھانا اچھا نہیں۔ لیکن اگر ضرورت
 مجبور کرے تو تیز کے یہ معنی ہیں کہ اپنے آگے سے کہاؤ۔ نہ یہ کہ دوسرے کے آگے سے
 اٹھا اٹھا کر اپنا پیٹ بھر لیا۔ ایسے کھانے سے بہتر نہ کھانا۔ جو دوسرے نام کرہیں۔
 مانگے مانگے پر فخر کرنا اکثر لڑکیوں میں دیکھا گیا ہے اور ایسا بڑا عیب ہے کہ خدا کی بناء
 دوسرے کی چیز پر غرور اور پروائی چیز پر ناز کرنا محض بیوقوفی ہے۔ اپنے پاس چیز

نصیب نہیں مگر دوسروں کی لیکر اترنا عام دستور ہو گیا ہے جو سخت بے شرمی اور بیسیانی کی بات ہے اگر کسی کی کوئی چیز کہوئی گئی تو نقصان کا نقصان ہوا اعتبار کا اعتبار کیا مگر منہ مہنگی ہوئی سو الگ۔ دوسروں کے پلاؤ تو رے اندر وہ برائی سے اپنی روکھی سوکھی وال دلیہ ہزار ورجہ بہتر۔ جو کچھ خدانے چاہا اس پر قناعت اور جس حال میں کھا اس پر صبر۔ سب سے بڑی انسانیت اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ بنارس سے کوئی چہ وہ کوس پر ایک بستی ہے وہاں کے نواب صاحب کے ہاں بیٹے کا بیاہ رچا۔ دور دور سے لوگ آنے شروع ہوئے۔ رئیس کے ہاں کی خوشی بیٹے کا بیاہ۔ روپیہ۔ ارمان۔ دل۔ ساچن والے، فذ تو قل دہرنے کو جگہ نہ تھی۔ صدر دارالمان میں نواب کا کنبہ۔ اور بغلی کمر میں بیگم صاحب کی میکہ والیاں اتری تھیں۔ نواب صاحب کی مٹی بھائی تھی تو لڑکی۔ مگر لڑکی کی آفت کا پرکالہ تھی۔ جب دیکھو کھلا گرم۔ ہنہ میں گھوڑی ٹھسی۔ کواری لڑکی کو یوں تک کاہل۔ آئینہ سامنے رکھا اور ہر پھری اور شکل دیکھنے بیٹھ گئی۔ چلے نکا وہاں کہ وہ آفت کہ بدہنر کل گئی قیامت عطر آنا غنیمت کہ ذرا سی دیر برابر میں بیٹھنا مصیبت۔ چال ایسی۔ سال ایسا۔ سب بیویوں نے منہ جوڑنا شروع کیا۔ گود بھئی خوبی اسی طرح چاند نظرت اتراتی پھرتی تھی۔ دو ماہیں ساتھ۔ ایک کے ہاتھ میں ناصعدان۔ دوسری کے پاندان۔ دم پر دم پان اور گہڑی پر گہڑی اکھنڈ۔ بدتمیزی کی یہ کیفیت کہ سفید اندا اسی دیوار پر یک کے دہبوں سے گلنا رہنا دی۔ اچلی سفید۔ صاف شفاف چاندنی۔ پانی جو اگر اڑ گئی چوڑا۔ اس پر اندھھی کا جل کی ڈبیا۔ جگہ جگہ خامے بڑے بڑے کھلے پکٹے پڑ گئے۔ چاہیے کہ لڑکی اپنی اس نادانی پر کچھ پشیمان ہوتی۔ لا حول دلاؤ۔ دنیا کی توجہ تھا کہ دستور کے موافق ڈولی یا پالکی سے اتر پلے ربے ل ملانی ہوگی۔ مگر بی بی کی صحت کے وقت معلوم ہوا کہ سخت کو اتنی بھی توفیق نہ تھی کہ کسی بڑے کے واسطے دفانگیاں بھی ماتھے پر رکھتی۔ بیگم صاحب کے پاس گئی تو کس کا سلام اور کیسا ادب دیدہ ہوئی۔ آنکھ میں صفائی۔ انگنائی ہی میں سے آوار لگائی ہوئی مائی

اچھی ہو؟ کہلکھلاتی چلی۔ جھومتی جھامتی آئی اور آلتی پالتی مار برابر میں آن بیٹھی۔
 اسی عمر کی ایک اور لڑکی رشتہ میں بیگم صاحب کی دود پرے کی ہستی۔ گو غریب تھی مگر
 ایسا سلیقہ شعار۔ چاندی کی بالیاں ننگے ہاتھ خالی پاؤں ہوں تو ہوں مگر ایک ہر
 شرافت اس کے پاس ایسا تھا کہ لاکھوں کا زیور قربان ہو جائے۔ ایک کونہ میں دیکھی سکڑی
 کونڈے پر بیٹھی تھی۔ اس شہنی خودی مغرور لڑکی کو اتنی تاب کہاں کہ غریب لڑکی برابر میں
 بیٹھ جائے۔ پاؤں کا ایک ٹھوکا ایسا دیا کہ سکین سرک کر الگ ہو بیٹھی۔ اس پر بھی ٹھنڈک
 نہ پڑی تو کہنے لگی۔ "لے ہے مانی یہ کیا ست بجز اکا زخانہ کر کہا ہے۔ پیسے ہم لوگوں کو کیلدا دیا
 رہتا۔ پھر ان بچاریوں کو بٹھاتیں۔ دیکھو تو سہی اس لڑکی کے کپڑوں میں سے کسی بواری
 ہے۔ میرا تو جی بھی ملتا نہ لگا۔ ماشہ در ماشہ مٹ رہی تھی تو شادی میں آنے کی
 کیا ضرورت ماری جاتی تھی۔ اور پھر یہ بھیاٹی کہ برابر گھبراہٹ بیگم صاحب کو بھانجی کا
 یہ کہنا اگر تو بہت معلوم ہو اگر سسرال کا معاملہ۔ سگی نند کی لڑکی۔ اپنے گھر کی جہان
 کچھ سوپے ساچ دم بخود رہ گئیں۔ ہاں اور بیویوں کو یہ کھوڑے بہت ہی زہر معلوم ہوئے
 مفلس غریب بے ماں کی بچی وہاں سے اٹھ الگ کونہ میں جا بیٹھی۔ اس کی حسرت و
 بیکسی دیکھ کر خراپ بڑی بی کو غصہ آگیا۔ کہنے لگیں۔ لڑکی ذرا اپنی ہستی کو دیکھ کر بات
 کر۔ تو نے تو مومے کا فرد کو سبھی مات کیا۔ امیری اور گھنا کسی کی ذات نہیں ہے جس جگہ
 سے تو نے اس وقت ایک بے ماں کی بچی کو اٹھا دیا۔ تجھے خبر ہے کہ کس کا دربار ہے اور
 چوہنک کس بیوی کے نام کی ہے۔ یہ اس باپ کی بیٹی ہے جو مسلمانوں کے سر کا تاج یہ وہ بیوی ہے
 جس کا نام فاطمہ زہرا جو خود دیکھیا ری مصیبت کی ماری تھی۔ دو دو تین تین وقت کے نافوں
 میں بھی جو کچھ میسر آیا وہ حاجتمندوں اور مسکینوں پر سے قربان کر دیا اور اپنی فیکوں کا نمونہ ایک ایسی
 یادگار چھوڑ گئی کہ آج مسلمان بیویاں اس نام پر نخر کرتی ہیں۔ لہذا شہنی میں چر اور دولت میں
 مغرور لڑکی تو نے سچے دربار سے ایک ایسی اصل سیدانی کو اٹھا دیا جو حق سے زیادہ حق دار ہے۔

دنیا فانی اور یہ دولت آتی جاتی ہے۔ اری نادان کس چیز پر بھولی! خدا سے ڈر سرنے کو
 مرنا سمجھو۔ اس وقت اس قیمتی کمال کیا کہہ رہا ہوگا۔ اس کی آہ بڑے دیکھے ہوئے دل کی فریاد
 ہے اور ایک ایسے بادشاہ کے حضور میں جو تجھ سے بہت زیادہ اختیار والا اور منصف
 مزاج ہے۔ میری آج کی بات یاد رکھ کہ اگر اس کو راضی نہ کیا تو برباد ہو جائے گی۔ بڑی بڑی
 کی باتیں کچھ ایسی درد بھری تھیں کہ سب کے بدن پر رینگنے کا کہرے ہو گئے مگر نہ ٹس سے مس ہوئی تو
 وہی کجست بہتیرا ہی ممانی نے کہا مگر اس کے کان پر جوش چلی۔ اتنی اور منہ ہی منہ میں
 بڑبڑاتی ہوئی سیدھی ہوئی۔ سب گنوں پوری کوئی نہ کہولندہ وری۔ اتنا کچھ اللہ نے دیا تھا
 مگر کتنی کہاں جاتی وہ تو فیض ہی میں تھی چلتی دفعہ بھوپتی زادہ من سے ایندھن کے کنگن لیکر
 ہاتھوں میں ڈال لئے۔ رات کو پڑ کر سوئی تو نہ کہوں کا خیال نہ گئے کی احتیاطیوں میں پہنے
 پہنے ڈیمیر۔ بڑے ہاتھوں کے کنگن ڈیمیل کیلیں ایک کہلکر گر پڑا صبح اچھی تو ہاتھ منہ کنگی چوٹی
 سر نہ کاہل سب ہی چیزوں کا ہوش اد نہ ہوش تو گئے کا۔ مانے دیکھ کر جتا یا تو ڈھنڈیا پڑی۔
 شادی کا ہنگامہ سینکڑوں آدمی بھرے کنگن کیا خاک ملتا ستم یہ ہوا کہ اس دینے والی
 برصغیر کے بھی کنگن میلے کے نہ تھے بس سرائی کے کنگن چڑھائے کے آئے ہوئے۔ نقصان ہوا وہ
 الگ شیر منہ کی ہوئی سوجھا ابھیو! اس واقعہ سے تم کو سبق لینا چاہیے کہ کسی کسی کے مانگے کی
 چیز کا استعمال نہ کرو کہیں شادی میں جاؤ تو بڑوں اور چھوٹوں سے ملکر جو جگہ تہاڑے واسطے
 تجویز ہوئی وہاں اپنا بچھوٹا بچھاؤ۔ اس بات کی سخت احتیاط کرو کہ تہاڑی وجہ سے مکان
 میں دہستے ذخیرہ نہ پڑیں۔ میزبان کا بچھوٹا خراب ہو۔ جو کچھ خدا نے تم کو دیا ہے وہی پہن ڈھو
 کر جاؤ۔ ملو تو اس طرح کہ جو دیکھے وہ خوش رہو تو اس طرح کہ جو بلائے وہ مارا باغ۔ ہلکے
 تو اس طرح سے کہ دوبارہ ملنے کی آرزو باقی رہی جو کچھ تارنکا ٹوم چہا پامیسر ہو اسکو نگاہ
 میں کہو سوتے وقت سب چیزیں آمار کر کسی بڑی بوڑھی کے سپرد کر دو۔ بایلوں کی گونجیں پونچیں
 کی گینگٹیاں بکروں کے موگرے بازو بندیا جو شند کے دورے مگر دیکھو کاشا مان سب

چیزوں کی طرف سے اطمینان کہ لو کہ ٹھیک ہیں اور گرنے والی نہیں صبح اٹھتے ہی منہ ہاتھ دھونے کے بعد جن زیورات کو پہنا ہوا اس کی جانچ کر وہ بد صورت لڑکیوں پر کہیں نہ منسوب کئے گئے کہ انکی سیرت تم سے بہت اچھی ہو کسی کو حقارت اور نفرت سے دیکھنا بڑی بے ادبی غلطی ہے

ایک لڑکی کا ذرا کالا تھانگ
کھیلنے تلے مل کے وہ وہ نہیں ہم
ایک نونچل کہیں گھر میں پڑا
دیکھی صورت اس میں نواں ہے جو میں
اس کے ہنسنے کا سبب وہ پاگئی
آئی پھر روتی ہوئی وہ مار کا پاس
بھائی کو بلوائے اما جان ابھی
ماں اس کی جو بہت تھی ہوشیار
اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر یہ کہا
خاصی اچھی شکل ہوئے میرے بیان
اور اگر ایسا ہی تھوڑی خیال
تو کہ بیٹی ہمیشہ نیک کام
بد صورت اچھی گز نہیں تو شرم کیا
اور پھر بلوائے لڑکے سے کہا
کیوں مٹنے تلے تم بہن کی شکل پر
یہ بد صورت ہی تمہاری چاند سی
گر کسی کی شکل ہو سچ بڑی
اور جس کو اپنی صورت سے خدا

اور اس کے بھائی کا گورا تھانگ
کچھ نہیں تھا ان کے دل کو رنج و غم
اتفاقاً ایک آئینہ ملا
کہنا کہلا کر بس پڑا لڑکا میں
اور اپنے دل میں شرمندہ ہوئی
اور یوں کہنے لگی ہو کر اداس
کہہ دآئینہ نہ دیکھیں وہ کہیں
پوچھ کر آئینے سے آنسو کے پیار
کون اس صورت کو کہتا ہے بُرا
کچھ نہ کرنا اپنے دل میں اسکا وہ بیان
اور صورت کی برائی کا ملال
تاکہ ہو دونوں جہاں میں تیک نام
سیرت اچھی چاہئے لے باجیا
تم کو دعویٰ ہے بہت کچھ حسن کا
کیا برائی اس میں آئی تھی نظر
ہی نہیں باتوں سے کچھ کچھ اندسی
تو بھی اس میں کیا خطا ہے شخص کی
اس کو کہیں کچھ ہے نہیں حق فخر کا

ہاں مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے اپنی صورت کو بنائے آپ سے
شرم بھی جائز ہی بیشک فخر بھی یہ نہیں ممکن مگر بیٹا کہی
کام اچھے کر کے تم لے سیکر چاند اپنی صورت کو لگاؤ چار چاند
اس کو بخشا ہی خدا نے جو شرف یہ ہو لگ جائے اس میں کچھ کفایت

اچھی صورت سے ہیں اچھے اچھے کام
ختم کر رات شد حکایت والسلام

(۹۱)

بہا تک پہنچ کر نسیم ٹہکی تو ماں نے ایک ٹھنڈا اسانس بھرا اور منہ سے کہلائے ہی آیا اس
غریب لڑکی کا حال سن کر تو میرا جی بہت ہی کڑا لگا۔ مگر ایک بات کہتی ہوں لڑکیوں کے
پڑھانے لکھانے سے فائدہ کیا۔ ان کو کہیں نوکری نہیں کرتی۔ روٹی نہیں کما فی سارے
جہان کا حال بتا کر اور دیدہ دلیر کرنا ہی۔

نندہ۔ اللہ کا شکر ہے۔ میں بھی مسلمان ہوں اور تم بھی۔ ہمارے حضرتؑ نے فرمایا ہے
کہ علم ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔ نسیم کی ماں تم بھی کیا بچوں کی سی
باتیں کرتی ہو۔ پڑھنے سے اور عقل آئیگی یا دیدہ دلیر ہوگا۔

بھابھو۔ حضرت کے فرمانے کی تو مجھے خبر نہیں مگر میرے ابا اللہ بخشے آخر اتنے بڑے
مولوی تھے۔ لیکن ہمیشہ ہی کہتے رہے کہ لڑکیوں کا پڑھانا بہت ہی بری بات ہے۔
نندہ۔ میں تمہارے والد کی شان میں تو کچھ نہیں کہتی مگر جن بزرگوں کا یہ خیال تھا
وہ غلطی پر تھے۔ وہ بات کی تہ کو نہ پہنچے اند مسلمانوں کو جان بوجھ کر کنوئیں میں دھکیل دیا۔
ماں میں جا مل بچوں کی تربیت اچھی نہ ہوئی۔ خاصی پہلی جنگی قوم کا ناس ہو گیا۔ پیغمبر
زادیاں اور پیغمبر صاحب کے زمانہ کی مسلمان عورتیں علم کا دیا تھیں۔ یہ تو موٹی سی بات ہے
کہ علم آدمی کو آدمی بنا دیتا ہے۔ پڑھ لکھ کر عورتیں خدا کو خدا سمجھنے لگیں گی۔ گناہ سے

بچیں گی برائی سے پرہیز کریں گی۔ ایمان کو ایمان۔ عورت کو عورت۔ بڑوں کو بڑا۔ جھوٹوں کو جھوٹا ہر چیز کی اصلیت معلوم ہو جائیگی۔ دیدہ دلیر کی جو کہنتی ہو تو کیا ان پڑھ عورتیں طلہتی ہوئی نہیں ہوتیں۔ جاہل تو ایسی چلتے ہوئی ہیں کہ بڑی بڑی پڑھی لکھیوں کے کان کاٹیں۔ تم کو کچھ بہت کی بھی خبر ہے۔ کبھی اخبار دیکھو اور دنیا کا حال سنو تو معلوم ہو کہ مسلمان کتنے ذلیل ہو گئے۔ روز بروز بد تمیز نالائق جھوٹے کہنے ہوتے جاتے ہیں۔ یہ کیوں صرف اس وجہ سے کہ عورتیں جاہل ہیں اور گودہی میں دنیا بھر کے عیب گچھیں ہیں پیدا کر دیتی ہیں۔

بکھاراج۔ واہ بوا واہ عورتیں جاہل ہیں تو مردوں سے واسطہ یا وہی کہاوت ہے کہ کپہار پر پس نہ چلا۔ گدھیا کے کان اینٹھے۔

تہہ (ہنسکر) ہاں ہاں بہت بڑا واسطہ ہے۔ بچوں کا سب سے پہلا مدرسہ سمجھو انابین سمجھو جو کچھ بھی ہے اس کی گودہی جو سنیں گے وہ جانتیں گے جو دیکھیں گے وہ سیکھیں گے ان کی یہ حالت کہ نہ خدا کی نہ رسول کی تہہ یہ سے کوسوں دور جہالت میں چکنا چور عقل نہ موش برکت نہ نور۔ چہرہ پر ہینکا ر صورت پر خدہ کی مار۔ نالائق طریقے۔ بیہودہ اطوار وہی آخر بچہ پر ہوگا یا کچھ اور۔ بچپن کی پڑھی ہوئی عادتیں قبر تک ساتھ جاتی ہیں اور کسی طرح چھپا نہیں جھپتیں۔ جھوٹ۔ کمر۔ وغا۔ بے ایمانی۔ پس اسی کا نام مسلمان رہ گیا ہے۔ تم بھی تو مسلمان ہو۔ تمہارا دل یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان دنیا میں عزت حاصل کریں اور اس صفت سے چمکارا پائیں۔ کل ہی تو میں نے اخبار میں پڑھا ہے۔ جیل خانہ کے قیدیوں میں اتنی فیصدی مسلمان ہیں یعنی سو فیصدی۔ باقی میں میں اور سب قومیں۔ یوں سمجھو اگر شہر میں پانچ آدمی پکٹے جائیں جو چور و دغا باز بے ایمان ہوں تو ان میں چار مسلمان ہیں۔ کیسے شرم کی بات ہے۔ اگر آج لڑکیاں پڑھ لکھ کر ان دنیاؤسی ڈھکوسلوں سے کسی طرح جتنی پاجائیں تو چاہے ہم ہوں یا نہ ہوں مگر ایک پچاس برس جو جیتا رہیگا وہ دیکھ لیگا۔

کہ ایمان بس پر انسانیت کا دار و مدار ہے۔ کیسا درست ہوتا ہے۔ اور جب ایمان یعنی آدمی کی جنت ٹھیک ہے تو دنیا اور دین دونوں اچھے۔ مجھکو تعجب! درافسوس ہوتا ہے۔ کسطرح لوگ دوسروں کو دھوکا دیکر اپنا کام کر لیتے ہیں۔ انسانیت کے یہ معنی ہیں کہ حیاتِ آدمی اپنے واسطے پسند کرے دوسرے کے لئے بھی روانہ رکھے۔ نہیں تو وہی کہاوت ہو گی اپنا بولت اور کا ڈھٹینگ!۔ تعلیم سے بچے کے خیال چاہے لڑکا ہو یا لڑکی کچھ نہ کچھ کیا بہت کچھ درست ہو سکتے ہیں۔ خدا وہ دن کرے کہ مسلمانوں کی نگاہیں پڑھنے لکھنے لگیں پھر تم دیکھنا کہ ان ہی گودوں سے ایسے بچے نکلیں کہ واہ واہ سبحان اللہ کہو۔ کیا سمجھیں۔ سچ ہے یا جھوٹ۔

بھابھوچ۔ سچ جھوٹ تو میں جانتی نہیں۔ مگر ماں یہ ضرور کہوں گی۔ سو میں کہوں ہزار میں کہوں کہ اگر ایسا ہی بڑا مان ہے تو قرآن شریف پڑھا دو۔ نماز سکھا دو۔ بس اس کے آگے ٹھیک نہیں۔ لکھنا سکھانے کی تو میری صلاح ہرگز نہیں ہے۔ کون سے دفتر لکھنے میں۔ لکھنا آتا ہے تو جس کو جی چاہا لکھ ہیجا۔

نندہ۔ جی نہ ہوا پاگل ہوا کہ جس کو جی چاہا لکھ ہیجا۔ بے پڑے لکھے جی چاہا تو جہاں جی چاہا مکمل کھڑے ہوئے، ایک اس یہودہ خیال نے ہم کو کچھ سے کچھ بتا دیا۔ بیوی علم تو اور پیری باتوں سے روکتا ہی یا التام اور یہ الزام لگاتی ہو۔ میرا اتنا سمجھنا بھی بیکار کیا۔ اچھا اور ایک بات بتاؤ۔ میاں بیوی کا رشتہ کیسا ہوتا ہے۔ سینکڑوں باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ دوسروں کے بتانے کے قابل نہیں۔ اگر میاں پر دس میں ہے اور لکھتا نہیں آتا تاویل تو ایک ایک کی منت خوشامد کرو۔ دوسرے تمام دنیا میں اپنے بہیدوں کا ڈنڈہ اور اپنٹ۔ گھر کا بھیہی لٹکا ڈھائے۔ اپنی ضرورت کے وقت کچھ نہ معلوم ہوا۔ لیکن جب سر پر آپڑی تو آنکھیں کھلیں کی کھلی رہ گئیں۔ بولو بیوہ ماں ناں کا کچھ تو جواب دے چپ بکھی بکھی پڑی بھابھوچ۔ ہاں یہ تو سچ ہے۔ مگر آپاڑ پنے لکھنے سے ذرا عقل زیادہ تیز ہو جاتی ہے اور

پھر دور ہی کی سوچتی ہے۔

نعمت۔ پھر عقل زیادہ ہوتا بھی عیب ہے۔ برا تو ماننا نہیں اس اپنے گوشت کے توھر سے
منجھلی کو ہی دیکھ لو۔ کیا چیز نہیں ہے۔ آنکھ۔ ناک۔ کان۔ ہاتھ پاؤں۔ انگلیاں کسی
کی ہوں پانچ۔ اس کی چہرہ۔ خفا ہوگی تو ہولینا۔ ایک نہ پڑھنے کی وجہ سے جانور ہو گئی
بھافوج اس کی تقدیر کیا کروں۔ میں آپاس کے ہاتھوں نالاں ہوں باتوں ہی باتوں
میں سب کچھ کہہ دیتی ہوں مگر وہ تو اس کان سننا اور اس کان اڑا دیا۔ چلتا گھڑا ہونے پڑی
پہل گئی مونسے کتے کی بھی آدھ ہوگی اور اس کی نہیں۔ غیرت ہے تو سب کچھ ہے۔ جب تار
لی منہ کی لونی تو کیا کرے گا کوئی مسلمان کی سچی اور کبھی خدا کو سجدہ نہ کرے۔ کرے
کہاں سے دل میں خوف ہو تو کرے۔ کوڑی کوڑی پر قسم۔ بات بات میں قرآن جان
ڑکی ہوئی کئی۔ موٹی تازی۔ کھانے کو سیسے پہنے موجود۔ کام کے نام موت۔ بس بی آپا اب
میں جاتی ہوں۔ دیکھو کتنی دیر ہو گئی۔ اب ان کے آنے کا بھی وقت ہو گیا۔ جاؤں کھانے
کا ٹھیک ٹھاک کروں۔

(۱۰)

بھامی خراج کی کیسی ہی خستہ کیوں نہ ہو مگر نندے آج ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ
دو ہی باتوں میں سٹی بھول گئی۔ کچھ بات کی پچ کچھ مرے ہوئے باپ کی غیرت کا خیال
منہ در منہ قائل نہ ہوئی تو کیا۔ دل میں تو اتنا سمجھ ہی گئی کہ نندہ جو بات کہہ رہی ہے وہ باون توپے
اودھ پاؤرتی کی۔ دو دیکھوں جاؤں پہلے اپنی ہی لڑکیوں کو نہ دیکھوں کہنے کو تو دونوں ایک
ہی پیٹ کی اولاد ہیں۔ ایک ہی ماں کا دودھ پیا ایک ہی گھر میں رہیں ہمیں ایک ہی محلہ
میں پٹی نہیں مگر زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ بیگم یہ گستاخ۔ وہ آدمی یہ جانور۔ کہنے کو جو جی
چاہے سو کہوں۔ مگر ایمان کی بات یہ ہے تصویر میرا ہی ہے۔ ایک تربیت اچھی نہ ہونے
سے لڑکی ہاتھ سے جاتی رہی۔ ڈیر ٹھہر گز کی زبان ساتویں آسمان پر خراج۔ لڑکی کیا

فرعون بے سامان ہو۔ نرگس کی دشمن۔ موسیٰ کی قاتل۔ باکھی ہو وہ شاکلی۔ تاباں ہو وہ تالان
 پھوپھی ناخوش۔ باواہیزار۔ خدا کی قسم اس مردار نے تو میرا دم ناک میں کر دیا۔ ننھیال اور
 دو ہیال ایک بھی تو خوش نہیں۔ پھر یہ کیسی آفت ہو۔ کنبہ ہو کنبہ اندہ محلہ تو محلہ شہر بھر میں نام
 اچھل رہا ہو۔ بچاری دہو بن لینے میں نہ دیے میں۔ اس نہ پاس۔ بہروں بیٹھے بٹھائے اسی کی
 جان کو آگئی۔ زبان ہو کہ الامان بھینٹا۔ سینکڑوں کو سسے۔ ہر راز و فتنہ قیتیاں۔ بچہ نہیں
 تادان نہیں۔ پاگل نہیں سڑن نہیں۔ یہاں تو خیر جیسی گزرتی تھی گزرتی اور جیسی گزرتی ہوگی
 گزرتی جائے گی۔ جھکے تو آگے کا اندیشہ ہو۔ کون بھرے گا اور کیا کرے گی۔ سیمہ کی طرف سے ٹھنڈی
 ہوا آرہی ہو۔ اہلی دنیا بھر کی خوبیاں اسکو۔ دودوں نہائے پوتوں پہلے۔ باپ کی اچلن میں
 کہڑے کہڑے ایسا بخیہ کیا کہ میرے تو باپ سے بھی نہ ہو۔ سکھڑے بے زبان مسکین۔ تیز فادہ بڑا
 بنی تک جو چاہیں کہہ دیں کیا مجال جو اٹ کر جواب دے۔ کیسا دل خوش ہوا ہو۔ جیسے بھری
 محفل میں ملانی جی نے کہا ہو کہ میرا تو منہ نہیں جو سیمہ کی تعریف کروں۔ مجھ اندہ ہی وہندی کا
 جیسا خیال کہتی ہو۔ روز بگنا رو بگنا دے عادی تار ہو۔ محلہ بھر پڑا ہے اور ایک سے ایک افضل
 ابراہی۔ اللہ رکھے کھاتے پیتے مگر کوئی بات بھی نہیں پوچھتا۔ لیکن وہ اتنی سی بیگم ولی
 کہوں فرشتہ کہوں جب تک جھکے کہانا نہ پہنچے گی اپنے منہ میں ڈالنا حرام۔ کون کسی کو
 پوچھتا ہو۔ اس عمر میرے دل ہو کہ میں نے تو اتنی عمر میں دیکھا نہیں۔ یہ کہ نہ اور پاجا ملے ہی
 کے ہاتھ کا ہو۔ جان سے مال سے ہاتھ سے پاؤں سے ہر وقت اور ہر لحظہ تیار اور موجود۔
 گھڑی بھر کو نکل جاؤں تو زور دہ پر زور دہ۔ پانچوں وقت نماز کے بعد دعا مانگتی ہوں اہلی
 دنیا کا عیش ان سچی کو نصیب ہو۔ عزت آبرو تو خدا کے ہاتھ ہے۔ مگر میرے ساتھ تو اس
 ایسا سلوک کیا کہ میرے موئے باپ دادا کی لاج بڑوں کی عزت سادات کی شان اس
 دم سے باقی رہ گئی۔ درد بھیک مانگتی تو کڑا نصیب ہوتا۔

رات کا وقت گھر بھر پڑا سوتا تھا اور وہ نیک بخت پلنگ پر لیٹے لیٹے کہیں نہیں ہی تھی

کبھی دیر ہی تھی۔ ان دونوں کے جھگڑوں سے چھٹی پائی تو بڑی کا دھیان آیا۔ پردہ لے کر خیال آئے ہی ایک جھگڑا بندہ گیا سوچنے لگی کہ جمعہ جمعہ آٹھ جمعہ پندرہ۔ جمعہ جمعہ بائیس ہفتہ تیس۔ اتوار چھ میں پیر پچیس سنگل چھبیس آٹھ سائیسواں دن پر۔ خطہ نہ پتر۔ غیر نہ خبر۔ کس سے پوچھو کیا کروں۔ پتہ ہوتے اٹھ کر جاتی۔ دیکھ کر آتی۔ ننھے کا جی بے مزہ لکھا تھا۔ خبر نہیں اب کیسا ہی خواب خراب باتیں بڑے بڑے وہم دل میں آرہی ہیں۔ خدا کرے امی جی ہو۔ گرمی کا موسم دن ایسے۔ پہلی گرمی۔ بچہ کا ساتھ خدا اپنا فضل رکھے۔ دو حرف لکھو اگر بھیجتی تھی۔ تو یہ پریشانی نہ ہوتی۔ مگر اس بیچاری کا یہ تصور ہی کیا۔ پر اسے ہاتھ کی محتاج کہاں جائے۔ کس سے لکھوائے۔ میاں دو بے پر گیا ہوگا۔ غریب اسی ادرہ میں بی بی کہ لوشا بیٹی نے بلانا شروع کیا۔ راستہ دن سے آنکھیں کھ رہی تھیں۔ بہتیرا ہی سہنے کہا۔ رو دن گھر الگ سے تیس دن مارا اسی آنکھیں ہو جائیں گی۔ مگر وہ کس کی سنتی تھی۔ پھوپھی نے ہر چند سمجھایا کہ ادھی کی ہنسنی کر چھپے میں لکھو بھون لو پھوپھی بھائی تو سر سے سی پیکر گلاب میں حل کر لو اور چھان کر شیشہ میں بھر لو۔ پیکر قلم میں بھیج دیجی۔ دو تین فنی کے ڈالنے میں دیکھتا کتنا فرق معلوم ہوتا ہے۔ آ لکھی معلوم ہو تو اس کو بھی جانے دو ایک پیسہ میں پوست ہنسنی۔ چوٹی بٹر۔ پیٹھ۔ یہ چا چیزیں منگو کر دو پٹلیاں باندھ پانی میں ڈال لو وہ پھرتی رہو۔ دیکھتا ایک ہی دن میں آنکھیں چند دن سی ہو جائیں گی۔ چاکسو تو لگتا بہت ہے۔ کہو میں رات کو اگر سفیدہ بھر دوں خدا سنی تکلیف تو ہوگی۔ صبح اٹھنے ہی یہ کہنک کہنک کچھ بھی نہ ہوگی۔ اگلے برس میری آنکھیں کسی ٹوٹ کر آئی تھیں۔ ڈاکٹر کی دوا دوتین ہی دفعہ ڈالی تھی بالکل صاف ہو گئیں۔ آنکھوں کا معاملہ پکڑا بی بی میں ڈالو۔ غرض اپنی اپنی جگہ سب ہی نے سمجھایا مگر سنبھلی بیگم کی سرکار میں کہنا۔ مسودا اور سمجھانا بیکار کیسا علاج اور کس کی دوا۔ چاہیے کہ نون مرج یا دی نقیل کسی چیز کا تو بہتر ہیز کرتی۔ تو یہ سب ہی کچھ کہا یا اور سب ہی کچھ پایا۔ ستم یہ کیا کہ اوپر تو کہا بی بی برائی افیر سے پایا ڈاکٹر کا پانی۔ دو پھر کو آئی کا چہن اس سے بنو اے کچا لو اور وہ بھی امر دے۔

کھانا تھا کہ آنکھوں میں دسے پڑ گئے۔ سونے لگی تو آنکھوں کا حال کچھ اور ہی تھا۔ دم بھر کو چین نہ آیا۔ بیٹی، اُمٹی بیٹی، ترابی، آخر وفا شروع کیا۔ ماں پہلے ہی بیٹی بیٹی کی تقدیر کو جھیک رہی تھی۔ غصہ تو آگیا تھا مگر خدانے ہی کچھ سمجھ دیدی کہ چپکی چڑی رہی۔

رات تو خیر جوں توں گزر گئی صبح کو نسیم کی ماں خاصی اچھی طرح اُٹھی منہ دھو یا زردہ کھایا ترکاری بیٹی بنا رہی تھی کہ سر چکرانے لگا۔ سبھی زردہ ہوا مسوری۔ گھس کا وقت۔ دماغ کو چڑا گیا۔ مگر سرنے تو دبگھیری لی کہ حد کی پناہ۔ گود کے پنجے نے ضد شروع کی تو بیٹی کہ اللہ دے اور بندہ ہے۔ دسے ایڑیاں اور دسے ٹخنیاں! ہر چند دودھ دیا بہلایا۔ کہڑی ہوئی لئے لئے پھری۔ سینیاں بچائیں۔ کندیاں کہنکھنائیں۔ چھکارا پیا کیا۔ میاں کہا دو لہا کہا۔ سب ہی کچھ کہا۔ اور سب ہی کچھ کیا مگر وہ ہارونی کس کی سننا تھا۔ گھر بھر کو سر پر اٹھالیا۔ چکر دسے پہلے ہی جان پر بنا رہی تھی۔ بچہ کی ضد اور مرے کو مے شاہ مار ہو گئی۔ کہڑی ہو کر تھپے تو ذرا تالو سے زبان لگ جائے جہاں بیٹی اور پھر وہی جیغم ڈھاڑ۔ سر کچے کہ ذرا ہلی اور دم سکلا۔ بچہ کہے کہ ذرا دم لیا تو جینا دو بھر کر دوں گا۔ بھائی کا چننا بلکتا سنکر نسیم آئی۔ دیکھتی کیا ہر کچہ پچھاڑیں کہا رہا ہر اندیاں سے پلا نہیں جاتا۔ بیٹی کی صورت دیکھ کر ماں کی جان میں جان آئی۔ کہنے لگی نسیم دیکھ تو سہی۔ میری تو جان نکلی جا رہی ہو اور بچہ کہ کسی عنوان نہیں مانتا کیونکہ کہڑی ہوں۔ ذرا ہٹی ہوں تو ہیجا نکلا پڑتا ہو۔ خدائے واسطے ماس کو اپنے پاں لیجا۔

نسیم میرے توسل کا وقت ہو۔ ذرا قرآن شریف پڑ لوں تو پھرے لوں گی۔ پھوپھی بھی پہنچے کے یہ فیصل سنکر کہڑی میں اکہڑی ہوئی تھی۔ بہتی کا جواب سنکر دنگ رہ گئی اس سے تو کچھ نہ بولی۔ مگر آپ اگر لڑکے کو لے لیا۔ بچہ کی فقط ضد تھی۔ پھوپھی نے جو کندھے سے لگا کر لگاتا پھرے کئے منہ ہلکے سو گیا۔ الگ سے جھولے میں لٹا جا رہا رخ جو نٹے دینے۔ بھانج پاس آ بیٹی۔ درد پرستور تھا۔ ماما کو بلا بیٹہ یا۔ دھیلے کے پچھان کے

پھول منگوئے پیکر لگانے سے کہ درد کا پتہ بھی نہ تھا۔ سب سے پہلے چلی تو نسیم بھی ماں کے پاس آئی مگر پھوپھی اس کی صورت دیکھتے ہی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کھڑکی کھول اپنے پاس۔ بچہ تو سو ہی گیا تھا نسیم بیٹھی ماں کا سر دباتی رہی۔ کھانے کا وقت آیا تو ماں کہنے لگی۔ بن بیٹی تو ٹھنڈی رہ۔ اب جا کر کھانا کھا پھوپھی راہ دیکھ رہی ہوں گی۔ مگر آئی تو پھوپھی کا منہ پھولا ہوا۔ کچھ دیر تک وہ چہ سوچتی رہی۔ جب کوئی بات سمجھ میں آئی تو کہنے لگی۔

کھانا تیار ہے نکالوں۔

پھوپھی۔ تم کو بھوک ہو تو کھا لو۔ میں تو ابھی نہیں کھاؤں گی۔

نسیم۔ کیوں؟ آپ کو بھوک کیوں نہیں ہے۔

پھوپھی۔ اس بحث سے کیا حاصل۔ میں تم سے بات بھی کرنی نہیں چاہتی۔ تم بڑا بڑا بولے جاتی ہو۔

نسیم۔ مجھے اپنا قصہ معلوم ہو جائے کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی۔

پھوپھی۔ مجھے کیا خبر نہیں۔ میں سب سن رہی تھی۔ ایسی کڑی بیٹی ابھی دشمن کو نصیب نہیں ماں کی یہ حالت کہ درد کے مارے بات تک نہ کی جائے۔ کتنی خوشامد سے اس نے کہا بیٹی خدا اس کو لے اور تیرا دل نہ پسچا۔ بے سود ہیں وہ بیٹیاں جو اس طرح بھر منہ ماں کے ہاتھ میں ٹکسا سا جواب دین۔

نسیم۔ آپ نے خیال نہیں کیا۔ میں نے کیا عرض کیا تھا۔ وہ سب سے کا وقت تھا اس لئے میں نے کہا پڑھ کر لے تو لگی۔

پھوپھی۔ ہاں ہاں میں نے سن لیا تھا۔ سب سے تھا نماز تو نہ تھی کہ قضا کا ڈر ہو پڑا دیر بھر کر پڑھ لیتیں۔ ہاں کھانے کو ذرا دیر ہو جاتی۔

نسیم۔ اے پے پھوپھی اماں۔ مجھے تو کھانے دانے کا بالکل بھی خیال نہ تھا اگر یہ قصور ہے تو آنا جان سے ابھی معاف کرو الیسی ہوں! میں سچ عرض کرتی ہوں

صرف پڑھنے کی وجہ سے اس وقت عذر کیا۔ ورنہ ایسی خطا ہرگز نہ ہوتی۔
 پھوپھی - پڑھنے کا تو میں جواب دے چکی۔ تم کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اس وقت کی تعمیل
 فقط ماں ہی کا حکم نہیں ایک جامعہ کی مدد بھی ہے۔ تم نے اپنا ذاتی فائدہ ان دونوں باتوں
 سے بہتر سمجھا۔ کس کام کا وہ آدمی جو اپنے فائدہ کی وجہ سے دوسروں کی
 پروا نہ کرے۔

نسیم وہ لڑکی جس نے آج تک کسی کی آدمی بات نہ سنی ہو پھوپھی کا اعتراض سنستے
 ہی بے اختیار ہو گئی۔ بس تھا تو لے دیکر اپنی آنکھوں پر کہانا چھوڑ چھاڑا لگ کونہ میں عالمیٹی
 اور لگی پھوٹ پھوٹ کر رونے۔ ماں سے زیادہ چاہنے والی پھوپھی جس نے آٹھ نو برس میں
 کبھی ہتھی کی کہ ہوں تاک کی کہنے کو تو اتنا کہ گئی مگر پچی کے آنکھ سے آنسو نکلتا تھا کہ اس کی
 اپنی آنکھوں میں نیا اندھیر ہو گئی۔ مگر سمجھدار عورت دور اندیش آدمی دل بہت تڑپا اور
 اور جی بہت ملایا۔ لیکن خوب جانتی تھی کہ اگر اس وقت اس کو جھکارتی ہوں تو یہ نادر برداری
 میرے واسطے نہیں اسی کے واسطے اندھیر ہوگی۔ طبیعت بھڑائی تو کرہ میں جا آپ بھی رو
 آئی مگر اس کے سامنے آئی تو قاصی اچھی طرح نسیم رو دہو چکی تو اگر پھوپھی کے قدموں پر گڑھی
 اور کہنے لگی میرا قصور معاف کر دیجئے۔ ہتھی کا اگر گنا تھا کہ تو اپنی مٹی سر اٹھا کر کلجے سے
 لگایا اور کہا میرا تو کچھ قصور نہیں۔ جاؤ اپنی اس معاف کراؤ۔ میں بھی پیچھے پیچھے آئی ہوں اماں
 غریب ن فریوٹ کیا واقف وہ تو اس مٹی کی ماں تھی۔ جس نے آج تک کبھی کہا ہی نہ مانا۔ اسکو
 یاد بھی نہ تھا کہ میں نے کہا کہا اور اس نے کیا۔ مگر نسیم کی اس مٹی پر ہر آدمی سے دل باغ باغ ہو گیا۔

(۱۱)

بات دفع دفع ہو گئی وقت گزر گیا۔ نسیم، اس وقت تو چپ ہو گئی۔ مگر یہی تاک میں
 کہ کبے قلعے اور میں ہکوٹلوں! برسات شروع ہو گئی تھی ایک دن رات کے وقت لگیں
 بالیاں جھولا جھول ہی تھیں۔ پہلے بیابانی لڑکیوں نے ملا لگائے۔ پھر چھوٹی چھوٹی چھوٹے

یہ گیت شروع کیا۔

نیم کی نبولی پکی ساون بھی کہی آوے گا

جیوے میری ماجایا ڈولی بیچ بلاوے گا

دونوں پھوپھی ہتھیاریاں برابر بیٹھی سُن رہی تھیں اور چھوٹے کی لڑکیاں لپک لپک کر گارہی تھیں دیوار بیچ گھر تھا۔ صاف آواز آرہی تھی۔ سنجیدہ نے ہتھیاری سے کہا۔ نسیم تم نے یہ گیت سنا۔
نسیم۔ جی ہاں مجھے پیسے سے بھی معلوم ہے۔

پھوپھی۔ کچھ اس کا مطلب بھی سمجھتی ہو۔ کہنے کو تو ایک معمولی سا گیت ہے۔ مگر ذرا غور کرو اور بہن بھائیوں کی محبت کا اندازہ لگاؤ۔ بھائی جیسی چیز ہلا کہیں دنیا میں نصیب ہوتی ہے۔ یہ بچاری لڑکی اپنی سسرال میں ہے۔ جہاں میکے کی چڑیا تاک نصیب نہیں۔ نیا نیا بیاہ اجنبی آدمی۔ غیر لوگ۔ رہتے رہتے جی اُگتا لگتا اور میکے والوں کی صورت نہ دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں ماں دبا پٹے و نوں کا سایہ سر سے اٹھ چکا ہے۔ جنکے دم سے میکے تھا جب یہی چلے تو اب کون بات پوچھنے والا رہا۔ بچپن کے دنوں کو یاد کر رہی ہے۔ گھر چھوٹا گھر دالے چھوٹے جن کے ساتھ کھینٹی بڑھی اٹھی بیٹی اُن کی باتیں خواب خیال ہو گئیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ وہاں والوں کی خبر تو لائے۔ جس گھر میں اس وقت ہو وہاں نیم کا درخت لگا ہے ٹھنڈی ٹھنڈی چھائوں میں بیٹھی پچھلے زمانہ پر آنسو بہا رہی ہے۔ اس بچے و غم کی حالت میں جب کیلچہ پر چھریاں چلی ہی تھیں اور چارو لفظ لفظ دہرا رہی تھی خیال آیا کہاں مر گئی تو کیا ”ماں جایا موجود ہے“ سادون کے بیٹے میں جیب بھانج کے واسطے جھولا پڑے گا اس وقت تو بھائی مہکویا دکے گا۔ نند بھاد میں بیٹھ کر جھولیں گی۔ اتنا سوچتی تھی جو اوپر نگاہ گئی تو پکی نبولیاں دکھائی دیں۔ یہ کسی سے سن دکھا تھا کہ نبولی سادون کے قریب پکتی ہے۔ بے اختیار ہر کہتی ہے۔

نیم کی نبولی پکی ساون بھی کہی آوے گا

یہاں تک تو وقت آگیا کہ بولی پک گئی، کبھی نہ کبھی تو سادون بھی آوے ہی گا یعنی میں
کتنگ اس طرح ترسوں گی اور اپنے عزیزوں کے دیدار سے محروم رہوں گی۔ سادون آیا
اور میکے پہنچی۔ اس یقین کے ساتھ ہی بھائی کی محبت کا جوش دیکھو پیسے اس کی درازی
عمر کی دعا مانگی۔ پھر اپنی خواہش ظاہر کی۔

جیسے میری ماما جلیا ڈولی پہنچ بلاوے گا

تم نے یہ مثل سنی ہوگی۔ بہن سو برس کی اور بھائی پانچ برس کا، بہن کتنی بڑی کیوں تھی
جھوٹا سا بھائی بھی اس سے رشتہ میں بڑا ہے اس کا مان رکھنے والا۔ اس کی ناک بڑی بڑی
ہی خوش نصیب ہیں، لڑکیاں جنکو اللہ نے یہ نعمت دی، وہ کسی بد نصیب میں نہ لڑکیاں
نعمت سے نفرت کریں۔ بھائی بیسی چیز بھلا کہیں نصیب ہوتی ہے۔ اپنا دم ہی تو سب
سرو بوجا میگا مگر یہ چیز کہاں! شاید ہی کوئی دن جانا ہوگا کہ میں تمہارے چھوٹے چچا
کو نہ یاد دلاتی ہوں۔ کیسے بیٹھے ہوئے دروازے میں گتے تھے اور وہیں سے کہتے تھے آپا
کہہ رہی ہیں۔ ایا خدا کا ذکر ہے۔ برسات کے دنوں میں رومال بھر کر امرو دلائے۔ کچھ ٹپے
کو کیا غرض پڑی کہ وہ دھو دھلا کر دیتا کچھ ٹپے بھرتے مٹی میں سے سنائے حوالے
کئے۔ میں حکیم جی کے ہاں لڑائی میں جا رہی تھی۔ کار چوبی دو سالہ سر پر تھا۔ اُنہوں نے
رومال اٹسائیں نے جھولی میں امرود لیے۔ سچ کہتی ہوں وہ کچھ کار چوبے زیادہ عزیز
تھی۔ دو سالہ خراب ہو گیا تو ہو گیا۔ اب بھی اس جیسے چار نوہو میں مگر اس محبت سے
لانے والا پیدا نہیں۔ نہ اما یا، اقبیر میں سے اٹھکرائیں گے نہ بھائی پیدا ہوگا۔ چھوٹے
بہن بھائیوں کی خدمت تو عین سعادت ہے۔ ہم کو پال دوس کر اس لئے بڑا کیا ہے کہ ہم
ماں کا ہاتھ بنائیں۔ دکھ درد میں ساتھ ہوں جیسی ہماری خدمت کی ہے۔ اس کا بدلہ تو
ممکن نہیں۔ مگر انسانیت کے معنی یہ ہیں کہ جگہ جگہ کر اٹھکرائیں جس طرح بھی ہوا اور جتنا کچھ بھی
ہو اُس کے شریک ہوں۔ مجھے تعجب نہیں سخت رنج ہوا کہ اس وزنم جیسی سعادت مند مٹی

اور ایسی کٹر۔ ماکا حکم۔ بھائی کی خدمت اور انکار۔ وہ بچاری تو اس معاملہ میں پہلے ہی نصیب
ایک ہی وہ ہزاروں کو س پڑی تھی۔ جہینوں خیر علاج کی خبر نہیں۔ دوسری صاحب ہنہ
تو ”علی نور۔ ماں مرتے سر جائے اور اس کی بات پر چھٹی مریم۔ بہن بھائی تو دوسرے درجہ
پر تھی۔ اس کا بس پہلے تو ایک کو سنہکیا دوسرے کو ہر آج ہی گھر بھر کا صفایا کر دے۔
ہر تم سوخیر کہیں امرت کہیں نہ ہر ہریان ہوئیں اماؤں تک کی رعائیں لے لیں۔ تہر وان ہو
تو ما جائے تاک کی پرواہ نہیں۔ بات کر تو ایسی کہ دنیا بھر تعریف کرے اور کام کرو تو ایسا
دیکھے وہ خوش ہو۔ چند روز میں یہ نیکہ کا زمانہ خواب خیال ہو جائیگا۔ نہ ماں خدمت کی
طلبگار ہوگی۔ نہ بہن بھائی عنایت کے خواست نگار۔ ماشاء اللہ سمجھا رہا ہوں اس وقت
کی قدر کردار اور موقع کو ہاتھ سے نہ دو۔ یہ وقت پھر آنیوالا نہیں۔ بہت جلد ختم ہونے والا ہے
ایسے کام کر جاؤ کہ تمہاری محبت کا سکھ سیکے دلوں پر بیٹھ جائے۔ دلوں میں گھر کرو اور منہ ملی
بہن کی دین کرو۔ جو ماں صبی عاشق زار کی دشمن اور باپ جیسے شفیق کی قاتل۔ اگر احتیاط
نہ کرے گی تو آج کی میری بات یاد رکھنا روؤ گی اور سچھاؤ گی۔ بس اب رات زیادہ آگئی
سور ہو۔

(۱۲)

برسات نکل چکی۔ گلابی جاڑا شروع تھا۔ شہر اس پر آئی۔ محلہ کے لڑکے لڑکیوں
نے علاج کی کہ ہر سال مہینوں دپے آتش بازی میں اٹھتے ہیں ایکے سب سے پہلے اہتے کر لیں
اور قاضی جی کے ہاں سے آتش بازی بنوائیں کسی نے روپیہ کسی نے اٹھنی۔ کسی نے
پتوئی کسی نے دوئی جمع کر کر اگندہ بارود کو ملہ لوچوں سب چیزیں وزن سے منگوا لیں
تین چار دن سے سب لڑکیاں علاج کر رہی تھیں کہ کچھ نہ کچھ چندہ نسیم سے بھی
وصول کرنا چاہیے۔ مگر ادھر تو سنجیدہ کا خوف اور نسیم کے مزاج سے ڈر۔ بہت نہ پڑتی تھی
آخر ایک دن دل کڑا کر کے دپہر کے وقت ادھر تو پھوپھی بتیجیاں کھانے سے فراغت

یامینا پر نہ لایا کہ بیٹھیں۔ اور دس تین لڑکیاں بچھڑی جوتی ٹوٹے کتے گتے کے چھلکے چوستی آئیں۔ دعا نہ سلام بات نہ کلام۔ کچھ دیر تک تو گم سم کھڑی رہیں اور پھر کہنے لگیں۔ لاؤ بیٹھو آتش بازی میں چندہ دو۔ ابھی نسیمہ کچھ جواب نہ دینے پائی تھی کہ پیچھے سے دو اور آدمیاں دھکیں محلہ کا محلہ گمراہ اور آدھے کا آدھا اندھا۔ پچھلی دوپہلی سے بھی بڑھ گئیں۔ جبوترے پر پسکرا مارا لگیں چندہ مانگنے۔

نسیمہ۔ تم اندھا جاؤ۔ میں سمجھی نہیں کیسا چندہ
ایک لڑکی۔ اب کے ہم سب لڑکیوں نے ملکر یہ تجویز کی ہے کہ باہر سے منگوانے کے بدلے گھر ہی میں آتش بازی بنالیں۔ ایک دپیہ کی کمی ہر تم بھی شریک ہو جاؤ۔
نسیمہ۔ مجھے ان چیزوں سے بالکل رغبت نہیں اور اُلٹی نفرت ہے۔
سرخیندہ۔ تعجب ہے۔ تم لوگ ایسی محنت سے تو گھر گھر بھر کر چندہ وصول کرو اور ایسے فضول کام میں صرف کرو۔ بہت سی ضرورتیں ایسی ہیں کہ وہاں ہیچو آتش بازی تو بہت خوفناک چیز ہے۔ ہر سال دو ایک آدمی اس کی نذر ہو جاتے ہیں۔ یہی رویہ اگر کسی نیک کام میں لگایا جائے تو کیسی اچھی بات ہے۔ ہمیں تو اگر حال ہی بھی بلاؤ تو مشکل سے آئیں اگلے برس اخبار میں لکھا تھا کہ سفند یار خان زیر سردار پور کی اکھوتی بچی انا کے ساتھ ڈیوڑھی میں آ رہی تھی۔ انا تھی نمک حرام۔ لڑکی کو اکیلا چھوڑ دارو وعدت باتیں کرنے لگی۔ ڈیوڑھی میں جل رہی تھی ڈبیا۔ طاق تھانچا۔ بچی ہاتھ میں اٹھا اندر لے آئی۔ انگنائی تک پہنچی ہوگی لو کہتے میں لگ گئی۔ مہین پھوار کا کرتہ چٹکی بجاتے بجاتے بھر بھر ہو گیا۔ بیلما اٹھی جب تک لوگ آئیں چربی نکل چکی تھی۔ میں تو کہتی ہوں کہ ڈبیا تک ایسی جگہ جلاؤ کہ کہ بچوں کا ہاتھ نہ پہنچے نہ یہ کہ آتش بازی میں چندہ دینے دوں۔

(۱۳)

اور تو یہ گزری اور ادھر مایٹوں میں خاصی اچھی جھوڑ ہو گئی۔ کینجوت کچھ محلہ

بھی تو نہیں۔ فقط اتنی سی بات پر کہ سند گھر کی لگی بندھی کاچن چھپا بھر کر ترکاری لائی۔ چاروں طرف سے بچے ٹوٹ پڑے۔ منجھلی بگم بھی تشریف لائیں۔ چھوٹے موٹے بچے تو صورت دیکھتے ہی نفرد ہو گئے۔ بیچ کی راس کے ادھر دھڑک گئے جو رہ گئے اُن میں سے کسی کے ہاتھ کسی کے چٹکی کسی کے گہر نسا کسی کے پیڑ۔ غرض چھٹ چھٹا کر دو تین بچے ہوں گئے۔ وہ بھی سہمے ہوئے اور ڈرے ہوئے۔ صاحبزادی نے پیٹے تو دس بارہ گئی گئی جانیں جھک کر دیکھیں پھر ان کا بھاؤ بوجھا۔ کاچن نے کہا بیگم جو چاہے دید۔ وہ ہلا میں تم سے بڑھتی لوں گی۔

منجھلی۔ پھر بھی آخر معلوم تو ہو۔

کاچن۔ دوا نہ سیرکے سی میں ہی دوں گی۔

منجھلی۔ چھوٹی لپاٹن۔ لوٹنے کو یہی گہرہ گیا ہے۔ دنیا جہان میں تو بیکس ٹکے ہر تو کچے دوا نہ۔ ایسی ہی نامرادیں یہاں اُن مرتی ہیں۔ جنکو رزق نہ موت۔ بہت دنوں تک آسامی بناتی رہی۔ اب یہ داؤں یہاں چلنے والا نہیں۔ بے ایمانی تو دیکھو دگنے نہ ٹنگنے اکٹھے جو گئے۔ اور موتی جامنوں میں جانتیں بھی تو نہیں اینٹ پتھر۔ کچی کچی اٹھالائی کے سیر کے بھی تولا ہی نہیں۔

کاچن۔ سرکار۔ زبردستی تھوڑی ہے نہ لو۔

منجھلی۔ چل مردار۔ نہ کیوں لو۔ پہلے تو بچوں کو لگا دیا اب لگی باتیں بنانے۔

لے تول آدہ سیر۔

زیادہ نہیں فصل کا مینہ سمجھ کر کاچن ایک ڈھیری لے آئی تھی جو مساکرے ڈیڑھ بونے دسیر ہو گئی۔ اس میں سے آدہ پایا تین چٹانک تو بانگی میں ختم ہوئیں باقی میں سے آدہ سیر چھپائیں تو اس طرح کہ جامنوں کی جان نکال لی۔ کورڈا چھوڑا۔ ایک ہیرہ آگے پہنیک لگی۔ چلنے۔

ایمان کی بات یہ کہ سند بریں بائیں سر کی کاچھن منجھلی کی داڑی تک کو سودا کھلائے ہوئے پہلا منجھلی کے منہ کی لگتی۔ مگر بہتر کی لات گھٹنوں تک من بھر ٹخ ٹخ کرتی درد پھرتی اور گھر گھر جہانختی تو شام تک چار پانچ آنے بچ جاتے۔ دو آنے کا نقصان دیکھا، چپ شٹے میں آگئی۔ پیسہ پہر دیا اور کہنے لگی۔ بیوی میری بچی نے نہ کہا میں تم نے کہا میں پیسہ رہنے دو۔

منجھلی۔ جڑیل زیادہ پہیلے گی تو اتنی جوتیاں ماروں گی کہ عمر بھر یاد کرے گی۔
 ماں۔ لڑکی دیوانی ہوگئی ہے؟ اس کا مال ہر چاہے دے چاہے نہ دے۔ جوتیاں مارنے کی کیا بات ہے۔ ہات بچا ہے ذات نہیں بچی۔ زبان کاٹا نکا ہی ٹوٹ گیا ہے۔
 بیٹی۔ بس بی بس۔ میں تہاڑے منہ کے لائق نہیں ہوں۔ آئیں بڑی بیچاری وہاں سے حمایت لینے۔

ماں بیچاری تو اتنی سی بات کہل کر چور بن گئی۔ بیٹی نے جو کچھ منہ میں آیا سب ہی کچھ کہہ ڈالا اور تو کچھ بن نہ آئی۔ میکے سے تین آدمی آچکے تھے کہ بھانوج پر بیس سدھا رہی ہے اگر لمباؤ۔ ڈولی منگو اچلی گئی۔ ایک بچ چکا ہوگا۔ میرزا ہر گھر میں آئے چاروں طرف آنکھیں پہاڑ پہاڑ کر دیکھا۔ بیوی کا پتہ نہیں۔ بیٹی سے پوچھا اس کو اس سے اچھا موقع اور اس سے بہتر وقت کون سا ملتا جو ماسے بدلے۔ چھوٹے ہی کہنے لگی خالہ حمیدن کے ہاں گئی ہیں۔ خالہ حمیدن زہ بشر بھیس جن سے اور میرزا ہر سے تین سارے تین برس مقدمہ لڑا۔ دونوں ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے خون کے پیالے۔ آمد و میل ملاپ۔ ملنا جلنا سب بند۔ حمیدن کا نام سنتے ہی میرزا ہر کے تن بدن میں آگ لگے گئی۔ عقل مند اچھی طرح جانتا تھا کہ میرے سامنے سالے کے ہاں سے صبح سے تین آدمی بلانے آچکے ہیں اور بیوی کہہ چکی ہے کہ ذرا کھانا دے دلاؤں تو آتی ہوں مگر بیٹی کا کھانا خدا معلوم قرآن تھا یا حدیث کہ نور آہی ایمان لے آیا۔ پھینپھیناتا ہوا باہر نکلا تو ادھر سے دلی کو ہی تھی

اترنے سے پہلے ہی بوچھاڑ شروع کر دی۔ آگے آگے بیوی۔ پیچھے پیچھے آپ اندر پہنچی تو بلیٹا چپکی کھڑی میاں کا منہ تک ہی ہر کہ یہ فرما کیا رہی ہیں۔ بات نہ جیت۔ واسطہ نہ غرض۔ غصہ کا ہیکا اور خھگی کس کی۔ راہ کی ناہنجار اتنی کم بخت اور مردار کہ ماں آٹھ آٹھ آنسو رو رہی ہے اور آپ گردن ٹسکا ٹسکا کر بیٹے لگا رہی ہر۔ پھر والد بزرگوار اتنے بڑے سمجھدار کہ بوچھا نہ لگیا اور بیوی کو گھر سے نکالنے تک پر آمادہ ہو گئے۔ غصہ کی کوئی حد اور خھگی کی کوئی انتہا۔ کچھ دیر تک تو ہنسیب چپکی کھڑی دیکھتی اور سامنے بیٹھی رہتی رہی۔ مگر جب بیکھا کہ اب میاں کے منہ سے شرافت کے پھول جھڑنے لگے تو وہاں سے اٹھ کر کوٹھری میں گئیں اندر کنڈی لگا بیٹھ گئی۔ بہن دوڑی آئی تو کیا دیکھتی ہر کہ بھائی غصہ میں آگ۔ بھانج کوٹھری میں بند پڑی دے میں باغ باغ۔ بھانج سانسے تھکی نہیں۔ بھائی سے پوچھنا مناسب سمجھا لے لے کر ہتھی ہی ہتھی نظر آئی۔ اس سے پوچھا تو وہ کیا کہتی ہر۔ جیسا کیا دیا پائیں صبح کی گئی آپ آئی ہیں۔ اور پہنچی کہاں سی حمید کے ہاں۔

بھائی: آپا تم نے بھی بیویوں کے یہ ڈھنگ دیکھے ہیں۔ وہ مردار حمید میری جان کی دشمن جس نے مجھ کو بھیک تک منگوادی اس کے گھر میں گئیں۔ اس سے زیادہ اندر کیا ستم ہوگا۔ بہن۔ تم نے خود جاتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے آپ کہا یا کسی سے سنا۔

بھائی: نہ میں نے دیکھا۔ نہ انہوں نے کہا منجھلی کہہ رہی ہر۔ سنجیدہ گو میرزا ہد جیسے بھائی کی بہن تھی مگر مانہ دیکھے ہوئے اور منجھلی جیسی ہتھی جڑے ہوئے۔ سنتے ہی تاڑ گئی کہ یہ صاحبزادی نے گل کھلا پیا ہر۔ بھائی کو دھپکا کر اپنے ہاں لے گئی کوٹھری کی کنڈی کھلاؤ اندر گئی تو بھانج نے کہا آیا۔ یہ اس مردار نے مجھ سے بدلہ لیا ہے۔ میں تو حمید کی صورت سے بھی واقف نہیں۔ سلیم کی دہن رات کو ہرات جا رہی ہیں۔ ان سے ملنے گئی تھی۔ کھڑی سواری گئی اور آئی۔ اتنا قصور ہوا تھا سندر کی جان کو آ رہی تھی۔ میں نے منع کیا۔ اس کے بدلے اس کمبخت نے یہ آفت ڈھائی

خیر میں تو کچھ نہیں کہتی۔

سجیدہ نے بھانج کی رام کہانی سن لے تو ہمیں چھوڑا اور بھائی کو جا کر ڈھیکہ بنایا کہ وہ بھی یاد کرتا ہو گا۔ مگر دورانہ لیش عورت بھائی کو شرمندہ کیا بھی تو اس طرح کہ ہتھی پر زیادہ بات نہ آنے نہ دی۔ ورنہ مرزا وغصے میں بھرا۔ خدا معلوم کیا کر بیٹھا۔ بھائی شرمندہ صورت اپنے اوپر نفرین اور لعنت بہیتا ہوا ہا ہر گیا تو ماں بیٹیاں اور بچہ بھی ہتھیاں چاروں ایک جگہ بیٹھے تھے۔ سجیدہ نے منجھلی سے تو بات کی نہیں مگر نسیم کی طرف دیکھ کر کہا۔

(۱۴)

دنیا میں جھوٹ سے بڑا عیب کوئی نہیں اور آج کل لڑکیوں میں یہ عام طریقہ ہے کہ اس کی بالکل سی پردہ انہیں کرتیں۔ ان بیوی کا تو کچھ نہیں بلکہ ایک بات بھی منہ سے نکال دیتی نتیجہ یہ ہوا کہ گھر میں خون خرابے پڑ گئے۔ جہوٹا آدمی سب کی نظروں میں لپڑ خوار ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کی کسی بات پر ہمیشہ پردہ نہیں پڑا رہتا کسی نہ کسی وقت کیسا ہی ہنس کیوں نہ ہو ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ جھوٹی بات کا پہلے پہل تیرسب یقین کر لیتے ہیں۔ لیکن جب کھل جاتی ہے اور پتہ چل جاتا ہے اس وقت سے جہوٹے کئی وقعت بالکل جاتی رہتی ہے۔ اس کی سچی بات کا بھی کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ عیب ہو جس محفل میں ذکر ہوتا ہے سب ایک ہنہ ہو کر کہتے ہیں وہ تو بڑی پٹاٹن ہے۔ اگر تم سے کوئی قصور ہو جائے اور تم کو یقین ہو کہ اس کے اقرار میں بڑی آفت اور سخت مصیبت کا سامنا ہے تو بھی آنکھ بند کر کے صاف صاف کہہ دو ساپنچ کو آپنچ نہیں تو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ قصور تو ظاہر ہو کر رہیگا۔ البتہ اس قصور کے ساتھ جو اتفاق سے ہو گیا۔ یہ دوسرا قصور جھوٹ کا اندکھلا جو جان بوجھ کر کیا اور دیدہ و دانستہ بولہ۔ قصور جتنے ہیں سب معاف کرنے کے قابل۔ مگر جھوٹ ایک ایسا قصور ہے جو کسی حال میں معاف نہیں ہو سکتا جو

لڑکی سدا سچ بولے اس کی عزت سبحان اللہ سب اس سے محبت کرتے ہیں۔ جبکہ اس وقت ایک بات یاد آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو مسلمانوں میں چار بادشاہ ہوئے ہیں جنکو خلیفہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ رسول خدا کے جانشین تھے۔ یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی رضی اللہ عنہ۔ ان میں دو سر خلیفہ عمر فاروقؓ و عثمان غنیؓ تھے۔ بادشاہ نہ ہوتے تھے ان کے زمانہ کا ذکر ہے۔ ایک وزیر بھرے دربار میں جبکہ چاروں طرف عہدہ خارج تھے اور بزرگ آدمی موجود۔ ایک شخص ایک دوسرے شخص کو پکارتے تھے۔ ہوا در عرض کرنے لگا۔ امیر المؤمنین (مسلمانوں کے سردار) اس شخص نے میرے باپ کو مار ڈالا۔ حضرت عمر نے اس پکڑے ہوئے شخص سے پوچھا۔ اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور کہا یہ سچا ہے۔ میں ایک پتھر مارتا تھا ایسا لگا کہ مر گیا۔ جب مجرم نے اقرار کر لیا تو مقدمہ معاف تھا۔ گواہ موجود تھے۔ حکم ہوا کہ بدلہ لیا جائے اور قاتل کو موت کی سزا دی جائے۔ جلاوٹ حاضر ہوا تو مجرم نے کہا خلیفۃ المسلمین (مسلمانوں کے خلیفہ) چاروں کی اجازت دیدیتے میرے پاس ایک تیمم پتھر کی امانت ہے جو اس کا باپ مرتے وقت میرے پاس رکھا تھا وہ ایسی جگہ دفن ہے جس کا حال میرے سوا کسی کو معلوم نہیں اب میں مرنا تو ہوں ایسا نہ ہوں یا پکے پتھر کا مال میرے ذمہ رہ جائے اور میں پکڑا جاؤں حضرت عمر نے فرمایا اگر کوئی تیری ضمانت دے تو چلا جا۔ یہ حکم سنتے ہی اس کی مسرت بھری نظر سے پہلے جس پر پڑی وہ ایک بزرگ آدمی تھے۔ ان سے کچھ کہا نہ سنا۔ حضرت عمر سے عرض کیا کہ میری ضمانت دیں گے۔ اب ان بزرگ کا حال منو وہ کون تھے پیغمبر خدا کے دوست اور ان کے ساتھ رہنے والوں میں۔ فاروق اعظم یعنی حضرت عمر نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ فرماتے لگے ”ہاں میں ضمانت ہوا۔“

قاتل چھوڑ دیا گیا۔ تین دن گزر گئے چوتھے دن ٹھیک اسی وقت دوبارہ فاروقی گھر تھا۔ مدعی نے جس کا باپ مارا گیا تھا عرض کیا امیر المؤمنین قاتل کو اپنے چھوڑ دیا۔

میں آپسے لے لوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر قاتل ابھی حاضر نہ ہوا تو ان بزرگ سے قصاص ہے۔ ان کو وہی سزا دی جائیگی۔ یہ حکم سنتے ہی سب دنگ ہو گئے۔ دفعۃً قاتل پشاش بنش حاضر ہوا اور کہنے لگا امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین۔ امجد اللہ میں انت سے بسکد و شش ہوا۔ جلاذ کو حکم دیکھتے کہ اب بڑ کرے۔ اس شخص کی یہ گفتگو سنکر ادھر تمام درباری ادھر خود حضرت عمرؓ سناٹے میں تھے۔ پوچھا کہ یہ بزرگ تیرے کون ہیں جنہوں نے عنایت دی۔ اُن بزرگ سے پوچھا کہ آپ کو اس کی حاضری کا کیونکر یقین ہوا جو قاتل ہوئے۔ قاتل مسکرایا اور کہنے لگا۔ فاروق اعظمؓ تعجب نہ کیجئے میں نظر پڑتے ہی سمجھ گیا تھا کہ مسلمان اور ملتے ہڈ ہے ضرور رسول اللہؐ کی خدمت کی ہوگی۔ ایک مسلمان کو مدد دینے میں دریغ نہ کریں گے۔ اب ان بزرگ کی باری آئی فرمانے لگے۔ میں نے اس شخص کو اسٹان سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر جس وقت اس نے مجھ کو ضمانت میں پیش کیا ہی مجھ کو یقین تھا کہ مسلمان ہی مسلمان ہو کر جھوٹ نہ بولیگا۔ درباریوں میں سے ہر شخص اس قاتل کی سچائی پر تعریف کے نعرے بلند کئے اور درخواست کی کہ اسے چھوڑ دیجئے قتل کا روپیہ ہم ادا کرتے ہیں مگر مدعی نے خوں بہا لینے سے انکار کیا اور کہا ایسے سچے شخص کو میں نے اپنے باپ کا خون معاف کیا۔

یہ صرف سچ بولنے کا نتیجہ ہی۔ چاہے جان جاتی رہی مگر زبان سے جھوٹی بات نہیں نکلتی چاہئے۔ پھوپھی کی اس گفتگو کا کوئی نتیجہ یا اثر لاحق نہ ہوا۔ لایا اللہ تمہاری جس کا نام تھا اسکو اتنی بھی خبر نہ ہوئی کہ یہ باپ سے بڑی پھوپھی کہہ کس کو رہی ہے جن سے میٹھی ہنستی رہی بہت۔ جی گھبرایا تو اٹھی چھوڑے کا ایک آدنہ پکڑ لگایا اور پھر وہیں آن بیٹھی۔ ایمان کی بات پوچھو تو خود پھوپھی ہی کو کیسا یقین اور کس کا شبہ وہم و گمان تک نہ تھا کہ یہ مکان دہر کر میری بات نہ گئی۔ اس کی غرض اور خواہش جو کچھ تھی سو یہ کہ کسی طرح دل کی بھڑاس نکال لوں۔ کہہ چکی تو بچی کو ساتھ لے اپنے گھر چلی گئی۔

لڑکیوں کے واسطے غیرت اور حدیث بڑی چیزیں ہیں خدائے کرے کہ کسی بیٹی پر منجہلی کا پر چھاواں پڑے۔ اس دن کے بعد سے ماں غریبے تو بات کرنی ہی چھوڑ دی۔ مگر ماں ملتا کا جوش یا موقع و محل کی مصلحت اتنا ضرور کیا کہ میاں کے کان تک اس کی بدعنوانیاں نہ پہنچائیں اور اُلٹا اس دن کا الزام بھی پورا نہیں تو آدھا پاؤ اپنے ہی سر تھوپ لیا۔ یہ اس کی غلطی ہو تو فی مجبوری کچھ بھی ہوتا تھا ہم بھی کہیں گے کہ اگر علم ہو جاتا تو باپ ایسی ناہنجار بیٹی کا آئندہ یقین نہ کرتا۔ اور اگر زیادہ نہیں تو اتنا ناییدہ منجہلی کو بھی ہوتا کہ وہ پھر کبھی اتنی بڑی جرات نہ کرتی پسچی بات یہ کہ ادھر تو رہی تعلیم سے کوریٰ ادھر ماں نے توجہ کی نہیں صحبت ملی خراب چھوٹی چھوٹی عادتیں میل کا بیل نیگیں۔ اگر خدا سمجھ دیتا تو کچھ بڑی بات نہ تھی کہ اس شروع ہی سے ان تالائق لڑکیوں کو گھر میں نہ گھسنے دیتی۔ صبح ہوئی اور حملہ بھر کی بدتمیز ناہنجار انیاں نصیاں کوئی بھٹیاری سے زالی ہو تو کوئی سقنی برادہر دوسرے آچٹیں۔ وہاں سیدہ نماز سے فارغ ہو قرآن شریف پڑھ رہی تھی اور یہاں آنکھ میچولی ہو رہی تھی۔

(۱۵)

میر بھٹیاری نے ایک دن اپنے پھیلپنی شاہ کی دعوت کی۔ سیر بھر گوشت۔ ڈیڑھ سیر چاول بیوی کو لاکر دیئے۔ وہ بیجاری گوشت کو چینی سے ڈھانک چاول بوٹی میں باندھ پٹا لینے کو بٹھری میں گئی۔ لڑکی چاول بھول دین چار مٹھیاں جھولی میں ڈال آٹھ دس بوٹیاں اچھی اچھی چھانٹ منجہلی کے ہاں پہنچی۔ ماں کو بٹھری میں سے نکال کر بچتی ہو تو چاول اور گوشت دونوں غائب۔ برقع اور ڈھ پیچھے پیچھے آئی تو بی منجہلی ہنڈ کلیا چھوٹے پروکھہ آگ پہوں پہوں کر رہی تھیں۔ بیٹی کو تو خیر جو منہ میں آیا سناتی رہی مگر منجہلی کو کبھی ساتھ ہی ایسی کہری کہری کہیں کہ کوئی دوسرا ہوتا تو چینی بھر پانی میں ڈوبے تا کہ بے غیرتی ہو تو اتنی کہ اس کے بھادیں بھی نہیں بھٹیاری چینی میٹھی تو اتنا فائدہ تو ہوا کہ یک جھک آدھی پاؤ

اے بونے چادل گوشت لے لو اگر آگئی۔ مگر سنبھلی کیا چا کئے والی بشر تہیں ماں کی آنکھ بچا
کوٹھری میں گیس۔ گڑا۔ گئی۔ چادل۔ کھانڈ۔ جو پتے چڑھا کمال لائی۔ ماں جو کسی ضرورت
سے اندر گئی تو کیا دیکھتی ہر چادل پھیلے ہوئے۔ گئی گرا ہوا۔ کھانڈ کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی۔ سنبھ
تو فوراً آگئی مگر بیٹی کی جان کو صبر کر چکی ہو بیٹی۔ سنبھلی کس کی بیٹی اور کس کی پوتی لیکن نصیب سنبھلی
شرع ہی۔ سے کچھ ایسی صحبت میں بیٹھی کہ جو کام کیا وہ بے ڈھنگا اور جو بات کی وہ بے ٹکی۔
اکھیل کھیلے تو کبھی زلیلوں کے۔ ریس کی تو موئے فقیروں کی۔ ہاتھ میکنا گود میں تر۔ پاؤں
کہ زمین پر چھپا چھپ چل رہا ہے۔ سر پر چھپیا ہاتھ میر گئے۔ بغل میں بٹکھا۔ گندھیر یوں کی
آواز لگ رہی ہے۔ خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ ایک ن سقنی والی نے کہا اُبی سنبھلی میگم چھو چھو
کیلیس۔ تم تو بنو چور ستور میں سپاہی اور ہم صاحب۔ دیکھو وہ جو تمہاری اماری میں بیٹھا
رکھی گئی ہیں اس طرح چرواؤ کہ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو۔ سنبھلی میگم کو کیا عذر تھا۔ پان کے
ہانے پٹاری پاس آئی اور اٹھتی دفعہ نارنگیاں جھولی میں ڈال کر فوکر کھیل کا تو تھا۔ ہاں یہ
مطلب تھا نارنگیاں کھانا مفت کا مال ان مولوں کیا بڑا تھا۔ تینوں چار۔ رات کو دسوں
ختم کیں۔ میر یہ تھا کہ کو لے تھے ناگبور۔ کے وہ بھی بازار کے نہیں سوغات کے۔ رات کو میرا
نے مردانے میں منگوئے۔ گھر والی جا کر دیکھتی ہے تو اماری صاف۔ نارنگیوں کے بدلے اللہ
کا نام پھیں کیا اپنا سر۔ کو نہ کہ نہ چپہ چپہ ڈھونڈا ڈالا۔ سوئی تو سقنی نہیں جو چھپ جاتی۔
اوپر میاں ہیں کہ آدمی بہ آدمی۔ تقاضے پر تقاضا۔ دہریہ ہی ہیں کہ چور بتی بیٹھی ہیں۔ جب کچھ
سمجھیں نہ آئی تو دوڑی دوڑی نند کے پاس آئیں اور لکس قیس کھانے کہ آپا جل جائے
زبان جو ایک پھانک بھی کھاٹی ہو۔ یہ سب سنبھلی کے بہیت چڑھیں۔ اب بتاؤ کیا
کروں۔ میں تو ایسی ذلیل عمر بھر نہیں ہوئی۔ دونوں نند بھاوجیں ایک دوسرے
کا منہ دیکھنے لگیں۔ میرزا ہلاکہ بیٹی سے الگ بہتے ہوں مگر اس کے گنوں سے
اچھی طرح واقف تھے۔ دیر پر تو غصہ آیا تھا۔ مگر جب بالکل ہی ناامیدی ہوئی تو

سمجھ گئے۔ دل ہی دل میں جل بہن چپ ہو رہے۔

(۱۶)

ہوئی شہتی رقصات کا ہمینہ تھا۔ چوتھا پانچواں وزہ ہو گا نسیم کا لہان لینے
ماں کے پاس آئی۔ چلتے لگے تو بہن نے بلا اپنے پاس بٹھالیا۔ پانچ چہرہ کیاں اور بھی
تھیں نسیم کا بھی ان کی باتوں میں دل لگ گیا۔ ایسی بیٹی کہ دوپہر ہو گئی اور اٹھنے کا نام
نہیں۔ بچھو پھی نے آکر دیکھا تو اجودہ والی کھڑے گھٹ گھٹ کر باتیں ہو رہی ہیں۔ بلا کر ساتھ
لے گئی اور گھر لیجا کر کہا۔ بیٹی تم آگاہان لینے گئیں تھیں یا وہاں بیٹھنے۔ یہ روزیل تیرا کیا
مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ بہنیں ان کے پاس بیٹھنا کیا ضرور تھا۔ پہلے کے پاس بیٹھے جیسا
ناگراں۔ برے کے پاس بیٹھے کٹائے ناک اور کان بولے اس کے کہ ان کی خراب
عاد توں کا اثر تم پر بھی پڑے اور کوئی فائدہ مجھ کو نظر نہیں آتا۔ غم جوڑے کو دیکھ کر خبر روزہ
رنگ پکڑے۔ آدمی کو دیکھ کر آدمی ڈھنگ پکڑے۔ تم کو انکی سیوہہ حرکتیں دیکھ کر ان سے
بچنا اور پرہیز کرنا چاہیے۔ نہ یہ کہ ان کی رفیق بنکر ان ہی میں گس بیٹھو۔ تھالی گری جھنکار
ہوئی۔ کیا خبر بھری تھی یا تھالی۔ دیکھنے والے تو یہ سمجھیں گے کہ یہ بھی ان ہی جیسی ہو چلا
کلمہ کا حال سن چکی ہو۔ ایک تیلن کی صحبت نے عزت اور وسب پر پانی پھیر دیا۔ بہنیرا
ہی سبب منع کیا۔ مگر جب دیکھو وہیں ٹھسی ہوئی۔ اس کا باپ تھا چور شیخ دہوی کے
یہاں ہوئی چوری تماشائی ان کے ہاں بھی ہوئی۔ مال ملا نہیں پولیس کا نام سن کر وہاں
سے بھاگ اپنے ہاں آئی۔ تھانہ دار کو ہواشبہ وہاں سے اٹھ سیدھا ان کے ہاں
ایک اسی بات تھی مگر جس وقت خالہ کے گھر کی تماشائی ہوئی ہر محلہ بھرنے دانوں میں لکھلیا
دے لیں۔ یاد رکھو برے کی صحبت میں بیٹھنے سے سوا برائی کے اور کچھ نہیں ملتا۔ اگر ایک
روال میں تھوڑے سے بھول کہو تو روال بھول نہیں ہو جاتا مگر بھولوں کی صحبت کا اتنا
اثر نہ ہو جتنا ہر کہ روال میں بھی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی گلہ ستے کو غور سے دیکھو خوشبو

پھولوں کے ساتھ گھانٹ پھونک پر بھی عجیب و فن ہو جاتی ہے۔ ذرا اپنے ہاتھ دیکھنا۔ سینے کی پونچیاں اور یہ معمولی ڈورا۔ مگر سونے کی وجہ سے اس ڈورے کی وقعت کچھ اور ہوتی رہی ہے۔ ساتھ ایسے لوگوں کا اختیار کرنا چاہیے جو سچے ہوں اور اچھے۔ نہ یہ کہ مکرار اودنا، سنجار۔ لڑکا ہو یا لڑکی۔ پڑی ہوئی عادت اور لپکا پھر چٹائے نہیں چھٹتا۔ تمہاری آپا کیوں بگڑیں صحبت ہی کی وجہ سے ماس ہو آیا اور کچھ۔ رات دن جب دیکھو بھی کبھی لڑکیاں موجود ہیں۔ محلے میں لٹنے پہلے ماس میں کبھی ان میں سے بھی کسی لڑکی کو آتے دیکھا۔ میں تو اس دن گرایا کے بیاہ میں دیکھ رہی تھی کہ بڑی سے چھوٹی تک جو بھتی وہ ایسی ہی۔ نام کو کسی اشرف کی لڑکی نہ تھی۔ سچ پوچھو تو سوری کا کثیر امور ہی میں خوش رہتا ہے۔ خود بخوبی کا دل انہیں میں لگتا ہے۔ وہ پہلے مانسوں کی قدر کیا جانے بیٹی اب کبھی جا کر نہ بیٹھنا۔

(۱۶)

سببیدہ کی چچا زاد بہن پڑی لکھی۔ عربی فارسی کی خاصی اچھی عالم فاضل پانچ برس کے بعد بیت اللہ سے واپس آئیں۔ اگر دیکھتی ہیں تو محلہ میں کچھ رنگ ہی اور چھایا ہوا ہے کیا کواری اور کیا بیبا ہی۔ جو لڑکی ہے مذہب غافل۔ خدا سے لاپرواہ کیسی نماز اور کس کی خیرات۔ کہاں کا روزہ اور کدھر کی زکوٰۃ۔ دن ہو یا رات یہ وہ خرافات۔ بچہ ہو یا جوان فرعون بے سامان۔ ان بیجاری کے تو دیکھو کہ کان کھڑے ہو گئے تین چار دن تو خون کے سے گھونٹ پنی کر چپٹ ہو گئیں۔ جمدہ کے روزہ ظہر کے بعد وعظ کے بلائے یہ سب بے۔ دہر دور سے یہویاں آکر جمع ہوئیں۔ استانی جی نے وعظ شروع کیا۔

بیٹو، بیٹیو! میں تم سب کی بہت احسان مند ہوں کہ اپنے اپنے کام کا ج بند کئے اور میری درخواست پر یہاں جمع ہو گئیں۔ چلو اس بہانہ سے ملاقات تو ہو گئی۔ اس لحاظ سے تو میں ضرور خوش ہوئی کہ تم سب کو انباک میرے ساتھ وہی محبت ہے جو چلتے وقت تک تھی لیکن یہ دیکھو کہ ٹکڑا افسوس ہوا کہ میں نے پچیس ایک پانچ ہی برس کے عرصہ میں

نہ وہ آسمان نہ وہ زمین سب چیزیں بدل گئیں۔ میں نہیں چاہتی کہ لڑکیاں پرانی لکیر کی فقیر بنی رہیں۔ زمانہ کا رخ دیکھو کام کرو۔ مگر نہ ایسا کہ دوسرے کی ریس میں اپنی اصلیت بھی بہہ جائے۔ گوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا۔ کون کہتا ہے کہ انگریزی جوتی پہننی حرام۔ مگر ہاں یہیں کہتی ہوں نہ کھلم کھلا کہتی ہوں کہ نماز کے وقت گراموفون سننا ناجائز قطعی۔ نام لینے سے کیا تایدہ۔ مگر کل ایک کواری لڑکی کو دیکھا کہ آب و آں کا کرتہ بیک کی اوڑھنی۔ نیماک بخون منا کرنا تہا کے کمان ننگے۔ چہلے پاؤں خالی تہا کے ہاتھ سونٹا سے ہوں تو ہوں۔ مگر تہارا سب سے بڑا زور شرم و حیا غفلت عصمت ہے۔ یہ وہ چیز ہے کہ سینکڑوں ہزاروں ایک بلکہ لاکھوں کروڑوں روپے کے جواہر اس پر سے قربان۔ بڑا نہ ماننا۔ اس آب و آں سے گارہے کا کرتہ اوندھو تری چادر ہزار درجہ بہتر ہے سب کو معلوم ہے کہ میں تعلیم نسواں کی پیغمبرِ ترقی رہی۔ ہاتھ پاؤں سے جو کچھ بھی ہو سکا اور جتنا کچھ بھی ہو سکا اسی میں لگی لپٹی رہی۔ دو چار جوت جو آتے تھے اس کے تہانے میں کبھی دریغ نہ کیا۔ مگر میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ مذہب کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دو۔ سن لو اور یاد رکھو۔ جن قوموں نے دنیا میں ترقیاں کیں اور جن لوگوں کو کچ ہر قسم کی عزت حاصل ہو رہی تھی۔ یہی کہتے ہیں۔ اور کہتے کیا ہیں ان کو کہنا پڑتا ہے کہ مذہب سے الگ آدمی جا لو سے بدتر ہے۔ تعجب ہے کہ تم سب کی سب اپنی ترقی اور اصلاح کی انہی کوشش کر رہی ہو کہ اس چاروں کے عرصہ میں جس میں آئی ہوں دو جلسہ سن چکی ہوں۔ مگر کیا تم اس کو ممکن سمجھتی ہو کہ اپنے سچے مذہب کو چھوڑ کر کسی لائق ہو جاؤ اور اچھی بن سکو۔ جب اتنی موٹی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی تو تم کیا خاک ترقی کر سکتی ہو۔ لڑکی ہو یا بڑی عورت بلا ایمان ایک پھول ہے جس میں نام کو خوشبو نہیں نہ وہ بات کرنے کے قابل نہ اس کی بات سننے کے لائق۔ میں ملتان میں اور میرا عقیدہ ہے کہ دنیا کی درستی جیبت تک نہ ہوگی۔ دین درست نہیں ہو سکتا۔ میں عقل سے لاپرواہ ہوں اور دین کی آڑ میں دنیا کی سخت گناہ سمجھتی ہوں کیا کروں میرا مذہب میری

مقدس کتاب مجھ کو یہی بتا رہی ہے کہ ہم یہ دعا کریں اَللّٰہی دین اور دنیا کی خوبیاں ہم کو بسے
 اب دنیا کی خوبیوں سے علیحدہ رہنا اور محض دین ہی دین پر صبر کر لینا پرے سرے کی
 احسان فراموشی اور حد درجہ کی غلطی ہے۔ اب تم کو یقین ہو گیا کہ میں ہرگز ہرگز اس خیال
 کی آدمی نہیں ہوں کہ دنیا کو فانی بنا کر تمہیں اس کے کاموں سے روکوں۔ لیکن اے اللہ
 کی بندہ یوں! خدا آنکھ ملا کر بات کرو۔ جلسہ کے واسطے تو گھر کو نہایت آراستہ و پیراستہ کیا نہ فرشتے
 فرشتے۔ درمی۔ چاندنی میز کرسیاں خوب بچھائیں اور خوب سیائیں لگو کبھی اس گھر کے آراستہ
 کرنے کا بھی خیال آیا۔ جہاں سدا سدا رہتا ہے۔ بڑا خطرناک سفر ہے اور جانا ضرور۔ راہ کٹھن
 منزل کڑی۔ سنگ مساحی۔ ایکلی جان اللہ نگہبان۔ ڈولیاں لگی کھڑی ہیں اور جانیوالیاں
 صبح دشام چلی جا رہی ہیں۔ تمہارے اوپر دنیا میں وہ قسم کے حق ہیں ایک خدا کا اور دوسرا
 بندوں کا اگر خدا کے حق ادا کرنے میں غفلت کرو گی تو سزا کے بعد یا سزا سے پہلے غرض
 اس کے معاف ہونے کی امید ضرور ہو۔ اور اس لئے ہے کہ ایک ایسے زبردست بادشاہ
 کی خطا ہے جو بہت بڑا رحم کرنے والا ہے اور جس کے حق سے ادا ہونا آسان کام نہیں۔
 اس لئے جہاں تک ہو سکے کوشش کرو کہ کوئی فرض باقی نہ رہ جائے اور یہ یقین رکھو کہ
 وہ مالک حقیقی شفیق رفیق۔ عزیز۔ رحیم سب ہی کچھ ہے اپنے فضل و کرم سے بڑا پار
 کر دے گا۔ اب ہا دو ستر حق یعنی بندوں کا وہ بڑی پیڑہی کھیر ہے۔ ماں باپ بہن بھائی
 عزیز اقارب۔ بہن بھائی۔ پڑوسی نوکر۔ ماما۔ سائل فقیر وغیرہ وغیرہ۔ غرض جتنے آدمیوں سے
 کچھ بھی واسطہ ہے اگر ان میں سے کسی کا ذرہ بھر حق رہ گیا اور کسی کو رتی بھر بھی تکلیف
 پہنچ گئی تو اس بات سے بالکل ناامید ہو جاؤ کہ وہ نکتہ نواز ہے۔ اس کو اپنے معاملہ میں کچھ
 درست مگر برائے معاملوں میں وہ رحم نہ کرے گا۔ کیسے خوف کا وقت ہے کہ خدا جیسا ہر جان
 ہر وقت اور ہر حال میں مددگار ہے اسے اگر بندوں کو کسی معاملہ میں ناامید کیا ہے تو صرف اسی
 معاملہ میں۔ اب بتاؤ اس سے زیادہ ذمہ داری کا کام اور کون سا ہو گا۔ خدا مجھ کو بتاؤ تم میں

کتنی لڑکیاں ایسی ہیں کہ ماں باپ ان سے راضی ہیں بھائی اُن سے خوش عزیز دل پر ہریان غریبوں پر رحم۔ ہمسایہ سے نیکی۔ حاجتمندوں سے سلوک۔ سچ بوجھ تو مجہدیت کو ایساں دے دیا میاں بالیاں اور بوڑھیاں یہاں تو جتنی بیٹھی میں سب نور علی نور جھوٹ۔ مکروفا۔ دہوکا اُٹے ہاتھ کا کھیل ہے۔ کسی سے فریب کسی سے چال۔ اس کو بھڑکایا اس کو لڑ دایا۔ یہاں لگائی وہاں بھجائی۔ غرض صبح سے شام تک یہی شغل اور یہی کام۔ کمزور پر غصہ کیا تو کھانے کو تیار۔ جانوروں کے مزاج بگڑا تو مار ڈالنے کو آمادہ۔ کیوں میری بچھو اسی برتنے پر ترقی کی کوشش اور اسی لہجے پر مصلح کے جتن۔ پہلے اپنے تئیں رست کرو۔ پھر دوسروں پر نظر ڈالتا۔ پہلی غصہ رت تو بہتا کہ آدمی بن جاؤ۔ پھر یہ سب باتیں معلوم ہوں گی کبھی تو یہ حالت ہو کر اپنی غرض ہوئی تو چاری تاک کی خوشامد کر لی۔ دوسرے کا کام اگر اٹکا تو سید ہے منہ بات کرنی گناہ۔ پرسوں کے جلسہ میں ایک بات شکر بہت ہی افسوس بلکہ صدمہ ہوا مسلمانوں کی بیٹیاں مسلمانوں کی پوتیاں مسلمانوں کے گھر میں مسلمانوں کے ہاں ہیں مگر اچھا اسلام کو بڑھ لگایا بنتی ہوں اور ہر برابری میں مغرب کی نماز ہو رہی تھی۔ اوپر جلسہ میں اگر موفون بج رہا تھا۔ خیال تو کرو چند اللہ کے بندے دن بھر کے ٹھکے ہائے کام کا سچ سے فراغت پا کر اپنے مہمود حقیقی کے حضور میں سچے دل سے عبادت کو حاضر ہوں اور تم اسی حالت میں آغ کی غزل کے مرے لوگو۔ آخر بتاؤ وہی تم نے مذہب کو کیا بنی ٹھٹھا سمجھ رکھا ہے۔ مرنے پر رہنا نہیں اور مرنے کے بعد ایک بار میں پیش ہونا ہے۔ جانتی ہو وہ کیسا دربار ہے۔ ایک نصف حقیقی تخت عدالت پر ہو گا۔ یہ سب ممکنات اور مل نکلے کے بل کی طرح نکل جائیں گے۔ یہ مال متاع دولت شمت جس نے فرعون بنا دیا پس کی کہیں بچانے کی ایسی چیز جمع کر دو جو وہاں بھی ساتھ جاسکے۔ میری بیٹیو وہ بڑا نازک وقت ہو گا نہ کسی کی سفارش کام آئیگی نہ کوئی مددگار ہو گا۔ مظلوموں کی دعا لو کہ یہاں بھولو بھولو اور ہاں بیڑا پار ہو۔ عصر کی اذان ہو رہی ہے جاؤ اور احکم انکابین کی دعا میں جھکا کر سچے دل سے توبہ کرو اور صمیم ارادہ کر لو کہ جب تک دم میں یہ ایسی زندگی بسر کریں گے کہ

دیکھنے والے تعریف اور سننے والے واہ واہ کریں۔

(۱۸)

عصر کے وقت تو اُستانی جی نے وعظ ختم کیا۔ مغرب کی نماز سے فراغت پا کر بیٹھیں تو خیال آیا سب سے مل لی مگر چھوٹی بیگم نہیں آئیں۔ ان سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ چلو میں خود ہی کیوں نہ چلی چلوں۔ تین گھر بیچ چوٹھا گھر چھوٹی بیگم کا تھا وہاں پنچیس تو بڑی بیگم بیٹھی پان کھا رہی تھیں۔ اُستانی جی کو دیکھتے ہی نہال نہال ہو گئیں۔ اُنھیں عزت سے لائیں خاطر سے بٹھایا۔ خاطر مدارات ایسی کہ کبھی جاتی تھیں اُوٹھکت اتنی کہ پان پر پان اور زردہ پر زردہ۔ ادھر ادھر کی باتیں ہو چکیں تو اُستانی جی نے کہا ”بھئی“ کہاں ہے آج وعظ میں کبھی بہت دیکھا۔ ملنے کو جی ٹڑپے ہا ہے۔ میں نے کہا چلو میں ہی چلک مل آؤں۔ بیگم صاحبہ۔ وعظ میں جانے کو تو دیکھی کہہ رہی تھی۔ مگر میں نے مناسب نہ جانا سیانی بیٹی کو کہاں کہاں لئے پھروں۔

اُستانی جی۔ میری نظر میں تو ابھی وہی بچہ ہے۔ کل ہی کی تو بات ہے کہ پاؤں میں پھرتی تھی۔ بڑی ہو گئی تو کیا ہرج تھا وہاں تھا ہی کون غیر۔ آپس ہی کی لڑکیاں بالیاں جمع ہو گئی تھیں۔ اور اگر غیر بھی ہوتا تو کیا تھا مجھے تو کوئی نقصان نہیں معلوم ہوتا۔ بیگم صاحبہ۔ یہ تو آپ کا فرمانا درست ہے۔ مگر پھر بھی ہشیار لڑکی کا باہر نکلنا حاصل کیا۔ اُستانی جی۔ آپ نے اس میں کیا خرابی دیکھی۔

بیگم صاحبہ۔ کچھ بڑوں ہی سے یہ رسم چلی آتی ہے۔ کچھ فائدہ دیکھا ہی ہوگا جو رکھی۔ اُستانی جی۔ ایک تو یہ خرابی سمجھی ہوگی کہ غیر محلہ پر آیا گھر انجان لوگ سیانی لڑکی کا نادائق لڑکیوں کی صحبت میں جانا اچھا نہیں۔ یہ وجہ تو بہت معقول ہے مگر وہ اپنا ہی محلہ دیکھا بھلا لاکھر جانے بوجھے لوگ اور جب آپ خود ساتھ تھیں تو کیا قیادت تھی دوسری خرابی یہ ہوگی کہ جب لڑکی بڑی ہوئی تو نسبت ناتے کا وقت آیا۔ لوگ دیکھیں گے تو عیب ہنر

سے آگاہ ہوں گے صورتِ نیکل کو پرکھ لیں گے۔ کالی یہ صورت ہی تو سب کو معلوم ہو جائیگا کون قبولیگا ہو بیگم صاحبہ صاف کیجیگا۔ اس سے زیادہ بے ایمانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ بیٹی کا غیب اس کی بد صورتی کہنے نہ پائے اور کسی کسی طرح گہیر چپک کر دوسرے کے سر منڈہ دیں نا خوش نہ ہو جیگا۔ یہ میں آپ ہی کہہ رہی ہوں کہ سمجھا رہی ہوں کہ غیر عورتوں کی صحبت میں آزادی سے جانا اچھا نہیں ہے۔ اتنی ڈھیلی ڈھوری ہرگز نہیں چوڑنی چاہیے مگر اتنی قید بھی اچھی نہیں۔ یہ تو مسلمانوں کا کام نہیں ہی آج میں وعظ میں بیٹھ ہی تھی کہ جس طرح ہوا ایمان درست کرو۔ کوارسی لڑکیوں کو بد تمیز عورتوں اور بے ذمہنگی لڑکیوں کی صحبت سے بچا بانشاک بہت دور اندیشی کی بات ہے۔ لیکن آج کے وعظ میں لانے کا سبب تو نہیں معلوم ہوتا اور کچھ ہو تو مجھے خبر نہیں بیگم صاحبہ میرا خیال تو یہ ہے کہ بیٹی کے بیاہ کے وقت بیٹے والیوں کو خوب اچھی طرح بیٹی کو دیکھ لینے کی اجازت دیدینی چاہیے تاکہ سمجھے بے ایمانی کا الزام نہ لگے اور سچ پوچھتے تو معاملہ کے معنی ہی ہی ہیں۔ اب جائز دیکھئے۔ دیکھئے اگر موقع ہوا تو کل دل پھر آؤں گی۔ میری طرف دعا کہہ دیجیگا۔

اس وقت تو استانی جی چلی گئیں مگر اگلے زمانہ کی آدمی دل کی صاف وضع کی پابند صبح کی نماز سے فراغت پا کر قرآن شریف پڑھ پھر گئیں۔ اترتے ہی دیکھتی ہیں تو لڑکی بچہ پڑی خراٹے لے رہی ہے۔ استانی جی کی صورت دیکھتے ہی بڑی بیگم صاحبہ نے بیٹی کو جگایا۔ اور کہا نہی استانی جی صاحبہ رات کو بھی شریف لائیں۔ اب بھی آئیں اٹھو یا تھمنہ تم کو کہو۔ کل سے جی اچھا نہیں ہے اس واسطے لیٹی ہوئی ہے۔

لڑکی اٹھی تو ہسی مگر کس طرح۔ تیوری چڑھی ہوئی۔ مزاج بگڑا ہوا۔ آکر بیٹھی ادھر ادھر کی باتوں سے چھٹی ہوئی تو استانی جی کیا جوکنے والی تھیں فرمانے لگیں۔

بیٹی مجھے تو برا ہی تعجب ہوا۔ مغرب کے وقت سے پڑ کر سوؤ اور سو اپہر دن چڑھے سو کر اٹھو۔ چھوٹی بیگم تم نے تو وہی مثل اہل کر دی۔ چراغ میں بتی پڑی لاؤ میسرہ

تخت چڑھی۔ نیند کیا ہوئی ہلکے جان ہو گئی نور ظہور کا وقت نماز نہ قرآن۔ خدا نہ رسول۔
 پٹے ایندڑ رہے ہیں۔ ایسی کشتی بھی کس کام کی۔ لو کہیوں کا کام یہ ہے۔ جاٹے کی پہاڑی راتیں
 گہرے کام و بندوں سے جھٹکا اور اپا عشا کی نماز پڑھ کر کوئی کتاب لے بیٹھیں۔ آپ پڑھی
 دوسروں کو سنائی۔ دس گیارہ بجے سوئے۔ نماز کے وقت اٹھ بیٹھے۔ سویرے اٹھنے
 سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ دن بھر آدمی چو پچال۔ مہنگا کچل۔ کس نام کو پاس نہیں آتی۔
 دل خوش رہتا ہے۔ ہاتھ پاؤں جس جستی بدن میں پھر گئی۔ کام میں مستعدی پر سب باتیں یہ
 اٹھنے کی بدولت ہیں۔ اب تم اتنے دن چڑھے اٹھی ہو۔ دیکھ لینا دن بہر ہاتھ پاؤں
 ٹوٹیں گے۔ پلڑ اور جالیاں بستی اور انگڑائیاں ہر وقت موجود۔ جی چاہیگا تو یہ کہ
 کب سے تھے اور پڑ کر سوؤں۔ اس کے علاوہ ایک ایسا زبردست نقصان ہوا کہ اگر ہزار
 روپے خرچ کر ڈالو تو بدلہ نہیں ہوتا۔ نماز فجر جس کو تم نے محض غفلت نیند میں کہو دیا۔ ایسی
 چیز ہاتھ سے گئی جو اب عمر بھر ملنے والی نہیں۔ دین سے یوں گئیں دنیا سے یوں گئیں۔ اگر
 تم کو اس کی عادت پڑ گئی تو آج میرے کہنے سے اتنا کرو کہ کل صبح کی نماز پڑھ لو۔ پھر
 دیکھنا دن کیسا گزرتا ہے۔ بیٹی بڑا نہ مانتا۔ بس میگم صاحب اللہ بلی۔

(۱۹)

زمانہ اڑا چلا جا رہا ہے اور عمر یکایک کی کہیں پہنچ رہی ہیں نسیم کا چھوٹا بھائی دو بھائی
 تیسرے میں لگا تو ختنہ کی شادی بھٹی تین بہنوں میں ایک بہائی۔ چار بہنوں میں ایک
 بچہ جتنی اللہ آئین ہوتی کم تھی۔ ہوت کی جوت ہی۔ دہوم و دام سے تیاریاں ہونیں۔
 میاں بیوی کی صلاح سے بخیریز یہ ہوئی کہ تین دن کی مہانداری۔ دو دن گوڈو پیٹ
 ایک دن عام بھکان پر خفیدی ہوئی۔ دروازہ پر ٹھانڈا بندھے۔ شادی کا دن آیا تو مہمان
 آنے شروع ہوئے۔ ڈولیوں پر ڈولیاں اوندھا ڈی پر گارڈیاں۔ گرمیوں کا موسم آدیا
 ہکی بھرا۔ کرایہ کی چٹخ پکار۔ میزبان اور مہمان سب گہرے ہوئے تھے۔ بچہ کی اس کا

مکان - بیویوں کی کچھ کچھ شام کا وقت ہوا بندہ کو بٹھا اور سامان انگنائی اور دالان کچا کچھ بھر گئے عزیز کہیں اب بھی نہیں۔ ڈولیاں بند نہ گاڑیاں ختم۔ مرد ہیں کہ دروازہ پر بیٹھ رہیں آوازوں پر آوازیں اور تقاضوں پر تقاضے کان پڑی آواز نہ سنانی دیتی تھی ریسید کی جانی شاہ پور کے محلے سے آکر اتر گیا۔ ڈیڑھ ہی میں بندہ کئی اس سے ملکر آگے بڑھیں۔ ادھر ریسید نے ماناں آکر کہا اتنے اچھے کچے جگہ نہیں۔ ماناں ہنسنے لگی مٹی میں تو بلبلے بہہ چکے پچھتائی اب کہاں اپنی چنیا پر بٹھاؤں۔ کچھ دلوں کے بنجار کچھ بیوقوفی۔ جانی کی سمجھ میں یہ آئی کہ میرا آنا بندہ کو ناگوار گوارا۔ پیچھے پیچھے بڑی اس سے پوچھا۔ پھر بھی جان کیا کہہ رہی تھیں۔ بیٹی کیا آفت کا پرکال لگتی۔ عادت سے مجبور موقع کی منتظر۔ کہتی کیا ہے ہم تو پہلے ہی جانتے ہیں۔ ہم غریب یہ امیر۔ ہمارا ان کا میل ہی کیا اور امیر غریب کا ہشتہ کیا۔ یہ سینکڑوں جہان بھرے پڑے ہیں وہ ان کے اپنے ہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گی۔ ہماری ڈولی کے چار آنے بھی دو بھر ہیں۔ اب میں کیا کہوں تم سن تو رہی تھیں۔ کہا روں نے پیسے مانگے وہ لگیں خفا ہوئے۔ کہ کسی طرح بس ہی نہیں۔ جو ہے وہ اتنا چلا کر آیا ہے۔ تم ہی بے عزت ہو۔ خدا کی قسم میں تو کھڑے جانی نہ ہوں۔ تمہارے دل میں دل کیونکر ڈال دوں۔ تقدیر کی دولت ہے وہ ہو رہی ہے۔ آپ فرماں ہو۔ اپنے ساتھ اوروں کو کراؤ۔ لو اب کہاں بیٹھتی ہو کہیں جگہ بھی دکھائی دیتی ہے۔ کسی نے آکر جھوٹ موٹ بھی بات نہ پوچھی۔

ماناں - ہم کوئی آپس تھوڑی لے لے ہیں۔ دو دفعہ رحیم گئی۔ ایک دفعہ بھائی خروٹے ہم کیا گے پڑے ہیں۔ جاسلیم سے کہہ کے کہا روں کو بٹھرا لے۔ چلو اے۔ فقیر ہیں تو اپنے گھر کے۔

انگنائی میں کھڑے ہو کر اللہ کی بندی بہتیرا ہی چینی چلائی اور مطلب صرف اتنا کہ ان سینکڑوں میں خدا کسی کو اتنی توفیق دیکھا کہ پوچھے بی کیا ہوا۔ مگر شادی کا

بنگاہ۔ بچوں کی خیم دیاڑ۔ بڑوں کا نعل غیاڑو۔ بطوطی کی آواز نقازانہ میں سنتا کون تھا۔
 پوچھنا تو درکنار کسی کو خیر بھی نہ ہوئی۔ بات تو کچھ ایسی بڑی نہ تھی۔ دویا توں میں مل صفا
 ہو جاتا مگر اس فتنی نے کچھ ایسے کان بھرے اور ایسا پڑیا یا کہ ساتھ ہی لیجا کر ملی۔ آدمیوں کا
 تانتا اب بھی لگتا ہوا تھا۔ کسی کو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ بیوی کیوں آئیں اور کیوں گئیں۔ ات
 گزر گئی۔ صبح اٹھ کر جو گھر والی کو خیال آیا تو کہنے لگیں: بیٹھانی جان تو لسی بڑ کر ڈھیر وٹیں کہ
 بھلے بچے کو اگر دیکھا تاک بھی نہیں۔ اب چاروں طرف ہنہٹا پڑ رہی ہے۔ بھابی کہیں ہوں
 تو ملیں۔ کوئی کہتا ہے آئیں۔ کوئی کہتا ہے تھیں۔ تند بیجاری سینکڑوں قسمیں کہا رہی ہے
 کہ میں فریڈیوڑھی میں ملی ہوں۔ دونوں ماں بیٹیاں ساتھ تھیں۔ اتنی بڑی عورت کا مچا نال
 میں سے غائب ہو جاتا جہاں نہی کی بات تھی وہاں تشویش کی بھی منجلی اٹھ کر کیا فرماتی
 ہیں ماں بی اماری ملے دیکھو چھپت گئی ہوں۔ عورتوں نے بہت ہٹے لگائے مگر تند بیجاری
 حیلن پر نشان کیسے تم کیا ہوا۔ آئی اوائی بھاڑ کہاں غائب ہو گئیں۔ ماما کو بھیج کر کہو دیا تو
 معلوم ہوا کہ گھر میں بیٹی آٹھیل رہی ہیں میاں کو بھیجا تو یہ عقدہ کہلا کہ بھابھ سوچی پھولی
 بیٹی ہزاروں باتیں سن رہی ہیں۔ تند بیجاری اور کیا کرتی۔ شادی کو اسی طرح چھوڑ
 چھاڑا ماما کو ساتھ لے بھابھ کے ہاں پہنچی۔ وہ تو راستہ ہی سے بھری بیٹی تھیں صورت دیکھتے
 ہی ایسی ٹانگ لی کہ کچھ کہتے سنتے بن نہ آئی۔ انکار پر انکار کر رہی ہو اور قسموں پر قسمیں
 کیا رہی ہے مگر بھابھ ہے کہ وہ یہی کہے جاتی ہے۔ میں نے اپنے کاتوں سے سنا ہے
 کوئی اور کہتا تو میں جھوٹ سمجھ لیتی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بحث رہی بڑی مشکلوں اور
 مصیبتوں ہزاروں سنتوں اور خوشامدوں سے خدا خدا کر کے عقدہ فرزد ہوا۔ اور تو
 تو یہ گزری اور ہر مہمان بیچاے بندھے بندھے سوکھ گئے۔ اترا دیاں قل ہوا اللہ بڑا ہی
 ہیں۔ مختصر یہ کہ دوپہر بعد کہیں ایک بچے کے قریب بھابھ کو سمجھا بھابھ ساتھ لے کر
 گہرائی شادی تو خیر ہوتی تھی ہو ہی گئی۔ شام کو مہمان رخصت ہوئے مگر نسیم

کی ماں لاکھ بھانج سے صفائی کر چکی تھی۔ لیکن دل میں کچھ ایسی شرمندہ شرمندہ رہی کہ زمین میں گڑی جاتی تھی۔ چلنے کا دقت آیا تو کہنے لگی۔ بھابی روز روز تو کوئی کسی کے ہاں تا نہیں۔ کبھی کبھار گھر سے نکلنا ہوتا ہے۔ اب آج جا کر کیا کر دو گی۔ اس ہنگام میں تو بات کرنے کی فرصت ہی نہیں کل چلی جانا تہ کے عصر پر تو بھابھو ج رہتی یا نہ رہتی مگر تسیم نے چٹ چٹ کر مانی کو ایک آنٹ اور پٹھرایا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو اتنا فی جی کہنے لگیں۔ بوا تم نے بھی کمال کیا۔ پوچھا نہ کچھ بات کو سمجھیں نہ بوجھیں جو اپنی سمجھ میں آیا یقین کر بیٹھیں۔ غلط فہمی سے تو دنیا میں بہت برے برے نتیجے پیدا ہوتے ہیں عقل مند کا کام یہ ہے کہ اگر کسی عزیز کی طرف سے سچ پہنچے تو اس کو خوب اچھی طرح تحقیق کر لے۔ بلکہ خود اسی عزیز سے دریافت کرنا چاہیے۔ بار بار ایسا ہوتا ہے کہ کہنے والے کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔ سمجھنے والا کچھ اور سمجھ جاتا ہے اور پھر بیچ کے لگانے والے جو بات کہتا ہے بنا دیں۔ ان کو ہی میں مزا آتا ہے۔ اپنے دل میں کہوٹ ہے تو بیس بات جم گئی اور خواہ خواہ کا بیخ پیدا ہو گیا۔ کچھ آپ کہیے۔ کچھ دوسرا کہیے۔ دلوں میں پوری رنجش ہو گئی۔ رفتہ رفتہ دونوں ایک دوسرے کی عورت سے بیزار۔ بولنا چھوڑا۔ الما چھوڑا۔ آنا چھوڑا۔ جانا چھوڑا۔ خدا سمجھ دے تو اسی وقت بات کو طے کر لے اور جا کر دریافت کر لے کہ میرے نے تمہاری طرف سے یہ سنا ہے۔ سچ ہے یا جھوٹ۔ مردوں کی تو میں کہتی نہیں مگر عورتوں میں یہ بات عام طور پر دیکھی ہے کہ قصور دونوں میں سے ایک کا نہیں اور ایک دوسرے کو دشمن سمجھ رہی ہیں۔ اچھی بوا ماشاء اللہ کٹھ پھوں کی ماں اتنا تو سمجھا ہوتا کہ رذیل سے رذیل اور ذلیل سے ذلیل بھی تو گھر پر آئے کہ نہیں نکالتا۔ نہ یہ کہ اللہ آئین کا بچہ ختنوں کی شادی اور مکی بھابھ کا آنا گوار۔ بیوی قربان جانیے تمہاری عقل کے اور صدمے تمہاری سمجھ کے اور خیر تم نے کمال کیا سو کیا۔ صابزا دی بلندہ اقبال نے اور بھی غضب کر دیا۔ کواری لڑکی اور لکناٹی بھابی۔ شرافت تو یہ ہے کہ جس کی جہاں سنی

دہیں چھوڑ دی۔ یہ نہیں کہ سنی ایک جڑیں چار رڑا کی شاباش حیف ہے ایسی بیٹیوں پر جو دلوں میں بیڑ ڈلو انہیں۔ پھر بغیر بھی تو نہیں نہ بھاویں۔ آخر کیا ہاتھ آیا سینکڑوں آدمیوں میں عزت کس کی گئی جس نے سنا تیرا ہیجا۔ رڑا کی ہر کہ آفت کا پرکا لا بیٹھے بٹھائے کیا آفت برپا کی ہے۔ بیٹی روتی کیوں ہے۔ یہ کھنگ کا ٹیکہ تو عمر بھر کو لگ گیا۔ اب ٹسوے بہانے سے کیا حاصل۔ خد اہی بیٹی سے چلے گا۔

(۲۰)

نسبہ کی ماموں زاد بہن جس نے یہ کھل کھلوا یا تھا سخی گوارا کی مگر ماکی لاڈ و نانی دادی کی جیتی دو تین گھر دں میں ایک بچی۔ مگر کیسی بے ڈھنگی اور پہو ہڑ کہ خد اکی پناہ۔ ماں بارہ ہینے کی بیمار تو پہلے ہی سے تھی۔ برسات کیوں رڑا ہوا۔ کھایا پاسی خشک تھنڈے باوی چا دل۔ جو رڑا میں وہ ہو گیا۔ جاڑوں میں ہوتے مسہل اور پھر کیا غسل اعضا کمزور تو تھے ہی۔ پانی پڑتے ہی رڑا نا لگیں، گئیں رڑا اٹھنے کی ہمت نہ چلنے کی طاقت بہت دل کیا تو کھسک، کھسکا چہو ترے پر یا کھسٹ کھسٹا چہو کی پر یہ گھر میں لے جو مگر گولی سمجھو منتظم سمجھو۔ داروغہ کھر جو کچھ بھی عدا جہزادی پر خوردار۔ مگر رڑا کی کیا جانو سخی منوں جنر گھر میں لے کر جب دیکھو خاک اڑ رہی ہے۔ ماں چلنے سے معذور تھگی سے مجبور بیٹی کی طرف سے کہہ ہوتے ہو دونوں یکساں۔ ماماؤں کی جوتیوں کو کیا غرض تھی کہ معیبت بگئیں اور گھر بنائیں۔ گھر تھا تو گھر والی کے دم سے وہ اس قابل ہی نہیں۔ رڑا کی پہو ہڑوں کی بادشاہ بے ڈھنگیوں کی سردار۔ گھر کیا بازار تھا۔ چار ہی دان میں یہ کیفیت ہو گئی کہ گھسنے کو جی نہ چاہے۔ جسٹاں کی یہ کیفیت لڑکچہ ہونے پر سلوٹ ہو تو ہمیں اس کی بیٹی کا یہ حال کہ دنوں اور مہینوں گھر میں جہاڑ و نہ لے تو پر داد نہیں جس انگنائی میں سوئی گرسے تو الاک اٹھا لو۔ اب اس میں عدا جہزادی کی سہیلیوں اور ماماؤں کے سچوں کنوئیں کہو دکھو کر گڑھے ڈال دیے۔ مرغیوں کے بڑے بڑے ڈبوئے گھر کی حیثیت

دو کوڑی کی کردی کہیں کچھ بڑے ڈھیر کہیں خاک کے توشے۔ یہاں چولہے وہاں کھٹیل
 دنوں کے پتے۔ کوڑا کرکٹ۔ صحن کیا دنیا بھر کا مجموعہ تھا بھکتی دست پناہ اس میں
 دانہ کی کندھیلیاں۔ پانی کے کوئٹے مرغیوں کی بیٹ۔ بکوتروں کے پر۔ بورے
 کے ٹکڑے۔ کپڑوں کے چیتھرے۔ چاروں طرف وہ جھاڑ جھنکاراٹا ہوا کہ دم بھر بیٹھنے
 کو جی نہ چاہے۔ کہنے کو ماشاء اللہ ایک پتھر دو دعائیں۔ مگر ان پجاریوں کا کیا قصور۔ کام
 لینے والا ہوتا تو وہ کام کرتیں۔ گھر والی کی یہ کیفیت کہ اگر کبھی بھولے بسرے دنیا جاتی
 دیکھو کسی مانے چاہا بھی کہ جھاڑ دیا تھا میں نے دو جھنگے دیدو تو اس کو جھٹ دو سر کام
 بتا دیا۔ پل بھر کی دیر ہوئی تو سینکڑوں کو سننے پر گئے۔ سمجھ کر جو کام بتایا وہ اُلٹا
 اندراجات کی وہ ٹیرھی۔ اماؤں کا کیا بگڑتا تھا جس رخ پر ڈالا پڑ گئیں۔ دن بھر ٹھپی
 مرغیوں کے دیارے تھوٹیں از بکوتر کی کاکیں جھاڑ تیں چکنی مٹی کے بورے۔ کچی اینٹوں کے
 ڈھیر۔ تغار بنے ہوئے۔ پانی پڑا ہوا۔ پختہ سنگین گھر چار دن میں غارت ہو گیا۔ دیواروں
 نظر ڈالو تانٹیں گری ہوئی۔ چونا جھڑا ہوا۔ کوسٹے کو جا کر دیکھو تو گھاس اگی ہوئی۔ لمبا
 پڑا ہوا۔ موری بند۔ قد بچے ٹوٹے۔ جھنگے کھڑے۔ ٹھاٹھ پڑے۔ خدا کی شان نواب
 چہن کی مجلس اور دیکھو کوجی متلائے۔ دالان کی وہ کیفیت کہ حلوئی کی دکان بھی اچھی
 ہوگی۔ چاروں طرف کہیاں بہنک ہی ہیں۔ بڑی بی کے زمانہ کا بنا ہوا گھر لاکھ کا خاک میں لگیا
 تھا۔ درمی۔ چاندنی۔ چاند غالیچے موجود سب چیزیں تھیں لیکن وہی چیزیں جو کسی وقت کھانا
 کی دینت اور آرائش کا سامان تھیں آج بیٹھنے والے کو بھی لاج گتی تھی۔ چونے کے دہتے
 کتے کے چلتے سیریں چھلکے ٹوکروں کو ڈاڈھروں راکھ منوں خاک بڑی بڑی فرشی دیاں
 مٹی میں آئی ہوئی۔ چھپی ہوئی جاتھیں۔ جنگی جنگی چاندنیاں مین سے بدتر۔ مرزا پور کا
 ہمیں غالیچہ دیکھنے وہبانے کے لائق اور اس کی یہ قدر کہ انکلی لگی اور خاک اڑنی
 شروع ہوئی۔ چبوترے کی چوکیاں جیٹھ میا کھ میں ہوئیں خاک سے گرد آلود

اوپر سے پڑا مینہ بیشم اور سال سب گلکار آتا ہو گیا۔ سامان کا حال یہ کچھ قرینہ ورڈ ہنگ وہ کچھ کہ خدا کی پناہ۔ اگالداں اوندہ ہوا۔ چاری ہکی ہوئی۔ کتھا گرا ہوا۔ چونہ لپا ہوا نوار کے پلنگ مان کی ادوان۔ پائے دورنگے پٹوں میں کان بچہوٹوں پر قینچیاں۔ پلنگوں پر بوتلیں۔ چاندنی پر اسخوے۔ غالیجہ بکٹوے بکس پانی گرا ہوا بکس زنگڑا ہوا۔ کوئڑے لڑکے ہوئے۔ رکابیاں پھنی ہوئی۔ گھر لیا ایک طوفان بدتمیزی تھا لیٹو نصیبت بیٹو تو آفت۔ جہاڑو نہ بہار و صفائی نہ ستھائی ہو کہاں سے اور کرے کون۔ نہ کوئی کرنے والا نہ کہنے والا۔ ماں بیجاری عجیب شکل میں تھی۔ کچھ کرتے دہرتے بن نہ آتی تھی۔ شروع شروع میں تو دو چار دفعہ بیٹے سے کہا گویاں تو چکنا گھر اتھا بوند پڑی اندھیل گئی اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا۔ خدا نہ کرے کہ کسی کے گھر کی ایسی خاک اڑے۔ ہوتے ساتے خدا نے سب کچھ مے رکھا تھا۔ ایک بدتمیزی نے وہ گھر کی مٹی طبعی کی کہ خدا دشمن کی نہ کرے۔ ہوئے فقیروں کا گھر بھی تو اچھا ہوگا۔ خدا معلوم کسی منہوس طبیعت کی رو کی تھی کوئہ کہیں لگہرایا نہ جی اکتایا۔ لحات تو شک سادے اور ریشمین کہنے کو تو مچان چھتے مگر کس کام کے۔ گرمی۔ جاڑا۔ برسات۔ تینوں ہی موسم گزے۔ مگر نکالو دیکھا نہ اتار کر اوڑھا۔ چوہوں نے کاٹ کاٹ کر وہ لٹائے ڈالے کہ نون یا نہ پئے کہ جگہ نہیں۔ رہی صند و قوں کے کپڑے کچھ چٹکے میں گئے۔ رہے سہے کپڑوں نے کہاے اور کیوں کھاتے اکبھی دو برس تیں آئیں اور گئیں۔ مگر دھوپ نہ ملنی تھی اور نہ ملی۔ غرض وہ لے اور اثر نہیوں کی چیزیں کوڑیوں کے مول رہ گئیں۔

غسل خانہ کو جا کر دیکھو کیسی کہلی بین کس کا صابن منہن۔ میلے کپڑوں کا ڈھیر جہت سے باتیں کر رہا ہے۔ وہ کس طرح اوڑھنی گیلی۔ کرتا چوڑا۔ پتھر سیلے۔ پٹر اگیلا۔ مڑی ہوئی لنگھن ٹوٹا ہوا جہانواں۔ بدبو لہی کہ ناک نہ دی جائے۔ موری بند۔ پانی بھرا ہوا۔

باورچیانہ۔ سبحان تیری قدرت۔ دست پناہ پچکا ہوا۔ پھکنی پھٹی ہوئی چھلے

گنتی میں دو بلکہ تین۔ مگر جو پتے وہ بے ڈھنگا۔ ایک کا بازو نہیں تو دوسرے کا کولانا نادر۔ آٹا گنتہ ہار کھا ہے تو مرغیاں بھر بھر جو نہیں کھا رہی ہیں۔ دال کیسی شیشو اور کدو کا دھونا۔ آدھی سے زیادہ تو کبوتروں نے کھائی۔ بچہ بچائی جیسی جس کی سمجھ میں آئی پانی ڈال جو لکے کے حواس کی۔ روٹی پک کر تیار ہوئی تو کوئی کچھ اور کوئی چمڑا۔ ایک کٹرنگ تو دوسری بکڑی سانس میں گھی تو پڑے آدہ پاؤ کے بدلے تین چھٹانک۔ مگر ڈھنگیز ڈھنگیزا۔ نمک ہر۔ ہر چس ہلاہل۔ نیلا نوت بھٹیلے کا شوربا چاول کپے تو کچے پتے۔ برابر کے لکڑے۔

اب ہے برتن اُن کا یہ حال کسی میں نگ کسی میں زنگ بھینوں کی قلعی۔ در تو کبے منجھے کچھڑ میں تیرتے پھرتے ہیں۔ انگٹائی میں قبیلیاں دالان میں تشریاں۔ سوری پہ طبات دلیز میں کٹوسے پانی کی گھڑوچی خدانہ دکھائے۔ شکے میں ہٹلیا کھلی۔ جینی نہ ڈکٹنا جو آیا غوا پے آنجورہ ڈال پانی پی پٹخ پٹخا چلتا ہوا گرمی کے دن اور پانی ادا میں جس گہر میں آج سے دو کس پیسے جو کام تھا وہ ڈھنگ کا اور جوبات تھی وہ سلیفہ کی۔ اسی گھر میں آج ایک بد تمیز لڑکی کی بدولت ہر چیز کو لپی لگی کہ دیکھی نہ سنی۔ ہاتھ میکڑا نہ پاؤں پیکڑا۔ دن بھر اہر اہر اچلتی کو دتی پھرتی اور گھر کی طرف خاک دیمان نہ کرتی بھڑے ہوئے گھی کے کشر آٹا۔ دال گہیوں چاول سب لفتوں کے پیٹ میں جاتے۔ کم بخت اپنی آنکھ سے دیکھتی کہ یہ نہاک حرام ماما میں بھر بھر چمے گھی اند بھر بھر جہولی اماج۔ بلا وجہ بلا ضرورت لارہی اور لیجا رہی ہیں اند خاک منہ سے پھوٹتی۔ مالک کچھ ڈھنگ دیکھ کر نوکر دن نے اپنا گھر بھر آٹو کیا بڑا کیا۔ دھیلے کا دہی اور دیپسے وصول۔ پیسہ کی چیز اور دہ اندام۔ آج کٹو را غائب کل تشری نادر۔ بھرا پرا گھر چار دن میں اُت ہو گیا۔ کپڑے اور برتن اور ہٹنا اور بچھونا سب غارت۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ چچا کو فکیر

لے دال بھونیس احتیاط کا اس میں کنکر وغیرہ نہ رہنا چاہیے لے سکی ہوئی سہ جلی ہوئی
لے پٹلا پانی جس میں بوٹی نام کو نہ ہو ۱۲

کچھ نہ رہا۔ یوں سالن نکالنے کو حیران بیٹھی ہیں۔ ماما دوڑی دوڑی گئی اور پسید والا طرک کا
 چمچ پٹکے والی ڈونٹی لاوا لے کی۔ آدمی کچھ کہو کہ سیکھتا ہی۔ چاہیے کہ اس پر کچھ کان دے۔
 کیا جال کرتے چیتھڑا۔ جوتی لیٹرا۔ بدن پر تار نہیں۔ مگر ایسی بے حیثیت کہ وہ دھیس نہ چھوڑے
 تھے نہ چھوڑے سنجیدہ جو اتفاق سے اس محلہ میں پہنچی۔ وہ بیان آیا کہ لاوا آئی تو ہوں یہاں گئی
 ہوتی چلوں دیکھتی ہر توڑ ہنگامی اور کچھ ہیں۔ ایمان کی بات ہے کہ اگر سنجیدہ عیسیٰ بھی آدمی
 کا بیان نہ ہوتا تو ہم یقین بھی نہ کرتے کہ دنیا میں ایسی ایسی رکیاں بھی موجود ہیں۔ بھوسہ ہڑ۔ بے
 ڈھنگی نکلی۔ کام چور سب ہی طرح کی رکیاں دیکھی بھی اور سخی بھی مگر یہ رنگ دیکھنا نہ سنا۔
 تقدیر میں تو کسی کا زد تھیں۔ بہت سی اللہ کی بندیاں اپنی نکلیں گئی کہ سینکڑوں ہزاروں کا
 سینکے لیکر گئیں اور سب سہرا ل کی نیک لگا۔ سونے جھونے والیاں جن کے قدموں کے
 نیچے ماں باپ آنکھیں پھلتے تھے۔ گہریار کی ہونٹوں تو یہ پتھر پڑے کہ عمر بھر پا پڑیے ملائیں
 اور پائیوں سے پیٹ پالا۔ روزا تو ان بد نصیبوں کا چہ نہیں نہانے سب کچھ دیا۔ مگر آپاں اس
 اٹھی مت کے ہاتھوں ہتھڑی تھڑی ہوئی کہ ساری دنیا میں جوتیاں پڑیں۔ اس خدیب
 کو کس چیز کی کمی تھی معقول آمدنی بھرا گھر ماما کی جگہ ماما کو کر کے جگہ لو کر گم بخت نے سب
 چیزیں خالص لگا دیں غضب خدا کا ڈھائی نہ تانبے کا برتن جا کر جوئی جینی کی قشر پائیں
 مٹی کے پیالے ہاتھوں میں آگئے۔ ماما میں نکام حرام اپنے مطلب کی آشتا۔ غرض کی دست
 خوب سرسہلایا اور بھیجا کھایا۔ وہی بنی کی اس جس کا بیگم بگم کہتے کہ منہ خشک ہوتا تھا
 دو دو تین تین دن غائب ہتی۔ بنی کے سو گڑی کا ایک نہیں۔ اس مالالو پر تو جو کچھ
 بھی پڑتی درست اور سجا ستی۔ ہمیں تو اس دس بچاری بڑی بی کا ہے۔ بڑھاپے میں کیسی بنی
 پمید ہوئی۔ ماما گئی میٹھ۔ بیٹی کو چوٹے پاس جانا قسم۔ آنا گوند ہنا کیسا۔ سوندہ ساندہ
 تندور پر بچھو یا۔ نیلا شو پا پانی تیل سے بگہرا۔ چربی میں پکتا۔ جلے ہوئے موٹے
 موٹے تندور کے ٹکڑے۔ دانت سے چہیں نہ حلق سے اتریں۔ پھر مانا کر پیٹ

میں ڈال لیتیں۔ چور کی ماں گھٹنوں میں سر پڑے اور روئے کس سے کہتیں اور کیا کہتیں جو
 آئی وہ بگیتی جی پڑی وہ اٹھائی۔ سنجیدہ تو یہ رنگ دیکھ کر ڈنک ہو گئی۔ لڑکی کو دیکھتی ہی تو
 سر جھار منہ پہاڑ اٹھاتا اٹھاتا۔ سلام نہ آداب شیر کی نظر بیٹھی گھور رہی ہی آگے بڑھی
 تو جو چہیز ہے نور، علم نور، جد ہر گئی تعجب اور جہاں یکھا افسوس۔ چاروں طرف
 اٹکیں بھاڑ بھاڑ کر دیکھا۔ خدا خد کر کے بچاری بڑی بی دکھائی دیں بیٹھنے کی کھنگلی جیسے چوک کا
 بازار صورت جیسے برسوں کا بیمار تو شک ہو تو الٹی نہ سیدھی۔ کھات ہو تو روئی کے بوٹے باہر
 قزاقوں کا تھک۔ برسوں کی رضائی۔ پرانی کمری۔ میلہ کہہ چکی پڑی اللہ اللہ کر ہی ہیں۔ سنجیدہ
 تصویر دیکھتے ہی بے اختیار ہونگئی اور دڑ کر گلے جا بیٹھی۔ پوچھتا تھا کہ بڑی بی کا دل بھرا یا۔
 برسوں کا جامہ امواد۔ نشتر کی دیر تھی۔ لڑکی کا نام آتے ہی آگس بھوٹ بھوٹ کر روئے بچوں
 تو رام کہانی سنائی۔ سنجیدہ کا بس چلتا تو وہ اس کو کچا ہی کھا جاتی مگر سمجھدار
 عورت۔ سوچا کہ زبان وہ لڑکی کیوں درمی میں پھرد لاجو چہنٹیں آڑیں۔ پرانے
 خگون کے واسطے اپنی ناک کٹائی کس خدا نے بتائی۔ پیاس لگی پانی مانگا۔ اما تو پ
 ہو گئی۔ مگر ہیلموں میں سے ایک لڑکی سات آٹھ برس کی ڈھینگری ننکے اسرتکے
 پاؤں ناک بہہ ہی تھی ہاتھ کپکپاتا پانی پلانے اٹھی گھر دینچی کے نیچے آنجور لڑکا پڑا تھا
 جہٹ اٹھا غریبے ڈال پانی بھرے آئی۔ بی سنجیدہ دیکھتی ہیں تو گرہ کا منکا میل کھیل
 مانگنے کو تو پانی مانگا لیا۔ مگر پانی بوسا پ کی چھوڑ رہا ہو گیا۔ نہ اٹکے چین نہ اٹکے گلاس
 نہ کنویرا نہ آنجور اپنی میں تو کراہیت۔ نہیں جہیں تو شرمندگی۔ اٹھی آنجورالے
 باہر آئی اور ہاتھ دھو پاس آئی۔ جی تو یہی چاہتا تھا کہ ماں کے منہ درمنہ ایسا ٹھیک
 بناؤں جو پہلی مائیں ہو تو چلو بھربائی میں ڈوب مرے۔ مگر پھر سوچا کہ کیوں اندھا نہ ہوتا
 اور کیوں دہلا سٹے۔ پیاس لڑکی لگے ہی تھی۔ تھوڑی اور مٹیہ رخصت ہوئی۔ مگر
 پلٹے وقت آتا کہ گئی اُستانی ہی آنے کو کہہ رہی تھیں دو آئیں انشا اللہ میں لکے ساتھ پھر

اُدوں گی۔ گھر آئی۔ پانی پیا اور اُستانی جی سے سارا حال کہا۔ پیاس کا ذکر سُن کر تو ایک اُستانی جی اور ان کے ساتھ کئی اور بچے پیٹ پیٹ کر بٹہ سے کھجوریں لے کر آئے۔ سب بچے لگی اُستانی توجیب جانوں جب اس لڑکی کو تھیک کر دیکھتے تھے گھر کا گھر داکر رکھا ہے۔ خدا کی قسم بوا اس نے تو سب کے کان کاٹے۔ خبر نہیں کس تماش کی لڑکی ہے میرا تو اوپر کا سانس دپر۔ بچے کا نیچہ رہ گیا۔ اتنا بڑا حملہ اُستانی چھپیں میں آبیوں کا کنڈا لڑکی کو کر جاتا تھا۔ جی نہیں جہاں کہنی نے قدم رکھا اور لڑکی نے ٹانگ لی۔ اسفند یا رضاں سگے ماموں اور ایسے الگ تھلک جیسے بالکل غیر میں تو کہتی ہوں خدا اس کا پردہ ڈھانک لے۔ یہ رسوائی تو نہ ہوگی۔ کسی طرح ماں بچا رہی اس مصیبت سے چھٹکارا پائے ایک مچالیر بچا جس روپے فقط کرایہ کی آمدنی۔ بچن الگ ہے۔ جہاں بیٹھ جائیں گی لالوں کی لال۔ اسی مردار کی بٹری پاؤں میں ہے جو نہ کہیں جاسکتی ہیں نہ آسکتی ہیں۔ دُکھ باریاں کیا ہوتی نہیں۔ ان کو تو اسی صدمہ نے بٹھا دیا۔ اسلم سے نسبت ہوئی تھی مگر بوا کس کے سر پر لتنے وال تھے۔ دیوار بچ گھر رقی رقی اقل تل باتوں کی خبر پہنچتی تھی۔ کانوں پر ملتے دہر صاف لگ ہو گئے۔ مجھے تو امید تھیں کہ یہ لڑکی رستے پر آئے اُستانی جی یہ حال سُن کر تھوڑی دیر تو سناٹے میں ہ گئیں۔ پھر کہنے لگیں اے میرا دل تو اس لئے کو آپ ہی چاہ رہا ہے۔ اب تو وقت نہیں رہا۔ زندہ رہی تو انشاء اللہ کل صبح جی چلیں گی۔ دوسرے دن صبح ہی اُستانی جی اور سنجیدہ چلنے کو تیار ہوئیں تو سیمہ نے بھی خوش ظاہر کی۔ چھو بھی کا منشا تو تھا انہیں مگر اُستانی جی نے کہا کیا ہرج ہے۔ گہڑی بھر تو بیٹھنا ہی ہے ساتھ جائیگی ساتھ آئیگی۔ بیلچہ۔ تینوں ڈولیاں آگے پیچھے روانہ ہوئیں۔ ایدم بھر میں ہاں جا پہنچیں۔ پہلے اُستانی جی اتریں اور ڈیوڑھی کپڑی کی کپڑی لگیں۔ سنجیدہ اتری سیمہ آئی۔ تینوں آگے بڑھیں۔ پہلا اُستانی جی کو تاپ کہاں ہے تو جیب سے ڈکری سنا تھا۔ خون کے سے گھونٹ پی رہی تھیں۔ بڑی بی سے گلے تول لیں اور پھر تو وہ آئیں تو جائیں کہاں کیشمی صلاّح اور کس کا مزاج۔ لڑکی سے کہنے لگیں۔ دہن بھاگ اُن

ماؤں کے جن کے ہاں ایسی ناشدنی بیٹیاں پیدا ہوں اس سرے سے اس سرے تک
 سائے گھر کو آگ لگا دی ہوئے چاروں حلا بخوروں کا گھر بھی تو اچھا ہو گا۔ یہ تو نہ ہو گا کہ
 کہتے ہی جی تلمائے غضب خدا کا یہ پانی پینے کا آنجور اور غوطہ غوطہ میں چڑے
 مرغی کے ٹپے پر پڑا ہے۔ انوکھے جانور تھکے ہی یہاں نہیں پلے دنیا پالتی ہی مگر یہ اندھیر
 کہیں نہیں دیکھا کہ چاروں طرف مرغیاں منڈالتیں پھریں اور برتن تر بتر گھر کیا کھڑے
 کی دکان یا کٹاریوں کا اڈا ہو کر کٹی اور پولیاں گاجریں اور مولیاں۔ دنیا بھر کے آخور گھر کے
 اندر یہ جانہنی ہے جس پر پاؤں رکھنے کو جی نہ چاہے۔ لوج ایلبے ٹی ہنگا کارخانہ خود
 گھر ڈنچی کی تصویرت دیکھو یہ موٹا گھبراہٹ یا رنگ نر کی راجن گول۔ اور لوطباق دیکھنا کچھ
 میں کھڑا ہے اسے ہے دس بجے کو ہیں اور اتناک بچھوئے اٹھنے نصیب نہیں ہوئے وہ
 ہیں بھی تو زلیفت اور کم خواب کے۔ ہو دیکھے وہ خوش ہو جائے ابھی تو یہ۔ خدا ایسی
 بھو ہڑ لڑکی کی صورت نہ دیکھئے۔ جی عورت ہر یا پھر آدمی ہر یا جانور زرا اپنا ہڑا تو دیکھ
 فقیر نیوں کا سا حال نوڈیوں کی سی گت اور تو اور موئے چھٹکے کی بھی کوئی ہستی ہے نہ ہنگے
 لڑکے کا بے ڈھنگا کام۔ اچھی بوا سجدہ نہیں خدا کی قسم الٹا لٹکا ہوا ہے کیوں بیڑا
 جواب تو ہے یہ اس المان میں بوڑیاں بنانی ہیں یا جلیبیاں تلی ہیں کہ کھپوں کی بھنگا
 نے ناک میں دم کر دیا۔ کھانا کھا کرات کو دسترخوان بھی تو اٹھانا نصیب نہیں ہوا وٹوٹا
 ٹکڑے جہاں تہاں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ گھر ہے یا پھیا خانہ میرے تو ہوش اڑے
 جاتے ہیں۔ ماشاء اللہ سب صفتیں موجود ہیں۔ کمرے میں اپنے سبحان اللہ بیٹی ہاتھوں
 میں دم نہیں تو چار پائی پر سونا کیا ضرور۔ یہ جھٹکے ہیں یا ٹرن کٹوے میل تو ایک ایک چیر کو
 دیکھ کر جی اٹھ رہا ہے۔ اور تو اور بداندھیر بھی دیکھا ہے کہ کو ملا خط کیے ایک کلیا تانبے
 کی ایک مٹی کی۔ غریبی نہیں نبوت نہیں۔ نہ ہو تو سیر جائے۔ ہر زندگی نے اپنے گنوسٹ گھر کا
 گھر کر دیا اور سری کی ہوتی تو شکل نہ دکھاتی ہی کو تکتے۔ راموں مانی نے جو تری اندھانی وسیع

بھی ہے نیکی میں یہ آفت ڈبا رکھی ہو تو سسرل جا کر کیا آگ لگانے کی ہنسی نہیں نادان نہیں۔ اسے چھوٹی چھوٹی رکیاں گھر سنبھالتی ہیں کہ آدمی دیکھتا رہے بیٹی کے ڈبنگ سوئی تو ہنس نہیں کہ چھپ جائیں نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں کس کی شامت آئی ہو کہ جیتی کھتی نکلے گا کیوں بوجھوٹ تو نہیں کہتی۔ آخر ہمارے گھٹنے سے لگی کب تک بیٹھے گی۔ بادشاہ وزیر کی نہیں بیٹھیں یہ تو کس گنتی میں ہو۔ آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں یہ وقت تو آنا ہی ہے سسرل والوں کی جوتی کو کیا غرض پڑی ہو جو گھر کا ناس کرا لیں گے آپا جات آپ کو تو حالہ بستی کی ہو یا دہوگی ان ہی کی بہن تھی یا کچھ اور۔ ساس غریب کو خبر بھی نہیں اور بہو نے ایک ایک کر کے نو جوڑے عارت کر دیے۔ روپوں کا مصالحہ کوڑیوں کے مول بیچ ڈالا۔ وہ تو خدا کو بروا کرنا تھا کہ گھر پر آبا زری کوٹے ڈالا۔ لڑکی نے ادبیری پا جامہ پر سے چمپا لگا لیکر اُدھر سے آ رہے تھے سسرے بیوی سے آکر پوچھتے ہیں تو ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ ماما سے ملا کر پوچھا۔ لگی اور ہر ادھر کی باتیں بنانے۔ خال کو آیا غصہ جوتی لیکر کھڑی ہو گئیں۔ پہلے تو بہت دڑ بڑائی مگر چارہ ہی کیا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر سارا حال کہہ دیا۔ اب تو بی خالہ کا سانس اوپر کا اور پرور نیچے کا نیچے آکر دیکھیں تو جو سختی کا جوڑہ کا رچوب ٹکا کا مہینہ ڈیڑھ مہینہ کا پہنا ایز بیج کی بلیں غائب۔ کوڑوں کے ترنچ نہ اور۔ بہتیرا چھین نہیں مگر ہوتا کیا تھا۔ بہو سختی زبان کی چٹوری سب ہی کچھ کر ڈالا مگر بھلا چھین کی عادتیں یوں جاتی تھیں۔ دس دس بارہ بارہ تلفیاں ایک سانس میں چٹ کر جاتی۔ ہار جھک مار میکے پٹھوایا۔ اب دیکھ لو اٹھتے جوتی بیٹھے لات کیا اُرد ہو گئی ہے۔ ان کا کیا بلکہ تھا ایک دفعہ بیج پلٹ کر خبر نہ لی کہ بہو تھی یا گھر کا کوڑا۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ لپکا ہو میرے توجہ دیکھو اوسان چارہ ہو۔ میں تو کہتی ہوں ایسی لڑکی شاید بہرہ برہم ہو گئی نہیں

(۲۱)

بیٹوں کے کام یہ ہیں صبح اٹھ کر وضو کیا نماز پڑھی۔ قرآن پڑھا۔ ماما میسر ہوئی تو اس سے نہیں تو آپ بچھونے تہہ کئے اندر کو کھڑی میں لیجا کر رکھے۔ چارپائیاں اٹھا کر کونے میں

ہڑی کیں۔ رات کی پہلی ہوئی چیزیں سمیٹ کر قریب سے کہیں۔ جھاڑو دی یا دیوانی صحن
 ں پتھر کا فرش ہر تو آپ کہڑے ہو کر دلوایا۔ دالان کمرے میں جھاڑو دہارو دل چکی تو دی
 اندنی قس لین جو بچھا ہے اس کا ٹھیک ٹھاک کیا کر جھاڑو دی تو ایسی کہ جھاڑو معلوم
 وہ نہیں کہ پنجے مار دیئے پھوٹ کر جھاڑو سکھر کا لپسا۔ جس چیز کے واسطے جو جگہ
 غرہ ہے وہ اس جگہ رکھ دی تاکہ ڈھونڈ بنے میں دقت نہ ہو غرض مٹی کا صب سے پہلا کام
 ہے کہ گھر چند دن بن جائے۔ کیا اندر کا بچھو تا اور کیا باہر کی انگنائی ایسی صاف ستھری ہو کہ
 یک سوئی بھی گر پڑے تو الگ کہانی دے جن چیزوں کو دالان اور کمرے سے کوئی دھسل
 میں ہے وہ ہرگز وہاں نہ آنے پائیں۔ میز کرسی۔ عتدہ دتھے اور امار باغ و تلوں دقت
 باڑن سے جھاڑو دینی چاہیئے۔ بعض لوگوں میں یہ عیب بکھا گیا ہے کہ اگر کوئی چیز ٹیڑھی
 رنگی ہے تو بلا سے کچھ پرواہ نہیں کریں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں بعض مزاج ایسے بھی ہیں
 بچھونے میں سلوٹ بھی دیکھ لیں تو جی اٹھنے لگتا ہے اگر ان کو کوئی چیز ٹیڑھی تر چھی کہانی
 سے جائے تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے اگر دیواروں پر تصویریں نقشے یا قطعے
 غیرہ ہوں تو ان کو درمزدہ جھاڑنے پونچھنے کے علاوہ یہ بھی احتیاط ضروری ہے کہ ذرہ بھر کچی
 ہو پکڑے لٹکانے کے واسطے اول تو کہو ٹیاں اور نہیں تو خیر لگنی نہایت مناسب ہے پکڑ
 نہ اسی پر لٹکانے چاہئیں یہ نہیں کہ اجلی براق اور مہنی جہاں جی چاہا اتار بھینکی اور چارون
 س میلی چکٹ ہو گئی ایک جلاصاف شفاف تولیہ ایک طرف ضرور لٹکا ہونا چاہیئے تاکہ
 رورت کے دقت ہاتھ منہ پونچھنے میں تکلیف نہ ہو۔ تولیے کے سوا کسی اور کپڑے اور مہنی
 ، انچل یا کرتہ کے دامن سے ہاتھ منہ پونچھنا بڑی بدتمیزی کی بات ہے۔ دیوار پر کسی قسم کا
 انع دھبہ کوئلے کی لکیریں پان کی پیک غیر نہایت پہوٹن ہے۔ پان کھانے والے کو
 زہم کہ کم سے کم ایک اگالہ ان اگر میز کرسی ہو تو میز کے قریب در نہ گاؤ تیکہ کے پاس
 بکونے میں ضرور رکھ دیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی چیز جس کی ضرورت نہ ہو کرے یا

دالان میں آنی چاہیے۔ کوٹھری کے آگے پلنگ بچھا تاہی تکلیف دہ ہے۔ اگر جمہوری ہو تو یہ مسئلہ ہو گا کہ رات کو بچھا لیا جائے۔ مگر صبح کو اٹھا دینا چاہیے۔ کیونکہ کوٹھری میں جانے کے واسطے بار بار پلنگ پر چڑھنا تکلیف کے علاوہ پلنگ کو بھی جھولا کر دے گا۔ ایک لڑکی کا ذکر ملتا ہے کہ صبح ہی اٹھ کر منہ ماتھ دھو اچھے اچھے کپڑے پہن ماں سے پوچھتی ماں میں کسی معلوم ہوتی ہوئی ماں منہ ہستی اور کہتی بہت ہی بُری۔ ایک لڑکی نے اپنا تکلف چھوڑ گھر بھر میں جھاڑو دی اور سب چیزوں کا ٹھیک ٹھاک کیا۔ پھر اسی طرح خاک میں بھری بھرائی میں سے کھیلے کپڑے ماں سے کہتے لگی۔ اچھا اب کسی معلوم ہوتی ہوں۔ ماں نے کہا بہت اچھی۔ وہ منہ سنی ہو گی۔

"گھر کی بیوی کو تسہل کہتی۔ گھر کتوں جو گا۔ بیٹی سیانی ہوتی تو گھر کے تمام کام کاج کی وہ ذمہ دار ہے۔ اگر کسی گھر کی خراب حالت دیکھو اور یہ بھی دیکھو کہ وہاں ہشیا لڑکی موجود ہے تو یقین کر لو بہت ہی بد سلیقہ اور بے ذہن لڑکی ہے۔ بعض لڑکیوں میں یہ عیب دیکھا گیا ہے بان کھایا نہ کھایا سمجھنے کی ضرورت ہوئی۔ فرش پر بیٹھی ہیں۔ درے کا کونہ اٹھایا سمجھ گیا۔ ناک سنبھل دوار سے پونچھ دی۔ اس سے زیادہ بد تمیزی اور کیا ہو گی۔ لڑکیوں کو ہر وقت ایک مال اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ مرزا پور میں ایک صاحبزادی کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بہت سی بیویاں محفل میں بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں اور اس کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا۔ دانت کرید کرید کر دیکھتی جاتی تھی۔ کسی کے سامنے خلخال کرنا خاصی اچھی مالالقی ہے بہت سے آدمیوں کو گھن آتی ہے۔ گویا حاکی وجہ سے کچھ نہ کہیں گردل میں تو ضرور بد تمیز سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی لڑکی میں ایک دوسری صفت دیکھی۔ پہلے تو یہ کیفیت کہ تنکا مسوڑھوں میں ڈال کر نکالتی اور دیکھتی۔ دیواروں سے پونچھتی ہونٹوں سے چوستی کبھی میز پوش سے رگڑ دیا کبھی دری میں ملایا۔ دوسری تعریف یہ کہ ہم سب تو باتیں کر رہے تھے اور اسکو جو خل فل منہ سوچی تو ایک ایک کی صورت دیکھ رہی ہے اور لوٹے جا رہی ہے۔ اسکا اس ہونٹوں سے ہنستا بہت ہی ناگوار معلوم ہوا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایک بیوی ہنس لگی تھیں وہ پچھاری تو بس

یہی ہمیں کہہ پتھر ہی ہر بہتیرا منع کیا سمجھایا گھر کا مگر اس کی ہنسی ہی بند نہ ہوئی کسی محفل میں اگر شریک ہوتے کا اتفاق ہو یا اجنبی آدمیوں سے ملو تو بلا وجہ ہنسا اور قہقہے لگنا ناہت ہی بڑی بات ہر پاں تو میں کہہ رہی تھی کہ گھرا یا بنا سنورا۔ دیواریں ایسی صاف سنہری چاہئیں کہ دیکھنے والے کا دل خوش ہو جائے۔ یاد رکھو کہ ٹائٹلے والی عورتیں ایک نگاہ میں بھاپ لیتی ہیں۔ گھر کی حالت دیکھ کر گھر والی کے سلیقہ کا پتہ لگا نا کچھ بڑی بات نہیں اپنی تو میں کہتی ہوں بھوک لپی کر ایسے گھر میں چھوڑ دو جہاں کبھی نہ لگتی ہوں۔ ایک نظر ڈالو گھر والی کا سارا رنگ نہ تنگ نہ تہا دون تو سہی۔ موٹی سی بات ہر جس کے مزاج میں آپ ہی ستر لٹی نہ ہوگی نہ گھر کو کیا بنا میگا بیوی جب کو اپتہ ہی میں تنگ آیا تو سسرال میں جا کر کیا خاک آئینکا غریبی ہو یا امیری کوئی سینکڑوں ہزاروں کا کام نہیں۔ گھر کا ایک والان یا کمرہ ٹھیک کر کے انتظام کر لینا کچھ بڑی بات نہیں کہ بچے اور سرنہ جاسکیں۔ اتنا ہو جانے کے بعد انگنائی سب سے پہلے غور کرنے کے قابل ہے۔ کوڑا کرکٹ چھلکے دوڑنے کو فی چیز نہ ہونی چاہیے نہ یہ کہ دن بھر پتنگ چار پائیاں ہو پ میں پڑی ہیں نبض جگہ دیکھا ہے کہ جھاڑو دیکر کوڑے کا ڈھیر کسی کونے میں لگنا دیا منسا سب یہ ہے کہ دروازے کے باہر ڈال دیا حلا بخوری سے آتے ہی اندر اگر باہر پھینکو او تو ذرا فاصلہ پر یہ نہ کہ دروازہ پر ڈالو لگا ہوا ہے۔ اندر گھر کے رہنے والوں کو معلوم نہیں ہوتا مگر باہر کے آنے جانے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ بھی دیکھا ہے کہ دن بھر پڑوائے انگنائی میں پڑے رہے۔ اگر رات کو پتنگ یا چار پائیوں کے نیچے پڑوائے لگانے کی ضرورت ہو تو صبح ہی اُنکو اٹھا لینا چاہیے۔ ایک جگہ کا ذکر کرتے ہوئے تو دیکھے گھرے ہوتے ہیں۔ سیپاے کے ورق سائے گھر میں مائے مائے پھر ہے تھے تیکہ نہ صل لوگ اوپر چڑھے بیٹھے ہیں اور سیپارہ نیچے چٹا پڑا ہے غضب خدا کا مسلمانوں کا گھر اگر کلام اللہ کی بہ عزت جس چیز پر ایمان کا دار و مدار ہے پاؤں میں لٹی پھر رہی ہے دیا یا کتوں میں ڈال دیا ہو کھوں میں کہہ دو خالہ کی یہاں تک ذکر ہے۔

میں مٹی تھی امد ماما الحمد کا ورق جھاڑ دیں پچلی۔ گھر میں ماشا اللہ اتنی لڑکیاں بایں اور بڑی بڑیاں مگر بھڑپیں اُنکی آنکھیں جو کسی نے بھی دیکھا ہو۔ میں نے ٹوکا تو چاہیے کہ بی خالہ سب کاموں کو چھوڑ چھاڑ سر سے لگاتیں آنکھوں پر رتھیں تو یہ پردہ بھی نہ کی۔ ماما سے آنا کہدیا کہ دیوار میں اڑسے تم انجانوں کے لئے کہتی ہو اسی من میرا تھا کھٹکا تھا کہ نور اخیر کرے: دین دفن ان کے ہاں ہی پھر متی دیکھی۔ آخر خدا کے کلام کا ایسا صبر پڑا کہ وہی بھرا ہوا گھر جس میں بڑے اور چھوٹے بچے اور کچے آدھی رات تک کچر ہاں سی لکھی۔ مٹی پھیں ایک چہرہ پیٹنے میں کیسا تباہ ہوا کہ اکیلی ٹٹروں ٹوں مٹی کھیاں مار رہی ہیں۔ خدا لاکھٹی لیکر تو مارتا نہیں کسی پر باد ہوئیں کہ کھٹکا تھانے رہا۔ مال اور جان سب ہی کچھ کہو مٹی ہیں۔

ایک اور عیب میں نے لڑکیوں میں دیکھا جو ظاہر میں تو کچھ ایسا برا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر غور سے دیکھو تو بہت ہی تکلف دینے والا ہے ضرورت کے وقت چیز کہیں اٹھالی اپنا کام کر کر اچھاں جی چاہا پھینک دی۔ ایک دفعہ تو مجھی پر یہ مصیبت گرو چکی ہے برسات کے دنوں میں جہاز جلا کر میں نے اپنے ہاتھ سے دیا سلانی کا بکس دیوار گیر پر پرکھ دیا۔ قمار کے بعد مولوی صاحب کھانا کھانے لائے۔ میں سلیم کو سلا رہی تھی۔ خدیجہ کھانا دے اٹھی۔ چاندلوں کو دیکھتی ہی تو ٹھنڈے برت۔ چوٹے کو دیکھتی ہی تو آگ نہ بھاپ۔ بکس لڑکر آگ سلگائی اور اس جلدی میں بکس میں پھینک پھانک بھول گئی۔ پچھلے پہرے میں نہ آیا۔ بیتراسر پٹھا بکس ہو تو رہے۔ کو نہ کو نہ دیکھ ڈالا مگر بکس ملتا تھا اور نہ ملا۔ اندر میرا گھبٹ چیزیں پکھائی دیں اندر پہنچائیں۔ کیرٹے پتنگے کا کھٹکا۔ سانپ کچھ کا ڈرا وہ پر سے دھو تال میں نہ۔ ماچہ کا ماچہ نواڑی پٹنگ اٹھا کر چار ہی تھی۔ بیچ میں تھا کھانچہ ٹھوکر لوگی تو میں نیچے اور پٹنگ اوپر۔ رات تو خیر اس اندھیرے ہی میں جوں توں گزر گئی صبح اٹھ کر جو دیکھتی ہوں تو نیا چکن کا تھان شام ہی کا آیا ہوا۔ گیلٹا چوڑا رکھا ہے۔ ایک بی خدیجہ کی اتنی

سی بے پروائی سے کہ جس جہاں سے اٹھایا تھا وہاں نہ رکھا۔ تکلیف کی تکلیف ہوئی نقصان کا نقصان۔ جی جلا سوجھ ا۔ ایمان ہر تو سب کچھ ہے اتنا قصور و عجز بھی ضرور ہے کہ سر پر ہار گھٹا چھائی ہوئی ہے اور سب چیزیں چھوڑ چھاڑ کر ڈھیر ہو گئی۔ جس نے تو اس دن سے گرد باندھ لی۔ چاہت اپنی چیز ہو یا پرانی۔ جہاں سے اٹھانا وہیں کہنا۔ اور ہر چیز کے واسطے ایک بلکہ مقرر کردہ کی پھر کبھی ایسی وقت نہ ہو۔

اوڑھنا بچھونا جہاں وہاں رو چیز بہت ان چیزوں سے فرمت پا کر اب غسل نہ کرنا باور چھانے کا خیال کرو غسل نہ خانے میں سب سے پہلی بات تو پانی کی احتیاط ہے کہ باہر جا کر کھانا راستہ صاف ہو۔ موری اٹی ہوئی نہ ہو۔ دانت صاف کرنے کے واسطے منجن منہ دھونے کے لئے صابن یا کھلی۔ ا۔ جلا تولیہ۔ ثابت لنگھی۔ ٹھنڈا پانی۔ ایک تلی دار لوٹا۔ ہر وقت موجود رہنا چاہیے۔ نہانے کے واسطے گرم پانی بہت مفید ہے۔ مگر ٹھنڈا پانی سمونے کے واسطے تیار رہنا چاہیے۔ یہ وقت تو نہ ہوگی کہ کپڑے اتار لینے اب یا بیٹھے ماما کا انتظار کرو یا آپ جا کر پانی لاؤ۔ نہا چکنے کے بعد فوراً نہانے۔ تولیہ یا اور کسی کپڑے سے بدن پونچھ لینا چاہیے۔ طرح طرح کا تیل ڈالنے سے۔ آج دھوئی تلی کل جنسیلی۔ پرسولہ، انگریزی۔ سر چکٹ جاتا ہے۔ جاڑوں میں جنسیلی کا تیل ڈال کر دھوپ میں بیٹھنے سے فوراً سر چکٹا ہے۔ اگر عادت نہ ہو تو صابن کے دھونے سے بھی۔ نہاتے ہی تیل ڈال کر سر گوندھ لینے سے بھی سر چکٹا ہے۔ چکنے ہوئے سر کو دھوئے بہت مفید ہیں۔ آنولے اور گوند سے بھی نکھر جاتا ہے۔ بال بڑھانے کے واسطے ہر نسخہ اکسیر ہے رات کو ماش کی وال دھو کر بھگو دوا در صبح تھوڑے سے سری کے پتے ڈال کر میں لوازہ سر نہرہ لو۔ چالیس دن اس طرح کر کے نیکو بال کہاں کہاں پہنچے ہیں یہ جو کا سبیل ہوتی ہے زرد زرد و درختوں پر پڑی ہوئی راس سے سر نہرہ بھی بالوں کو بہت بڑھاتا ہے۔ بالوں کا نیکو کرنا تو ایک بات اہم یعنی پڑی۔ جس نے اپنے ہی شہر اور اپنے ہی محلہ بلکہ یوں سمجھو اپنے ہی گروں میں بچہ ہاں کہ بعض لڑکیاں نہ بھر کہی کی طرح پان چھاتی ہیں اور دانت

سرخ بیر ہوٹی ہو جاتے ہیں۔ بات کرنے میں ہنسنے میں۔ بولنے میں کھانے میں لال لال انت
 بالکل ہی نہر معلوم ہوتے ہیں کیسی بید تیزی کی بات ہر لحاظ لائقۃ الالبانہ۔ پھر طرہ یہ کہ
 پان کا شوق تو اتنا اور دانت نہ ماخمس نون۔ برابر پیچہ کربات کریں تو منہ سے وہ بولائے
 کہ الہی تیری پناہ۔ چاہیے یہ کہ چاہے پان کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ مگر صبح اٹھ کر جہاں منہ ہاتھ وہو
 وہاں انت بھی ماخمو یہ بھی کوئی منہ نہ ہونے میں نہ ہنا ہو کہ دو چھپکے مارا کھ کھڑے ہوئے
 لو صاحب منہ دل گیا۔ سخن اگر انگریزی بنانا یا موجود ہو تو خیر در نہ خود طیارہ کر لینا چاہیے۔ یہ
 جو سالن میں گودے کی ہڈی ہوتی ہے۔ اس میں کالی مرچیں بھر کر جلاو بل جائے تو الگ بہ کہہ لو۔
 اب ایک نیم کی ہٹنی لیکو اس کی پٹیاں تو پچ کر پھینک دو اور اس لکڑی کو آگ میں جلا کر کوئلہ
 کر لو۔ ان کو ٹکوں کو اس جلی ہوئی ہڈی کے ساتھ ملا کر میں لو۔ سخن ہو گیا۔ دانت
 ایسے مٹا ہوں جیسے چینی۔ بلکہ مرچوں سے تمام بادی بھی چھٹ جائیگی۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ جو کوئلہ ہاتھ
 آگیا اس دانت با کھ لئے لبض دفعہ ایسا کوئلہ پوتا ہو کہ مسوڑوں میں رد ہو جاتا ہے جس کی خبر نہ ہو جاتی
 یہ بادر چھانہ دیکھ کر تو یہوی اللہ جانے میرے ہوش اڑے جاتے ہیں۔ بادر چھانہ ہے
 یا چند خانہ۔ ایک دفعہ ماموں جان کے کوٹھے پر سے دیکھا تھا۔ عین میں وہی نقشہ معلوم
 ہو رہا ہے۔ چاروں طرف چیزیں ترتر پھیلی ہوئی ہیں۔ ترتر بھاٹا۔ پٹری۔ پیڑا۔ چکی جو لپا
 سب ہی چیزیں ٹھسی ہوئی ہیں اند تو اور کیا کہ اور کھانچوں کو بھی یہی جگہ رہ گئی تھی ذرا
 دیکھو تو ہسی قیلیاں پکی طشتریاں ٹوٹی۔ کوئلہ سے میں دراز تو سے میں چہید چاری سمجھ
 میں تو کچھ بھید آتا نہیں۔ بیٹی یہ صراحی میں چنے کی دال؟ یوں کہو سب چیزوں کی
 پال ڈال کھی ہے۔ بے پندی کی گھڑیا۔ بے ٹونٹی کا ٹوٹا۔ بے گلے کی پیلی۔ اللہ رکھے
 سب ہی کچھ موجود ہے۔ یہ چوٹے کن قرون کے ہیں۔ پلے نہ پتے۔ ثابت نہ ٹھیک۔ بھٹیائے
 کا تندہ بھی اچھا ہو گا۔ زینب بیجاری اگر سچ پوچھو تو گلے کی مرفورہ ہے۔ صدریاں کرنی اور
 بھڑنا۔ الٹے نہیں۔ تلے نہیں۔ آگئی تو روزی نہیں تو روزہ۔ کل صبح کو میں جا کھی بیٹی دلی پکار رہی

ڈھنگ کا چولہا۔ لپا پتا۔ قرینے کے برتن۔ دُہلے دہلائے۔ یہ اندھیر پھوڑی پر عزت والوں کا گھر روپیہ کی جگہ روپیہ۔ پیسہ کی جگہ پیسہ درجہ گت کہ ویسے نہ سنی بکڑا بی میں اُپے کر چھ میں کرسیاں۔ بے ڈھنگی کی حد۔ بے تمیزی کی انتہا۔ ماما آزا دی ہوئی برباد۔ روکت لوگ۔ کہنا نہ سننا چلو جھٹی ہوئی۔ ماما یہ کچھ بیوی نہ کچھ۔ بڑی بی بی بچاری اس قابل نہیں کرے کس کی جوتی۔ سننے کس کا صدقہ۔ ماشاء اللہ راتنی آمدنی اور غضب خدا کا مٹی کی برتنی۔ نین کا نام لیٹ۔ بیٹی۔ عہد کی عزت اس کا سلیقہ پر۔ ہنر نہیں تو لالکھا کاکھ خاک کھ بھر کا کام ہے ماما نہیں تو آپ ہی دوا یک ہاتھ چوٹے پر پہر لو۔ یہ بھنگا رتوںہ ریگی۔ کوئی بڑی بات نہیں کھانے سے فراغت پائی اور اپنے سامنے سامنے برتن دلو انجھو اچو کی پر یا کو بھر میں کانس پر یا کو کوری میں قرینے سے رکھو اسیے۔ بس اتنا کام تو لو سنگھڑا ہو گیا۔ برتن کے برتن ٹھیک ہو گئے کام کا کام نیکیا بھند میں ایک قدر قلعی کو دالی۔ اچلے کے اچلے صاف کے صاف۔ اُپے یا لکڑیاں اندازہ سے ضرورت کے موافق نکالیں۔ جو پھیں رکھیں۔ بادچی خانہ نعمت خانہ ہے ایندھن خانہ نہیں۔ رکھی کھپا۔ چکنی دست پناہ۔ کام ہو چکا کو نہ میں کھدیا۔ پھر دیکھو کیسا صاف بادچی خانہ ہوتا ہے۔ جہاں جہاز رولی اور چندن ہوا۔ ہاں اتنی احتیاط ضرور چاہیے کہ کچر ہنو دہولن وغیرہ بتنا پاتی ہو مٹی پر ڈالو۔ بادچی خانہ کے آگے ڈالنا بہت ہی بد تمیزی ہے۔ جوتا یعنی برتن صاف کرنے کے واسطے اتنی کا ٹکڑا اور تبدیل کر لینا چاہیے۔ اگر ممکن ہو تو جینے دوسرے جینے بادچی خانہ میں سفیدی کو دینی بہت اچھی ہے۔ برتنوں کی قلعی میں بے پروائی کرنے سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ کیسا زہے کھاتا بالکل خراب ہو جاتا ہے۔ نقصان کا نقصان زلفت کی زلفت عقلمند لڑکیاں برسات کے آنے سے پہلے ایندھن بھر دیتی ہیں تاکہ گیلی لکڑیاں اور سیلے ایلوں کی پھوں پھوں سے بچیں۔ ایک در پھر ہر بن تو میں نے قریب قریب سب ہی لڑکیوں میں دیکھا ہے۔ کپڑا نہ کھینچے اٹھیں اور جس برتن میں چاہا رنگ لیا اس وقت تو کام مکمل جاتا ہے۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دھو لینے سے برتن صاف ہو گیا لیکن اسکا اثر

موجود رہا۔ جو چیز اس میں کھی وہ کڑوی جونکالی وہ خراب اور منہ ضرورت کے وقت رونے طاع
یا کر چھان ملا کٹورہ بھرتی جو چیز سامنے آئی لے لی اور آگ پر رکھ دی۔ چار دن کا میلہ ہوتا
برتن گھڑی بھر میں کالا سیاہ ہو گیا۔ مجھے چاہے کنجوس کہو یا سوم مجھ کو تو یہ بھی برا معلوم
ہوتا ہے کہ آگ دھڑ دھڑیل ہی ہو اور چولے پر کچھ نہیں۔ ایک وجہتا یوں ہی غارت ہوا
کچھ نہ ہو تو پانی کی گھڑیا ہی رکھ دو۔ گرم پانی کسی نہ کسی کام آ ہی جائیگا۔ ایک بات میں
کبھی بھول گئی۔ مائیں برتن مابچھنے میں بڑی بے پروائی کرتی ہیں۔ بیٹیوں کو چاہیے کہ
آپا چھی طرح دیکھ بھال لیا کریں۔ پینے کا پینہ اگر اچھا نہ دے گا تو سالن کا لا ہو جائیگا
اگرچہ دیکھا تو نہیں مگر سنہری لٹکیا ایسی منجوس ہوتی ہیں کہ جلتے چولے میں سے
آگ نکلے انہیں بہت ہی بڑی معلوم ہوتی ہے۔ ایسی کمبختوں کو کیا کہوں اس سے زیادہ نالافی
اندک کیا ہو سکتی ہے جن کو مذہب یہ حکم دے کہ حاجتمندوں کو ہر طرح سے مدد و ادارے کے
وقت پر کام آؤ۔ ان کا یہ سلوک۔ کیسے انوس کی بات اور شرم کی جگہ ہے۔ اللہ کا شکر کہ
ایک چھوڑ دو دو مائیں موجود ہیں مگر لقیں کہنا کہ چاہے کھانے کو دیر ہو جائے جب تک بانیچھا
صاف ستھرا نہ ہو۔ میں تو ایسے وقت تک پکا ماریند ہنا گناہ سمجھتی ہوں۔ کچھ دلی ہی پر توف
ہیں میں نے تو سب ہی جگہ دیکھا ہے کہ جہاں کوئی غیر عورت آئی کواری بیٹی اٹھی اور پاپا
گئی۔ مگر میں ایک بات پوچھتی ہوں شکل و صورت کے سوا باقی تمام عادتیں۔ ہنر۔ سلیقہ
ڈھنگ۔ انتظام تو گھر کی صورت دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے۔ مزاج تو معلوم ہو ہی گیا صورت
نہ دیکھی تو نہ سہی یہ سب جانتے ہیں کہ ماؤں کو چھوٹے بچوں ہی کی خدمت سے اتنی جرات
نہیں کہ وہ گھر کے کاموں کو دیکھیں۔ جب سیاتی لڑکی موجود ہے تو بھلائی برائی میک ڈنڈا روہ
یو یو اتم ہو گی تو سہی کہ اُستمانی اچھی کم بخت آئی کہ کان کے کیرے ہی کھائے۔ مگر
کیا کروں نہ پرانی رکتی نہیں اب شروع کیا ہے تو پھر کیوں چھوڑیں۔ باورچی خانہ کا حال تو برن
لیا۔ اب پانی جو زندگی قائم رکھنے کے واسطے ایک ضروری چیز ہے اسکی کیفیت بھی سنو

اگر اس کی طرف اچھی طرح توجہ نہ ہوئی تو زندگی کو بہت نقصان پہنچتا ہے ذرا سی بے احتیاطی میں کپڑے پڑ جاتے ہیں جو پینے میں تو خیر گھناؤنے ہی معلوم ہوتے ہیں مگر پیٹ میں پسینہ کی طرح کی بیماریاں پیدا کر دیتے ہیں۔ دیکھو نہ گھر بچہ لڑکی ٹوٹی ٹکے میلے چھنیاں نثارو۔ اس پانی سے اول تو پینے والے ہی کی طبیعت کو کراہیت معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے تمہکا کھلا رہنے سے کپڑے مکڑے پھر بھنگے جا پڑتے ہیں۔ رات کے وقت اگر پانی پینے والا بچی ایسا ہی سا ہوا تو سب پیٹ کے اندر رسیبے بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ گھر کا پانی ایسی حالت میں ہو کہ تلے جانے والے کا جی پینے کو نہ چاہے۔ بچہ پیرے لیکن گھر تو بچی کچھ زیادہ قیمتی چیز میں نہیں برس میں ورنہ بھی بدل لویا صاف کر لو تو ایسا خرچ نہ ایسی محنت۔ ٹکے بدلنے کو اگر چھ پیسے بھی میسر نہ ہوں تو وہ میلے گا گھر دھو پھر لینے سے ہٹوں کی صورت ہی کچھ فائدہ نکل آتی ہے چھنیاں کاٹ کی نہیں تو مٹی ہی کی ہوتی۔ پانی تو ڈھکا ڈھکا بہت سی بیماریاں صرف پانی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر احتیاط کی جائے اور پانی روزمرہ چھان کر صاف کیا جائے تو تندرستی کو بہت مفید ہے۔ پانی صاف کرنے کی یوں تو بہت سی ترکیبیں ہیں مگر سب اچھی تدبیر یہ ہے کہ تین گھنٹے لیکو دو کے پیندوں میں چھبکد کو۔ اور پہلے دوسرے یعنی چھبکد گھڑوں میں اچھے صاف شفاف کپڑے کی تہی لگا لو ازان بنائیں تھوڑا سا دیا کا ریت والو اور پہلے گھڑے میں پانی بھر کر مینوں گھڑے اوپر نیچے اس طرح رکھو کہ پانی ٹپک ٹپک کر گرتا جائے اس ترکیب سے سب سے زیادہ پانی تیسرے گھڑے میں صاف بھی ہوگا اور ٹہنڈا بھی ہوگا۔ بعض لوگوں کو پانی کا بہت دھیان ہوتا ہے۔ جہاں صفحہ کے آنے کا وقت ہوا اور انہوں نے باسی پانی چھان کر الگ کیا اور ٹکے خالی کر دیئے تاکہ تازہ باسی ایک نہ ہو جائے۔ جس کو تازہ پینا ہوتا تازہ پیا۔ باسی پینا ہوا باسی پیا۔ اگر پانی کی احتیاط نہ ہو اور کوئی ملا پانی آنکلا اور اس نے باسی پانی مانگا تو اللہ کا نام۔ تازہ حوالے کیا۔ اس نے منہ میں لیتے ہی کلتی کر دی۔ اگر غیرت ہو تو جلتو بھر پانی میں ڈوب مرے

کہ گھر میں پانی بھی ڈھنگ کا نہیں۔ پانی پلانے میں بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ اندھے پتے سے آگے لاکھڑے ہو گئے۔ پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ کچھ پڑا تو نہیں ہے۔ خاصاً مکہ رات کے وقت ضرور روشنی میں دیکھ کر پلانا چاہیے۔ مشکوں کے انتظام میں اتنی احتیاط اور ضرورت ہے کہ بچوں کا ٹمکا ان کے پانی پینے کا برتن الگ ہو۔ کیونکہ وہ دن بھر مٹی کی کچڑ میں کھیلے پھرتے ہیں ان کے ہاتھوں کا اعتبار نہیں ہوتا اور جس طرح تمکوا دروں کے ہاں جاکر بچوں کے ہاتھ لگانے پر پانی سے کراہیت ہوتی ہے۔ اسی طرح دوسروں کو تہاے ہاں نہ لیکر ہوگی۔ کٹورا آبخورا۔ ڈینگا۔ مسب برتن قلعی دار ہونے چاہئیں۔ کم سے کم دبیر برتن ایک پھرتے کا ایک پیسے کا ہر وقت شکے پر ضرور ہوں۔ بہت برا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی برتن غرپ غرپ ڈالا اور اسی سے پانی پی لیا۔ صراحی یا گھڑے کے منہ پر اُجلا سفید ہین کپڑا باندھنا بہت اچھا ہے۔ پانی چھن چھن کر نکلتا ہے گرمی میں باسی پانی ہر گھر میں ہر وقت موجود رہنا چاہیے۔ مشکوں کے پاس کچھ رکھنا بھی بد قسمتی ہے۔ ایک علیحدہ برتن گہرے پتھر کے پاس اس غرض سے رکھنا لازم ہے کہ سچا پانی اس میں ڈالتے جائیں اور دونوں وقت وہ پانی موری پر بہہ نکلے یا چائے۔ پانی کے پاس کچھ رکھنا جان بوجھ کر بیماری پیدا کرتا ہے۔

بیٹی بیوی میری باتیں تو تم کو زہر لگاتے ہیں گی اور دل میں کہہ رہی ہو گی۔ بس چلے تو استانی نامہ ادا کا منہ تو پچ لوں کہ گھر چڑھ کر لٹنے آئی اور ڈولی چڑھ کر باتیں بنا گئی۔ مگر بیٹی یہ تو سوچو مجھے کے رکعت کا فائدہ۔ گھر بگڑا تو تمہارا نقصان ہوا تو تمہارا بچہ نہیں تو تم بزدل ہوئیں تو تم میں بیماری لینے میں دینے میں چلتی چلاتی پھرتی پھرتی آئی گھڑی بھر بیٹھ گئی۔ جی جلا مغز کہہ چلی۔ ما نہ ما تو سنو نہ سنو تم جاؤ۔ تمہارا کام۔ کیا کروں۔ جواب صاف ہے کہ ہاں جانا ہے نہیں تو کہتی اور بیٹ پھر کہتی۔ بگڑو گی تو بگڑا کرو۔ ایک تعریف تمہاری ہے۔ بھلاستی ہے۔ سچ ہو یا جھوٹ مگر اب تو لپ گئی۔ کیوں ایسے کو تک کہے جو کسی نے کہا۔ جھوٹ کیوں ہونے لگا۔ سب گھنوں پوری کوئی نہ کہو لند ڈری۔ ماشاء اللہ عرض پر دل شیریں بیٹی بات

تو جب ہی ہو کہ کوئی کسر نہ رہ جائے۔ غرا نہ کرے کہ کسی لڑکی کو بھلیکا پڑے۔ نہ یہ عادت چھوڑنے والی۔ نہ گھر پیسے والا۔ بڑی بوڑھیوں سے سنا کرتے تھے بھیک مانگنا اچھا اور قرض لینا بُرا۔ اب جو دیکھا تو پسح ہی لینا ہی ٹھہرا تو قرض کے نام سے کیوں لوجہ دینے کا فکر ہے بھیک ہی نہ مانگ لوجہ تقاضے کا کھسکا بھی جائے یا درہو سمجھدار آدمی اول تو قرض ہی نہیں دیتے اور اگر ایسی ہی مجبور ہی آپڑتی ہے تو بھیک دیتے ہیں کہ وصول ہو چکا۔ بیٹی ذرا انہ تنہا کر دیتے ہیں۔ اے نے یہ سمجھ کر دیا تو بھیک نہ ہوئی تو کیا ہوئی۔ عقل سے کام لو۔ ایسی بے غیرتی بھی کس کام کی۔ جیسے دو ہاتھ پاؤں تہاڑے ایسے دوسرے کے۔ اس غریبے کسی کسی طرح محنت مشقت سے کمایا۔ جفا کفاسے بچایا اور ہم لینے کو تیار۔ اس کی تو گناہ ہے پسینے کی کمائی اور ہم نے مفت اڑائی۔ دکھ بھریں بی فاختہ اور کتے انڈے کہا میں۔ ہم کو قرض مانگتے کما کیا حق حاصل ہے۔ جس طرح کسی امیر کے ساتھ مال لائق مصاحب لگ جاتے ہیں کہ درہو کا دیکو اپنا پیٹ بھریں جس طرح کسی رئیس کے پیچھے شردے چمٹ جائیں کہ چند ہی روز میں کیا کو خاک میں ملا دیں۔ جس طرح ریشمین کے ڈے کو کیڑا لکڑی کو گھن کر پاؤں کو دیک لگ جائے۔ اسی طرح آدمی کو قرض لگ جاتا ہے۔ لاکھوں کی آمدنی کیوں نہ ہو مگر قرض کے پیچھے سب خاک ہے۔ بڑوں کی مثل ہے بیٹیوں والا لاکھ اور چلوں والا چولہا کبھی پتیا نہیں۔ میں کہتی ہوں قرض والی آمدنی بھی نہ کبھی مٹی ہے نہ پیسے کی۔ بھیک مانگ لے فاختہ کر لے مگر قرض نہ لے جس نے قرض لیکر نہ بھر جانا پس دنیا بھر کی مصیبتیں اس پر آگئیں۔ غیرت حمیت۔ حرمت سب گئی گزری ہو گی۔ لین دار ہزاروں باتیں سنار ہا ہی اور کان دبانے میں رہے ہیں۔ نواب مظفر کی لگی بھانجی نوشاہ کا حال سنا ہے۔ اسی قرض کے ہاتھوں وہ مٹی پلید ہوئی کہ خدا دشمن کی نہ کرے سردار کی ہتھی۔ اتنے بڑے باپ کی مٹی۔ چہ سات گھاؤں کی قلعہ دار مگر قرض کا مرض ایسا لگا کہ بالکل ہی میں نہیں کر دیا۔ یا ستا اور امیری سب گئی گزری ہوئی۔ بھر بھر چوہلی اثر فیاں اور بھر بھر ہنگامی چوہلے پھر آئے اور آخر ختم۔ دونوں فصلوں پر

روپے آنے کی دیر تھی۔ گھر میں پہنچا اور اندر باہر تقاضے کی موجودگی نوٹا۔ ہاتھ پر مٹی تھیلیاں آگے۔ عید و آویجاؤ۔ بکری و آویجاؤ۔ شام تک بورسی بیٹ گئی۔ روپیہ کیا ریوڑیاں بھیس کہ تین چار گھنٹوں میں ختم ہو گئیں۔ ایسی ہی کوئی بھاگوان نفس یا مبارک دن ہوتا ہو گا کہ بیٹ بھاکر سچی اس روپے بچتے ہوں گے۔ دربارہ جہاڑ کو اٹھی تھی۔ اب اکھٹے چھ بیٹے اندر بی نو شاہ ایک ایک کی خوشامد کر رہی ہیں۔ اتنی بڑی آدمی اور ملے ٹکے کے آدمیوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر کوئی جھک رہا ہے کوئی گھر کا ہاں گھر اس اللہ کی بندی کے کان پر جو نہیں چلتی تو سو مکی بندہ کی کے ڈنڈ پر لکھی اس کو کہتے ہیں۔ گرہ کا دینا اور جوتیاں کھانی کیسی بے غم رہی اور کس قدر بے جمیع کہ خدا بچائے۔ اس آمدنی کو دیکھو اور ان ڈھنگوں پر غور کرو۔ آج قریبی چلی۔ کل لوٹا گیا۔ پرسوں کٹورہ لایا۔ طباق پر آٹا آیا طشتری کی تو بھو جہاڑ صبح سے دوپہر تک ایک ایک کی منت کی ایک ایک کی خوشامد مل گیا تو خیر نہیں تو جو چیز نظر پڑی وہی بننے کے ہاں غرض اسی بلوں بلوں میں چھ بیٹے گئے۔ ہاتھ سمیٹا نہ پاؤں پکڑا۔ ننگے کان سننا سے ہاتھ گھنے کے نام چاندی کا تار نہیں فصل کا وقت ہوا اور قرضہ اجوں کی صورتیں کہاں دیں شروع ہوئیں۔ آخر کچھ سب گناؤں اور جائیداد گروی ہوئی۔ آمدنی تو پہلے ہی جیسی تھی ظاہر ہے۔ سود نکلتا تو کہاں سے۔ تھوڑے دنوں تو خوب ملتے ملتے ہوئے۔ روپیہ کیا ٹھیکریاں بھیس۔ برس کے اندر تیس چالیس ہزار روپیہ ختم ہو گیا۔ ساہوکار ایک سترہ آدمی برس ڈیڑھ برس گھنٹی سادی کہ گویا کچھ واسطہ ہی نہ تھا اور پھر تو دروازہ کی سیڑھی لے ڈالی سود و سود کے چار اور چار کے آٹھ بنے تو اچھی طرح یاد بھی نہیں۔ سولے روپے لے کر آٹھ نالش باغ دی۔ یہاں کیا دہرا تھا سمیٹاؤں ہزاروں کی چاہا۔ باپ دادا کی نشانی کوڑوں کے مول نکل گئی کبھی بڑی غلام کے یہاں جاؤ تو کنوئیں کے سامنے کی حویلی دیکھتا ہی مکان ہر جس کے دروازہ پر باغی جھونٹے تھے آخر وہ بھی نہیں رہا کچھ نکل گیا۔ ایک سیری والا گھر دیکھا۔ اب چار روپے کا کر یہ چاہو اور چاہو۔ چاہے بچھاؤ۔ کال کے دن پونے آٹھ سیر کے گھروں چار روپے کے

دن کے۔ سالن تو الگ ہمارے کھانے کے پھٹکے اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے بھی پیٹ میں پڑ جائیں تو بہت۔ اللہ کی شان نظر آتی ہو۔ جہاں بھی کچھ ریل پل بھی اچلانے کا تین بھی نصیب نہیں۔ اگلے جمعہ کو ملنے گئی تھی۔ نو شاہ حبیبی بیگم جس کے پاس بھولکر بھی غم نہ پھٹکتا تھا، ماما صلیب اور نوڈیاں اور چھوڑیاں قدموں کے نیچے آنکھیں نہ کھاتی تھیں اور سر کا کہتے منہ خشک ہوتا تھا۔ اب اس حال میں تھی کہ ٹوپی والا کھڑا دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ دونوں کوڑیاں کلن و پھڑک کر دو تو لے لو۔ اگلی ٹوپوں میں جو مروت والی بلیں تھیں تم نے بالکل ہی ناس کر دیں۔ وہ پانچوں بیسے کا کمرہ سواتین آنے نکلتے ہیں یعنی ہولو نہیں لیتیں۔ لو۔ اللہ اللہ یہ وہی پشتوں کی امیر زادی ہے جس کی دادی گھر بیٹھے آدھے رسول آباد پر حکومت کرتی تھیں اور سادے حسین آباد پر راج تھا۔ اسی دادی کی پوتی ہوئے سرے ہوئے ٹوپی والے کے آگے ادھی ادھی پر ہاتھ پھیلاتی ہے۔ خدا جانتا ہے میرے تو آٹو نکل پڑے۔ ننگے سر ننگے پاؤں۔ کہتے چکٹ دیڈ پٹر مار۔ پاجامہ لبیریاں۔ کوڑا کے پیچھے کھڑی پانچ بیسوں کے لئے ہلاک ہی تھی۔ میں تو جا کر بھی بچتی تھی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ایک پانچ ہی برس میں اس کی یہ گت ہو جائے گی۔ میرے چلتے وقت گو وہ بات نہ رہی تھی مگر پھر بھی یہ ہڈر اتونہ تھا۔ کیا سے کیا ہو گیا۔ جن ہا مقوق سینکڑوں ہزاروں اٹھائے آج وہ دو دو دانوں کو محتاج ہیں۔ چلنے چلتی تو عمر بھر لالوں کی لال بنی رہتی چار کو کھلا کر کھاتی۔ فقط اس فرض کے کارن سب کچھ خالصے لگ گیا۔ اب کوئی دو کوڑی کو بھی نہیں پوچھتا۔ جس کو لاکھ کا گھر خاک کرنا ہو وہ فرض کی عادت ڈالے۔ اللہ نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ عیب پیدا ہو۔ جب کسی لڑکی کو دیکھو فرض مانگے ہی ہو۔ بس سمجھ لو کہ اس کی زندگی برباد ہو گئی۔ بلو بیوی اللہ ملی بس میں اب جاتی ہوں۔ سنجیدہ سیمہ۔ استانی جی تینوں گھر آئیں تو ڈولی سے اترتے ہی استانی جی کہا بوا سنجیدہ۔ تھہ کی قسم ایک دن وہ ہوں جس چیز کو بکھیتی تھی بے کینڈے۔ گھر تو گھر دیوار پا کہیں تک پر دیویزی برس ہی ہو۔ تھہ کے سر کی قسم میں نے تو بہت سنا کیا نہیں ایسا ٹھیک

بناتی کہ مرزا آجاتا۔ کہنے میں تو میں نے اب بھی کسرت نہیں کی مگر پھر بھی بہت سی باتیں مانگیں۔ اتنا میں تم سے کہے دیتی ہوں اور میری آج کی بات یاد رکھنا۔ چاہو کچھ ٹھیکہ ہو جا سکو کچھ ٹھیکہ نہ والی لڑکی نہیں مگر کچھ سبٹ ہو سکتی ہے۔ زندگی تک یہ۔ پڑھیا کی آنکھیں بند ہوئیں اور کوڑی کے تین۔ لڑکی کیا سستی کا ہوا یا اسے کی ابا پر کسی کام ہی کی نہیں۔ بنی نسی کی اماں جو بڑے بڑے کر بول رہی تھیں میں اتنی ہی برہنہ کی چوری بھی پکڑ آئی۔ تنکو خاک بھی خبر نہیں اور میں ایک ہی نگاہ میں مار لگتی۔ سچ پوچھتی ہو تو ما بیا چوری کا کیا قصور۔ سر پر کھس ہی نہیں کیا کر۔۔۔ تم نے یہ بے غیرتی بھی کی تھی۔ میں نے اتنا کچھ کہا لڑکی کے کان پر جو بھی چلی کیسی آنکھوں میں آنکھیں لکڑی ہو گئی اور حال ہوتی تو ٹھیکہ دکھائی۔ میں ۱۱ اللہ کسی پر بڑی نہ بننا ما بیا چ بی بی نہ ہوئی۔ ما ماؤں کے ہاتھ میں پڑا گھر جو کچھ ہو سب ٹھیک۔ سچی کیا ہو۔ آگے چل کر کچھ جو اس کجست کے ہاتھ میں بھیگا پیالہ ہی نہ ہو تو نام پلٹ ڈالنا صورت میرٹ الیاں سونے۔ چہونے والیاں لڑکھ پادشہ ہلائیں تو انکو تو کوئی بھرتا نہیں اس کو خور کی بھرتی کو کوئی بھرتا۔ کام کی وہ نہیں کاج کی وہ نہیں بن بھرتی دیکھ جاؤ۔ دیو آدمی نے پانی مانگا اگر آپ ٹھک پلا دیتی تو کیا شان کو بیٹہ لگتا تا ہی کہاوت ہر اتاری منہ کی لہنی تو کیا کر گیا کوئی۔ جب بے غیرتی ہی پر کوئی نہ تو پھر کیا عللج۔ اپنے منہ سے کو مرزا کہنا دوجی جلاؤ اس کے بھادیں بھی نہیں اتنی بھی تو بردا نہ تھی کہ یہ باب کیا رہی ہر اور کہہ کس کو رہی ہر مجھے تو بڑے پھر ہر کہہ خالہ نہ برہان گئی ہوں اس وقت تو جو منہ میں آیا کہہ گئی۔ مگر حجب سے اتری ہوں یہ خیال چلا آ رہا۔ ہلا بوا میں کون ہے اسٹکون کے واسطے اپنی ناک کٹائی۔ لینے میں دینے میں واسطہ نہ غرض وہ شل ہو گئی یہی تم کو بخواہ مخواہ۔ بھوٹو ہوگی تو میل کیا لگی اور سگڑ ہوگی تو مجھے کیا بخشد گی۔ اچھی ہر تو جنگی۔ برہنہ تو ان کی۔ برہان تو بھلا تم نے کیا۔ آچھے اچھی رہیں اور مجھے جہنم سے بڑے ہو دیا۔

کا زمانہ قدرت کے استقام انوکھے اور نرالی ہیں ہزاروں لاکھوں نعل کی بندیاں اچھی بڑی

سنگھڑ پھوڑ۔ کانٹری۔ کھد دی۔ لنگڑی۔ لولی۔ صبح شام کہی چلی چاری ہیں۔ میکے میں تیرے
 سنے دوسرے سسرال پہنچیں تو کارچو بی جوڑے۔ یہاں دُور دُور پٹ پٹ۔ اجیرن و بال
 دیاں۔ تہ وقت لالوں کی لال۔ روپا کی روئے کرم کی کہلے۔ ماں یا پلوں کی بیٹیاں
 سوسنوں کا خن اُن کے گن اور تونکوں کی شکل اُن کا سلیقہ۔ لکڑی کی بیل اور لوہی کی
 بیل گھنٹوں پر ہے گھڑیوں پر ہے۔ کل کی بات ہر بی سہیلی کی نالائقوں کا جھینکا تھا
 آج اُن کے برکتی تلاش ہے۔ ڈیل کچھ کا کچھ ہوا۔ اٹھان کہیں کا کہیں پہنچا۔ ماں بیجاری ن
 رات اسی عکس گہلی جاتی تھی کہ کسی طرح اس کے دہول ہو جائیں۔ مسجد کی مٹھانی بڑے
 پیر کی گیا دیوین حسن میں جو کچھ سمجھ میرا با سب ہی کچھ کیا۔ برس سوا برس تک اسی چکر
 میں پڑی رہی مگر جن ڈھونڈ ہیماں اُن پائیاں۔ یہ خوش نصیبی ماں کی سمجھو یا بیٹی کی
 تہنچ والیوں کے برقعے پھٹے نہ آنے جانے والوں کی جوتیاں ڈھیں۔ ہونے والا کام اور
 بننے والی بات غیب سے ایک ایسا سامان ہو گیا کہ ہلدی لگی نہ پھٹکری اور سہیلی بیگم خاصے
 دھوم دہڑکے سے سسرال چاہنچیں۔ نہر کا ضلع اور دیا پار سے ہر لکڑ آیا۔ بیوی ہر کچی تھی
 کچھ کوئی تھا نہیں۔ ڈیرہ سو روپے کا تنخواہ دار۔ ذات کا سید مزاج کا اچھا۔ بات ٹھہرنے
 کی دیر تھی چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا ضلع دار غیب سے چاہتے یہ سمجھو کہ ارمان نکل گیا تھا
 یا کچھ کہو کہ سمجھ ارا دی تھا ایک دفعہ نہیں تین تین اور چار چار دفعہ کہلا بھی بھیجا اور لکھ
 بھی بھیجا کہ دلی دالوں کی طرح لنگوٹی میں چپاگ نہ کہیلنا۔ چادر و بیکر پاؤں پہیلانا۔
 میوں جوڑے سینکڑوں برتن منوں کاٹ کاٹ۔ حاصل دین نہ حاصل نیا۔ ہم لوگوں کی
 حالت اس قابل نہیں کہ روپیہ یوں ضائع کریں۔ یہ کس خدا نے بتایا کہ ایک بیٹی کا بیاد
 کرنے اُٹھے اور عمر بھر کے واسطے قرعہ ادا ہو گئے۔ پھر ستم یہ کہ صرف بھی کیا تو ایسے فضول
 کاموں میں نہ ضرورت نہ حاجت وہی کہاوت ہے۔ جربیب جی نہ سوا دیا۔ مجھ سے پوچھو تو کہیں
 نہ پہنچے تیار ہے۔ خدا را ان نہ بیا تو آج بہت بچے لگا۔ جو کچھ بھی کیجئے حیثیت کے موافق اور

آدمی کے لائق نام و نمود کی پرواہ آپکے ہوتو ہو میری طرہ سے تو اطمینان کہنے میں تو فقط گھر آباد کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ موجود ہے۔ پھوپھی کا تو منشا تھا کہ چپ چاپ تے نکاح کو ہستی کو رخصت کر دے مگر ادھر تو بھانج اُدھر خود ہستی۔ دونوں ماہیوں کے دماغ سا تو یں آسمان پر تھے۔ سنجیدہ تو منہ سے بات نکال کر جو رنگی۔ ہستی جو منہ پھلا کر پری تو سارے گہرنے زور لگا لیا مگر وہ اللہ کی ہندی منجھلی کیا مانتے اور سننے والی تھی بیٹی کی کیریفیت ماں کا یہ حال کہ تند سے آنا سنتے ہی لگی رورو کر کہنے۔ بہلا منجھو مجھ سے گہڑی گہڑی لینے تھوڑی آہنگی غضب خدا کا پالکی کے پیچھے دس برتن بھی نہ ہوں۔ بڑی کو تو دس ہزار کا جہیز اور اس کو تھاک بھی نہیں۔ آخر جس سیٹ کی وہ سختی اس کی یہ سبھی ہر آٹھ تو دونوں آنکھیں پر میں خلق کا خلق کون بند کرے گا دیکھنے والے تو کہو یہ سبھی جس محفل میں جاؤ گی جو یہاں بیٹگی۔ قیاس چاہتا ہوں کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اپنا تو اپنا محلہ والوں کا نکا اسباب بیٹے کے جہیز میں دیدیتی اور بی منجھلی بیگم کا اختیار ہوتا تو کیر اللہ تو درکنار رہنے کی حویلی نکا قبالہ ساتھ لے جاتا۔ مگر میرا صاحب نے کیا غصہ۔ سنجیدہ ہوئی الگ تھلاگ دونوں ماہیوں کے ارمان دل کے دل ہی میں ہے۔ لیکن منجھلی کیا چوکنے والی بشر تھیں۔ بھائی بہن کی صلاح کا رنگ دیکھ کر اس نے نکاح سے ہفتہ بھر پہلے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ روز کر خون کیا کہ سب سچے سمجھایا مگر وہ کس سے من نہ ہوئی۔ ماں۔ میاں اور تند کے ڈر سے دل کہو لکر تو کچھ نہ کر سکی مگر اُدھے پاؤں پوتے۔ ادھر ادھر سے کتر بونت کر کر اچھہ سو روپے کی قرضہ دار ہو ہی گئی۔ غرض خدا خدا کر کے بی منجھلی بیگم ماں کو سدا کے واسطے سود کی لپیٹ میں ڈال لینے گھر روانہ ہوئیں۔ چاروں چالے ماں اور خالہ مافی اور پھوپھی کے ہوئے۔ چوتھا چالہ پھوپھی کا تھا اور سب کی آنکھیں اسی طرہ لگی ہوئی تھیں۔ نسیم جیسی مٹی کا کام اور سنجیدہ جیسی پھوپھی کا انتظام جو کچھ ہوتا وہ تھوڑا۔ ایمان کی بات یہ ہر کہ پھوپھی ہستیوں کے سلیقہ اور کام نے غضب ہی کی دھوم دھام کر دی۔ اور دسترخوان پر وہ کھاتے جن دینے کے اچھے اچھے

باد چوں کو پرے بٹھا دیا۔ دو تین چیزیں تو ایسی پکائیں کہ جس نے کہ میں انگلیاں
چاٹنے لگا۔ قلعہ دار صاحب کی پھوپھی زاد بہن تو یہ رنگ نہنگ دیکھ کر بالکل ہی لوٹ پوٹ
ہو گئیں۔ دونوں طرف میز پر کھلی کے لیمپ دھڑ دھڑیل ہی تھے۔ چہت پردائیں بائیں و تھقے
میزوں کے پیچ میں بے طلاصاف شفاف دسترخوان آدہ آدہ کر کے فاصلہ پر ایک ایک گلاس
بڑی سی قصب میں سالن ایک میں پال۔ دونوں پر چھپرے رکھے۔ خالی طشتریاں موجود۔ جس کو
جتنی ضرورت ہوئی نکال لیا۔ باہر صحن میں ٹائیں کھد ہوں پر تولے۔ ہاتھوں میں تولے لئے
کھڑی تھیں۔ بیویاں ہاتھ دھو دھو دسترخوان پر آکر بیٹھیں تو ماؤں نے اعلان براق تولے کی
شکل کا کپڑا سب کے آگے ایک ایک کھدیا کہ گردن میں لگائیں۔ تاکہ کپڑے داغ دہیے سے
خواب ہوں۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر اکثر دیکھا ہی۔ چکنا ہاتھ لگا اور تمام پانی میں
تورے پڑ گئے۔ کہن کے علاوہ ایسا پانی پیتے ہی کہاں ہی ہو جاتی ہی۔ سنجیدہ نے خوب
کیا کہ ہر بیوی اپنے پانی کی ذمہ دار۔ ایک ایک صراحی۔ گلاس سب کے
آگے۔

(۲۳)

چالا تو ایسا ہوا کہ دونوں پھوپھی سہیلیوں کی واہ واہ ہو گئی۔ منجھلی کے بیاہ کو چہہ ساہو
چہہ ہینے ہوئے ہوں گے۔ چاٹے کے دن تھے۔ گھر کی قدیم ماما بڑھیا تو جی ہی۔ ادھر تو پڑی
سہوی اپر سے جھاوٹ۔ مائے باسٹھ برس کی عمر بہت ٹوٹ گئی۔ اپنی مکھرام تو نہ سہی کہ عمر
بھر کا ٹھکانہ بڑوں کا ساتھ۔ انہوں پر ٹھیکری دہر صاف الگ ہو جاتی۔ منت سے
کہنے لگی میگم۔ پڑجاؤں گی تولتے سے بھی جاؤں گی کہو تو کھل سے تو اسی کو ہوجید یا کروں
اور سب کام تو کرے گی۔ ہاں اتنا ہر کہ سالن تم آپ بگھا لیا کرنا۔ روٹی ذرا اس کے
ہاتھ کی بھاری ہوتی ہی۔ پکاتے پکاتے ٹھیک ہو جائے گی۔
بڑی بی نے تو آج کہا۔ سنجیدہ پندرہ دن سے کہہ رہی تھی کہ اس کو رکھتے جاؤں

ڈیرہ کو سبزی منڈی سے صبح نماز کے وقت بڑھیا کا آنا اور چم گہری رات کی تو پٹے جانا
 خدا خیر کرے۔ مہینہ کی مہتری آٹھ ہین میں ہو جائیگی۔ پھر ایسی مک حلال مانا چراغ لیکر ڈیرہ
 نو میسر نہیں۔ نو اسی کے آنے پر نور اراضی ہو گئی۔ لڑکی نے دوسرے دن فجر ہی آجھاڑ تو
 خیر خاصی دی۔ کچھ نہایت ہی سے تہ کیا۔ مگر آٹا گوندہ پتہ بیٹھی تو اور ہر تہا تھ کی تمام
 چوڑیاں لت پت۔ اور کونڈے کے چاروں طرف گہرا بنا ہوا۔ گوندہ مانا تو ایسا کہ گھٹلیاں
 پڑی ہوئی۔ کھیری پہنچی ہوئی۔ نسیم دور سے بیٹھی دیکھ رہی تھی ہنستی ہوئی پاس کی اور کہنے لگی
 ۔ لوانہ آٹا گوندہ ہا۔ ذرا چوڑیاں تو دیکھو اور بیکہ گرایا کیوں ہے۔ تو اس کا عہد یہ ہر پہلے کونڈے
 کو دھو دھلا صاف کیا۔ پھر آٹا ڈال کر موندھا۔ ذرا جاندارا ہاتھوں سے کٹی دی۔ کھٹرنے پڑ گیا
 تو بیٹھی دی نہیں تو کھیری پھٹ جائے گی۔ تم نے ہتھیلی تو دی نہیں۔ برابر گئی دیتی رہیں۔
 جب ہی تو کھیری پھٹ گئی۔ لاؤ میں ٹھیک کر دوں۔ دیکھو ٹھہرا دیتیں تو اس طرح بیٹھے پڑ جاتے
 ایٹس آٹے کی وٹیاں پکاؤ کسی چپاتی پکتی ہے۔ ایک ہاتھار آٹا تھا کہ موٹے موٹے بکڑ بھی
 نہ اترتے۔ جاؤ تو ادھر کو چلے پر رکھو اور روٹی ڈالو۔ دیکھو کبھی پکاتی ہو جیسا آٹا گوندھا
 ایسی روٹی نہ پکاتا۔ ذرا ہاتھ ٹھہرا کر ڈالنا بھار نہیں کر کہ سا بھر سو بھر پکا بچو الگ کرو۔ آٹے
 پر صافی ڈھکا لوانہ نہیں تو پڑا جائیگا۔ لوانہ تم روٹی ڈالو بسم اللہ کے پیڑا اٹے ہاتھ پر کیا
 کہتی ہو؟ سید ہی ہاتھ پر رکھو۔ واہ یہ پیڑے بنا رہی ہو۔ ذرا گول بناؤ۔ خشکی لو کم اور چنگا
 کر ڈھیک۔ اس پر سے تھپ تھپ کر روٹی بھی پھٹ جائے۔ ذرا آہستہ۔ آج تم نے
 اتنی کر کہی ہو کہ اس تو سے پر سے لال جتنی کی روٹی اتر ہی نہیں سکتی۔ شاباش ہو اسی ہاتھ
 سے اُپے اسی ہاتھ سے روٹی اور بھیکو عقل مند ہی ہے۔ روٹی پکا کر کھلی ڈال ہی ہو کہ موکھ کر
 کہنک ہو جائے۔ دسترخوان میں ہو کہ نرم بھی رہ کر گرم بھی ہے۔ لوانہ تم دیکھو اور میں پکاؤں
 پہلے تو یہ روٹی رکھنے کی چنگیر جو ٹیڑھی بڑی پڑی ہوئی ہے سید ہی کر کے رکھو۔ دسترخوان
 آدھا اس میں بچایا۔ آدھا روٹیاں ڈھانکے کو اوپر کہا آٹے کے کونڈے پر سینی ڈھانکنا آٹھ دھو

تو رک سنی پر کہہ لئے جب پاک گئے پھر دینو بیس گئے۔ بھہ جلاؤ گا لاؤ جو جسے میں لگا ہوا ہے اس میں جو روٹی پڑے گی وہ جھلک خاک ہوگی۔ روٹی ہمیشہ دھیمی آہنج میں اچھی ہوتی ہے۔ دیکھو یہ پڑے گول ہیں نہیں خشکی نہ اتنی زیادہ نہ ایسی کم۔ معمولی سرکی ہے۔ دیکھو کسی چنگیر کر رہی ہے۔ پوٹے پوٹے ہاتھوں سے پلو بکتی پھیل رہی اس میں شکل ہی کیا ہے۔ اب پٹتی ہوں لو دیکھو آنکھیں کھول کر کہیں سے جلی پہنچی تو نہیں ہے۔ باوای چتی کی۔ خبردار جوابے روٹی پکانے میں دلوں کو ہاتھ لگایا وہی ہاتھ گوبر کو وہی لئے کو کہیں نہیں آتی؟ کرسی کا بھور ابھی آئے میں پڑ گیا تو لگی لگائی قیمت غارت از پکا پکایا کھانا حرام۔ لاؤ ابے دروغی روٹیاں پھوپھی اماں کی اور ایک پراٹھا اپنا کھائیں۔ اس کٹوے میں گھی نکال لو۔ پیسے روغنی پکالوں۔ دیکھو گھی پگھلا کر آٹے کا پڑا اس میں ڈالکر متھ لیا۔ سب گھی پیوست ہو گیا۔ اس کو بہت نہیں پھیلاتے روغنی روٹی ذرا گدڑی اچھی ہوتی ہے۔ آہنج بھی دیکھو دھیمی کر رہی ہوں۔ تیز میں ناس ہو جائیگا اچھا بھٹو دونوں ہونگیں۔ اب پراٹھا۔ پراٹھا تین وضع کا ہوتا ہے۔ بل۔ اور۔ پرت دار ٹیکیکا۔ پہلے مکھ پرت اور بتاؤں۔ دو چوٹے چوٹے پیرے لئے بیج میں گھی لگا کر دونوں کو اوپر نیچے کر کے لیا لئے لو اب چنگیر بنا کر توستے پڑا لیا۔ پگھلا ہوا گھی پاس کہا ہے۔ تھوڑا تھوڑا سا لگاتے گئے چتی پڑ گئی اب پٹ لیا۔ اس میں گھی کم لگتا ہے۔ اس کے چاہے جتنے پرت کر لو یہ تو دو ہیں چاہے تین کر دو چاہے چار۔ لاؤ ایک بل اور بھی تھامے سا۔ پکاؤں۔ دیکھو ہی ہو نہ؟ گھی از نکالو۔ اس میں گھی بہت لگتا ہے۔ دیکھو ذرا سا آٹا رکھا اس میں گھی لگایا پھر آٹا رکھا اور گھی لگایا۔ کم سے کم پانچ دفعہ گھی لگاتے گئے اور تار کہتے گئے۔ دیکھو اب اس کا اسطرح پڑا بناتی ہوں۔ بنگیا۔ اب بل بنایا اسی طرح مروڑی دیکر سانپ کی طرح۔ اب پھر اس کا پڑا بناؤ اور توستے پر روٹی کی طرح پھیلا کر ڈال لو۔ بیج میں جھیر کر کے گھی لگاتی جاؤ۔ سمجھ گئیں؟ یہ دو وضع کے ہو گئے اب ایک کیا کارہا اور وہ بھی ایسا ہی ہے۔ خیر اب تم مضامین میں تمہارے سامنے گوشت بگھاروں آٹے کی طرح ناس نہ کر دینا کہ آدھا کرے اور آدھا پیسے۔ یہ ساری گرہ ہندی کی ہیں

داہ۔ آدھ میرگوشت میں اتنی ہلدی سپاڑ کر لے۔ جتنی ہلدی کم لوگی اتنا ہی سالن ابدار ہو گا۔ ہلدی
 چمک و پتیا لو۔ پس ہوا دہنیا جائے گا نہیں آتا۔ برابر کی بھوسی ملی ہوئی ہے۔ اتنا نہ لو۔ پس کوئی
 سو اسیہ بھر اس پیالہ میں پانی بھر کر سل کے پاس کہہ لو۔ ذرا ذرا سا ڈالتی جاؤ اور پستی جاؤ۔
 زرد زور سے رگڑو۔ پس ہاتھوں تو شام تک بھی ہین نہ ہو گا۔ دیکھو اب کیسا سرہ سا ہین ہوا
 ہے۔ چلو ہمیں لو۔ دیکھو کیسی سرخ ہیں۔ بناؤ کہاں کی ہیں؟ پٹہ کی ہیں کتنی لے رہی ہو۔ چودہ لو۔
 بھنڈیاں بھی تو ہیں۔ ترکاری ہوئی تو گیارہ بیت بھنیں۔ ہین لو۔ بڑے کیا کر دیں گی۔ پوری کٹھی لو۔
 اور ایک گٹھی پیاز کی بھی۔ یہ مصماحہ کی پیالی ہے۔ پس چکو تو اس میں اٹھالینا۔ اچھا اب مصماحہ تو
 پس گیا۔ اٹھو جتنی چوٹے پر رکھو۔ کٹی آدھ پاؤ پڑے گا۔ یہ بڑا چمچ ہے۔ دو ڈالو۔ یہ پیاز کی گٹھی
 کتر کر ڈال دینا۔ بیچ کی رس کی ہے۔ نہ بڑی تر چھوٹی۔ ڈال دی۔ دیکھو دال ہو گئی۔ اب اس
 پیاز نکال باقی آدمی میں سارا مصماحہ ڈال دو۔ اندھاں بی نواسی تک تو ڈالو۔ پس ہاں
 کوئی تولہ بھر ہو گا۔ اچھا اب مصماحہ بھون لو۔ جب دانہ پڑ جائے تب گوشت ڈال دینا
 ذرا گوشت کستی جانا اور چلو چلو بھر پانی ڈالتی رہنا کہ بسا ندا پانی مرتا جائے۔ پس پشور سے
 کا پانی ڈال دو۔ پیاز جو رکھی ہے نکال کر دہ بھی پڑے گی۔ پھر چمچ یا کفگیر چلانے کی ضرورت
 نہیں ہے۔ ایک ترکیب سالن بچانے کی اور بھی ہے یا دیکھنا وہ بھی بتا دیتی ہوں۔ سادہ سالن
 ہو تو ہلدی کی ضرورت نہیں۔ آدھ میرگوشت ہے تو ایک گٹھی پیلے ہین کی پیسی پھر پیاز کی۔ دو ٹولہ
 کوا لگ اٹھالیا۔ پھر دہنیا اور جین پس پیاز ڈال کر پیلی میں الگ بھی داغ کیا اور پھر
 پیاز نکال لی۔ ہین پیاز جو چمک رکھ چھوڑی ہے۔ خواہ وہ دونوں چیزیں پیسی ہوں یا نہ ہوں
 ہی ہو اس کو گھی میں بھونا پھر گوشت ڈالو اور دہ بھوتا۔ ہین گیا تو دہی کالی مرچیں لٹکیں
 اور کٹ لو۔ مرچیں اور دہنیا ڈالو۔ دانے وار ہو جائے تو پانی ڈال دو۔ گوشت گل جائے تو
 لعاب پڑا تو لو۔ یہ تو خیر معمولی سالنوں کی ترکیب تھی۔ ایک قسم کا سالن پیاز سے ہاں ہو
 پختا ہے وہ اس طرح کہ اگر آدھ میرگوشت ہے تو پہلے گوشت کو اچھی طرح دھو کر پیلی میں ڈال دینا

مرچیں ایک چھوٹی گٹھی اور کادرلہن کی۔ ایک پیاز کی مگر خاصی بڑی۔ لوگیں۔ کالی مرچیں
نمک۔ یہ سب مصالحہ تیار ہوا۔ یعنی اور کادرلہن پیاز۔ پیلی میں ڈال دیا۔ پھر لپٹا ہوا
مصالحہ لیا۔ کوئی تین پیسہ بھر دینیا۔ پانچ مرچیں لہن پیاز اور تین چٹانک کے قریب
دہی۔ اگر دہی میں پانی بھی ہو تو ابھی بات ہو۔ سب چیزیں ڈال کر چینی لکھ آٹے سے منہ خام
کو دو اور دہی آٹھ پیریکہ وصلہ کو کوئلہ کی آگ پر تباہ اور بھی اچھی ہو۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد
اُتار لو کھانا ایک پکا کر تیار ہوا تو نسیمہ نے ماما کی نواسی سے کہا۔ لواب برتنوں کی ٹوکری
سنبھالو۔ سب ہٹے دھائے منجھے منجھائے رکھے ہیں ایک قعدہ اور ہاتھ پھیر لو۔ چینیوں کو
دیکھ لو رکھ داکھ نہ لگی ہو پہلے برتنوں کی ٹوکری لیتا کر رکھو۔ پھر پانی کی دو دنوں صراحیاں
بھری رکھی ہیں۔ ایک میں پانی تازہ ہو ایک میں یاسی اور کھوٹے ڈال مکدینا۔ چھینکے پر سے
دستر خوان اُتار لو۔ روٹی کی جنگیری رکھ کر پھر پیلیاں پہنچاؤ۔ نواسی کھانا پہنچا چکی تو نسیمہ
بیٹھی مگر کس طرح کہ سالن چہ تشتریوں میں اور سب یکساں۔ پیلی کو ٹیر مار کر ہاتھ سامنے کر کھاتی
رہی اور آگے کے گہی میں سے ایک ایک چمچے سبکے ہاں ڈال دیا۔ یہ نہیں کہ آنکھیں بند
کے کسے کفگیر مارنے شروع کئے اور پہلے ہی سالن میں تار ختم کر پیلی میں نیلا پانی چھوڑ
دیا گرمی زور شور سے بڑھ رہی تھی کھانے سے فراغت پا۔ برتن بھانڈا آگے سے ہٹا ہٹو
سب اندر کمرے میں چلے گئے۔ نواسی بکھا جھلنے بیٹھی۔

جب تک منہ ملی موجود رہی پہلی تھی یا بڑی۔ تھوڑا یا بہت ہمیشہ نہیں کہی روز مرہ نہیں
بھولے بسے ماں کا ہاتھ بنا لیتی تھی۔ پھوٹڑیاں سکھڑ جیسی بھی تھی اور جو کچھ بھی تھی
مگر ایک سے دو تھیں بیٹی کا منہ ادھر موڑنا تھا کہ کہہ کے کام دہندے سب ہاں ہی کے
سر اٹھے جھاڑو اور بہارو صفائی اور ستھرائی اور ہینا اور بچھونا۔ سینا اور پرونا
ایکٹان اور ہزاروں ٹٹنٹے صبح سے رات ہو جاتی گھر کا بچہ بچہ جو جاتا اور اس کی بخت کو کمر
سمہ ہی کرتی نہ سب ہوتی یا ایک کام کو نہ تھی اور دوسرا کام اینڈ مصالحہ پیا تو چو لھا اوندھا۔

پانی گرم کیا تو روٹی ٹکڑا پٹ۔ ماما جب بھی تھی اور اب بھی۔ مگر بیٹی ہوئی رخصت ماں کی آنکھ میں روت۔ کام کرے اس کی جوتی۔ ماں اتنا قایدہ ضرور تھا کہ باتونی پرے سرے کی تھی ایک نہ چہرہ کہ دنیا بھر کے قصے سن لو غرض بچاری کو چارہ جن میں زندگی دبال ہو گئی اس پر طرہ یہ کہ بچے کیسے غصی اور ہاروتی کہ ابھی تو بہرہ پہونے سے روتے اُسٹے اور روتے ہی سوئے ویلا پنج منہ ادا تھا اٹھ دن آنے کی فرصت نہ ہو کئی دن سے ارادہ کر رہی تھی۔ آج دودھ پینے بچے کو گو دیں لے یہاں آئی لکھا تو دم کتار ابھی بوری طرح بات فحی کر فی نصیبت ہوئی تھی کہ بچے نے بلکنا شروع کیا بہتیرا چمکا رتی ہی پیار کرتی ہی بہنا قتی چڑھ راتی ہی۔ مگر وہ کس کی سنتا ہی۔ آواز پنے کہ کان کے پار۔ گنگڑی گندی بوٹی کا بسا ہوا شور مچا۔ وہ ناک چنے چوٹانے کہاں کو دم لینا و بال ہو گیا۔ سینیاں بچائیں۔ پیار ہی کھٹکھٹائی۔ کندیاں بلانیں برتن بجائے مگر بچہ کیا ایک آفت تھا کہ لمحہ بہ لمحہ زیادتی ہی تھی بسیمہ کچھ دیر تک تو چپکی بیٹھی دیکھتی رہی۔ جب دیکھا کہ ماں ہلکان ہوئی جاتی ہی اور بچہ کی چیخ مہار کسی طرح نہیں تھمتی تو اُسٹھی بجائی کو گو دیں لیا۔ اود کندھے سے لگا ہلنے لگی۔ مگر وہ کیا قابو میں آنے والا تھا۔ بالیاں ہاتھ میں آگئیں رکھ کر جو گیسٹا ہے تو سارا کان ہوا ہلان۔ پاک تو پہلے ہی سے رہا تھا۔ اس وقت تو سچ مچ ہی جان بھل گئی۔ غصیب یہ ہوا کہ پہلو اور کا تھا کہ گونج اُلجھ گئی اور ایسی ابھی کہ بہتیرا سلجھا یا سلجھی پھو بھی نے اٹھ کر بالی پہٹائی۔ بچہ لیکر ماں کو دیا۔ کان کو دیکھتی ہی تو تھل تھل خون بہ رہا ہی تن میں سے پانی بھر تللی ڈالی اور کہنے لگی ایسی پختہ لڑکی بھی نوج ہو۔ آج بارہ تیرہ دن سے کان پاک ہا ہی روز جھینکتی ہوں کہ بہتے ہوئے مہما کھ میں سے ذرا سا لیکر روٹی کی پھیری سے کان پر لگائے۔ مگر کون سنتا ہی کل تو میں نے ٹھنڈے پانی سے دھو کر مہرجوں کے بیج پس کر لگا دیے تھے۔ آج میں بھول گئی۔ بیٹی بچہ کو لیا تھا تو انکس کہو لکھتیں ایسے اندھے پنے سے لینا کیا ضرور تھا کہ جان بوجھ کر کان اس کے آگے کر دیا۔ دھویا لگی اور سینہ دھوا چار دن سے پڑا جھک مار رہا ہے۔ ایک دن بھی لگتا نصیب نہیں ہوا۔ اور ہوا

کمان کا لہو تہا اُفہر خدا خدا کر کے کچھ کی آنکھ لگی تو دونوں تند بھاڑیں گاؤں تک پہنچ کر
لیٹ گئیں نسیم نے نواسی سے کہا۔ کیوں بی تم کو پلاؤ اور میٹھے چاول بھی پکانے آتے
ہیں۔ نواسی کچھ دیر تو چپکلی ہی اور پھر کہنے لگی۔ ماں دو ایک فقہ پکانے ہیں۔ ترکیب ملے گی
تو اس نے انت منت جواب دینے شروع کئے نسیم نے کہا میں تم کو پہلے پلاؤ کی ترکیب
بتاتی ہوں سنو پلاؤ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک بخنی کا ایک تو رومہ کا۔ سو بخنی کا تو اچھا ہوتا
نہیں۔ تو رومہ کا یوں پکاتا ہے۔ سیر بھر کا حساب تھاؤں۔ چاولوں کو دھو کر بھگو دیا۔ دو
گٹھیاں بڑی ہسن کی دو پیاز کی تھوڑی سی اور ک پسیک الگ کہ لی۔ گھی جتنا ڈالو۔ کچھ
نہیں سیر بھریں آدھ پاؤ تو ہو۔ پیاز ڈال بگھاریا۔ پیاز سرخ ہو گئی تو نکال کر وہ ہسن پیا
جو رکھا ہر وہ ڈال دیا۔ کوئی پندرہ ایک لونگیں۔ چار پانچ چھوٹی الائچیاں چھلکوں سمیت
اس گھی میں بگھارو۔ سرخ ہو جائے تو اب گوشت دھو کر ڈالو اور بھون لو۔ بس پھر کوئی
تین آنچور سے پانی ڈال کر دم پر چھوڑ دو۔ جب گوشت اچھی طرح گل جائے اور پانی بھی تھوڑا
سارہ چلے تو چاول ڈال کر آخ کر دو۔ چاول نکل جائیں گے۔ دم دیدو۔ پلاؤ ہو گیا۔ میٹھے
چاول تو آسان ہیں ان میں گوشت کا جھکڑا نہیں۔ گھی کر کرہ اگر لونگیں بڑی الائچیاں
ڈالیں۔ لونگیں سرخ ہو گئیں۔ چاول ڈال دیئے۔ دو تین دفعہ چاولوں میں چھپے یا لٹکھیر چلا کر
اتنا پانی ڈال دیا کہ ایک کئی باقی رہ جائے۔ یعنی سب چاول ذرا کمی کے ساتھ گل جائیں
پانی خشک ہو گیا تو کھانا ڈال دی اور دم پر چھوڑ دیا۔ آخ ہلکی کر دی۔ یہ میٹھے چاول
ہو گئے۔ اچھا بی نواسی تم کو مچھلی کا کھانا کھانا آتا ہی۔

نواسی۔ اچھی نگہ بکھاتا ہی، مجھ کو بتا دو۔ اگلے برس حکیم جی کے ماں میری ماں تھی۔ مچھلی کا
کھانا کھانے کے سب ہی جتن کئے۔ زرد کوری ڈالی۔ کہیں قلعی کا چرنہ مگر کھانا تو کھانا نہیں
نسیم۔ یہ بھی کوئی بڑی بات ہے۔ جب اڑے پڑیں انکو اٹھا کر ان میں چاول بگھو دو
انکو چاول پرانا اور اچھا ہو زمین چار روز تک بھیکے رہیں۔ اچھی طرح پانی پی لیں۔ اُن کو

نکا لکڑ چھاؤں میں سکھا لو اور پسیر لکھ لو۔ جب پھل پکائی تھوڑے سے برک دیئے۔ اور تمیلی کا منہ قام کر کے دھیمی آپر کر دی۔ دوپہر تک پکتی رہی۔ پھر اُتار کر دیکھنا۔ ہڈی اور کٹا مناسب گلکار آتا ہو جائیگا۔

نسیم بات ختم کر چکی تو لڑکے نے بازار سے پان لاکر دیئے۔ تو اسی سے کہنے لگی دھوکہ پٹاری میں کہدو۔ لڑکی شریرو تو معلوم ہوتی نہ سقتی یا پھول گئی یا سُنا نہیں۔ پٹاری کھول لگنی میں طبع آ میٹھی۔ تھوڑی دیر تک تو ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ نماز کا وقت آیا تو نسیم نے وضو کر نماز پڑھی۔ پڑھ چکی تو اُسی سے کہا۔ اچھی ایک ٹکڑا پان بنا دو۔ لڑکی پان بنا کر لائی۔ نسیم کہاتی ہے توچہ نہ تیز کتھے کا پتہ نہیں کر کر امیٹ ہو وہ الگ۔ پٹاری کھول کر دیکھتی ہی تو صاف ہی کہیں۔ پان کہیں کہتے جو نا ملا ہوا۔ چھالیا میں زردہ۔ زردہ میں چھالیا۔ کہنے لگی بو ایک دفعہ کے ہاتھ لگانے میں پٹاری کی جھگت کر دی کر دیکھنے کو جی نہ چاہے۔ سیدقہ اس کا نام ہے۔ پٹاری صاف ستھری۔ لگنی۔ اچلی۔ طباق رکھے ہوئے تھالی ڈھکی ہوئی۔ چھیاں سردہ سب ٹھیک سر۔ پانوں کو دھویا نہ دھلایا۔ یوں ہی پھینک آ میٹھیں۔ میں نہ دیکھتی تو شام تک سب مر جلاتے۔ چاہئے یہ تھا کہ دھوکہ عرفانی میں اچھی طرح لپیٹ لگنی میں کہتیں تم نے تو بیگار سمجھ کر ڈال دی اسی واسطے پھو بھی اماں پٹاری کسی کو چھوئے نہیں دتیں۔ صاف اچلی گڑی کتھے چوئے کے دھبوں میں غارت ہو گئی۔ اتنی ساری کتری ہوئی چھالیا سب یوں ہی گئی۔ آخر میں بھی تو روز بناتی ہوں مجال ہے۔ کہی چھالیا میں زردہ کا ایک پھول تو پڑ جائے۔ اگر کوئی بے زردہ کہانے والا آگیا تو اچھی خاطر ہوئی۔ اسی تو ضلع کو سلام کہ پان کھاتے ہی سر چک انے لگا۔ ایک تو تم کہی چھو لکڑ بھی چھالیا کی ڈلیاں نہ کہنا۔ پھو بھی اماں بہت ہی بگڑتی ہیں اور مجھے بھی زیر معلوم ہوتا ہے کہ پان بنا سو کھ رہا ہے اور میٹھے چھالیا کتر رہے ہیں صبح۔ دوپہر شام جب فرصت ہوئی بیٹھ کر دو چار ڈالیا کتر لیں۔ ڈبیا ہر وقت کتری ہوئی چھالیا سے بھری رہتی چاہئے۔ ایک پان میں

تم نے پٹاری کا نام کیا۔ پانوں کا مزاج تو آدمیوں سے بھی نازک ہوتا ہے نہایت سے اوپر نیچے
 رکھو پانی میں ڈال دو گل جائیں گے نہ ڈالو سوکھ جائیں گے۔ چاہیے یہ کہ صافی تر رہے پانی نہ
 بہت زیادہ ہونہ بہت کم۔ بی نواسی پان بنانا بھی کوئی آسان کام نہیں خدا نہ کہے کہ کسی
 پھوٹے کے ہاتھ کا پان کھانا نصیب ہو۔ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ صافی سے پان کو خوب چھ
 طرح پونچھ لو تا کہ رگ رگ کی کرکراہٹ نکل جائے۔ اذیر کی نوک تیسچے کی جڑ توڑ دینی چاہیے
 پہلے چونہ لگاؤ پھر کہتہ اندھے دیکھ لو کہ چونہ کتنے سے زیادہ نہ ہو کہ منہ کے ٹکڑے ہو جائیں
 کتنے بھی اتنا زیادہ نہ ہو کہ منہ کی سلا ہو جائے۔ اس کے بعد چھالید ڈال کر گھوری بناؤ
 مردے میں چھالیا برائے نام ڈالنی چاہیے۔ اب تھالی کو صاف کر دو۔ اور الگ کو نہ
 میں روہ رکھ کر دید و میں نے بہت سی جگہ دیکھا ہے کہ کتنے اور چونہ چھانا نہ پھٹکا اٹھایا
 اور کلیوں میں بھر دیا۔ برابر کی کرکراہٹ ہو جو کہ دانت نہ دبایا چلے۔ ایک عیب
 پان کھانے والوں میں بھی دیکھا ہے کہ انگلی سے پونچھا اندھو اور سہل دیا۔ تم ہی خیال
 کرو کسی بدتمیزی کی بات ہے۔ پان کھاتے ہو، ایک یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ پان ہو لکڑ
 یہ دیکھ لیں۔ ممکن ہے غلطی سے زردہ پڑ گیا ہو یا چونہ زیادہ ہو تو خواہ مخواہ کی تکلیف
 بھگتنی پڑے۔ کسی غیر آدمی کو پان دو تو آگالداں بھی رکھ دو کہ تھوکنے کی نکت نہ ہو۔

(۲۴)

انسان مرد ہو یا عورت بڑا ہو یا جوان آنکھیں ہو لکڑ دیکھے قدرت نے کیسے کیسے مان
 مہیا کر دیئے صبح۔ دوپہر۔ شام رات۔ جاڑا۔ پالا۔ برسات۔ آم۔ خربوزے۔ جامن۔ انار
 گیہوں۔ یا جوا۔ بنگ۔ جوار۔ بیشا۔ نعمتیں ہیں جو اس پروردگار نے اپنے بندوں کو عطا فرمایا
 پھول کی ایک پیکھڑی اور درختوں کا ایک ایک پتہ زبردست شہنشاہ کی حکومت کا پتہ ہے
 ہے ہیں۔ چاند۔ سورج۔ زمین۔ آسمان۔ جنگل۔ پہاڑ۔ دریا۔ میدان قدرت کا جلوہ ہے ہر
 چمکے ہا ہے۔

صبح کی نماز پڑھ کر ایک روز سنجیدہ اپنی چھوٹی سی کیاری کی دیکھ بھال میں مصروف تھی خوشترنگ پھولوں کے گھنگھے چاروں طرف رکھے ہوئے تھے۔ گلاب کے ایک پودے پر لگا ہوا پتی پتی سی شاخ ہرے پر پھول ہوا کے جھونکوں سے دوسری ہوئی جاتی تھی دیکھتی رہی اور دیکھتے دیکھتے کہنے لگی۔ کیا خدا کی شان ہر ہمینہ بھر بھی تو نہیں ہوا۔ بیج ڈالے۔ آٹھ دس وزیں پھوٹ نکلے۔ پندرہ برس میں پودا ہو گیا۔ کو بیس آئیں کلیاں نکلیں۔ سبحان اللہ تیری قدرت آج پھول کھل رہا ہے۔

سکل ہی کا تو ذکر کر دے۔ نسیم بنگالے کی مینا چاروں طرف باتیں ملکہاتی پھرتی تھی آج ماشاء اللہ دوسروں کو مین سے رہی جو صوفائی بستہرائی بشرم حیا رحمہ اللہ ساری۔ خوف خدا غرض ہر صفتیں جو لاکھوں کا سرخ سج زیور ہیں کو اپنے میں جھل ہو گئیں۔ کھانا پکانا۔ سینا۔ پر نما کیا کام تھا جو لے نہ آتا ہو۔ ادب۔ لحاظ۔ سلیقہ۔ اطاعت۔ کون سا ہنر تھا جو اس میں ہو۔ ماں اور پھوپھی جو چاہتیں کہیں اور وہ چکی بیٹی سنستی۔ کیا مجال جو نیچی سے اونچی لگا کرے یا آنکھ ملا کر جواب دیدے۔ ناممکن تھا کہ کوئی سچا حاجتمند اس کے دروازے پر آئے اور خالی چلا جائے۔ شکل تھا کہ اس کے ہاتھ سے آدمی تو آدمی کسی جانور کو بھی تکلیف پہنچ جائے۔ نو دس برس کی جان بیٹھ بیا کھ کی گرمی اور میوں روزے۔ چلے کا جاڑا صبح کا وقت نماز اور قرآن۔ چھوٹوں سے جی۔ بڑوں سے جناب۔ ہمسایہ سے ملوک بزرگوں کا ادب۔ حم کی نظر۔ بیٹی زبان برابر دالوس محبت۔ چھوٹوں پر بھربانی ہاتھ کی سچی دل کی اچھی تکنت نہ غور و شبی سے الگ نخوت سے دوسرے ایک قسم کا نرشتہ تھی کہ بڑی بڑی ایمان والیاں اس کے دامن پر نماز پڑھیں۔ محلہ کے لئے سبقت۔ کنبہ کے لئے نمونہ خاندان کے لئے ایک مثال تھی۔ دور دور کی لوکیاں اور بڑھاپے بوڑھے عورتیں اس صلاح لیتیں اور وہ بتاتی۔ اتفاق یہ ہوا کہ ایک دن دوپہر کے وقت پھوپھی ہتھی بیٹی کھانا کھا رہی تھیں سنجیدہ کی نظر ہتھی کی جوتی پر پڑی نہ جوتی ایسی پرانی تھی

نہ تسلیم ایسی بدتمیز مگر خدا جانے کیا ہوا۔ اور کیونکر ہوا۔ دایاں بایاں دونوں پیر الگ
 اور ٹیڑھے۔ یہ صورت اور بے ہنگم کھانا کھا چکی تو سنجیدہ نے کہا۔ بیٹی۔ یہ تو میں نے آج ہی
 دیکھا۔ انگریزی میں تو سنا تھا۔ ہندوستانی میں دایاں بایاں آج ہی دیکھا۔ دتی کی سلیم شاہی
 پندرہ میں دن کی پہنی اور سیدہ پاؤں الگ الگ لٹا الگ۔ تم ہی نے آج انوکھی نہیں پہنی ہم نے
 بہت سی پہنیں اور توڑیں مگر یہ کہی نہ معلوم ہو کہ یہ سیدھی یہ الٹی کیسی نالائق کی بات
 ہے کہ ایک ہی پاؤں الگ جو پہننا شروع کیا تو پھر ملینا قسم ہو گیا۔ ہیر بھیر کر پہنی چاہیے
 کبھی یہ کبھی وہ ایک رخ پہنتے پہنتے تو آپ ہی جوتی کی صورت بگڑ جائیگی۔ دو چار دن بے
 احتیاطی کی اور جوتی الٹی سیدھی ہوئی۔ پھر ملٹو گی بھی تو پاؤں کو اولو اولو معلوم ہوگی۔ چلو
 جوتی کا ناس ہو گیا کبھی تم نے میرے پاؤں میں بھی دیکھا۔ لو دیکھو تین جینے کی پہنی ہوئی ہے۔
 نیلی ہو گئی تو کیا شرافت تو برس ہی ہے۔ عمر بھر میں نے یہی پہنی۔ ایک فنہ کی تو قسم کہا تی نہیں
 وہ بھی کوئی دس بارہ دن اندخوشی سے نہیں مجبوری سے گنتی ضرور پہنی ہو ورنہ جبکہ ہوش
 سنبھالا آج کے دم تک یہی ننگو ایں قسم لے لو جو کبھی انگریزی یا گول پیچہ کی پاؤں میں ٹیڈالی
 ہو۔ مگر بیٹی ایسے بے ڈھنگے پن سے کہی نہیں پہنی تسلیم بیٹی یہی غلطی اور تسلیم سلیم تم سے میری
 تو اتفاق سے نظر پڑ گئی۔ تم تو جوتی پہنتی ہو گی۔ اس کا یہی حال ہوتا ہو گا۔ ہاں خوب یاد
 آیا۔ اس دن تم کیا کہہ رہی تھیں کہ انگریزی جوتی ہندوستانی سے اچھی معلوم ہوتی ہے
 مجھ سے بوجھو تو کیا خوبصورتی کیا آرام اور کیا صرف کسی لحاظ سے بھی میں انگریزی جوتی
 کو پسند نہیں کرتی۔ اس سے تم خاطر جمع رکھو۔ میں ایسی وقیانوسی خیال کی عورت نہیں
 ہوں کہ محض انگریزی ہونے کے سبب ناپسند کروں۔ تمہاری نانی اماں کی طرح میں یہ
 نہیں کہتی کہ گھر کی بہو بیٹیاں میم بن گئیں۔ مگر میں انگریزی جوتی کو ہندوستانی
 سے بہتر نہیں سمجھتی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں فقط اس لئے
 کہ انگریزی ہے پسند کر لوں۔ دونوں کا مقابلہ کر لو جو خوبصورت

اور آرام کی موجودگی ہے۔ چاہے انگریزی ہو چاہے دیسی۔ تم زیادہ سے زیادہ یہ کہو گی کہ
ہندوستانی جوتی کا سارا تلاء کچھ میں بھر جاتا ہے۔ اور وہ فرش پر لیٹانے کے قابل نہیں
ہوتی۔ یہ نقص تو انگریزی میں بھی موجود ہے کہ ہویا نیادہ مگر ہے تو ہسی۔ تہاے دل میں
اس وقت یہ ہوگا کہ بھوپنی اماں اس دن کے وعظ میں جو من آئی ہیں کہ جو شخص کسی قوم کی
نقل کرتا ہے وہ اسی میں سے ہے اس لئے برا کہہ رہی ہیں۔ سو میں یہ بات نہیں اس کے متعلق
تو میں کل ہی ایک ایسے شخص کی رائے پڑھ چکی ہوں جو مجھ سے اور تم سے اور خود مولوی صاحب
بھی ہزار درجہ زیادہ لائق ہے۔ یعنی امام غزالی اپنی کتاب حیا، العلوم میں جس کا اردو ترجمہ
میں آج کل دیکھ رہی ہوں اچھی طرح صاف صاف لکھ رہے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں
کہ اگر کسی قوم میں کوئی اچھی بات موجود ہو تو اس کو نہ اختیار کر دنا اس کا یہ منشا ہے کہ لیا اس
خود اک غیرہ میں مشابہت نہ کر لے سیمہ یکم میں ایسے مولوی کے ڈھکوسلے میں آنے والی نہیں
جو اپنے حلوے مانڈے سے کام رکھیں۔ قوم چاہے کل کی ڈویتی آج ڈوب جائے
انگریزی بڑا نوا بھلا جھکو تو جیسا بھرا بھرا پاؤں ہندوستانی جوتی میں معلوم ہوتا ہے انگریزی میں
ہرگز بھی نہیں معلوم ہوتا ادا ہاں انگریزی پر کیا موقوف ہو گول پنجہ کی جوتی سے میں اور بھی
زیادہ جلتی ہوں نہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ سلیم شاہی جوتی اکٹائی اند بھڈی کر لی۔ مگر
ہاں اتنا غرہ کہو گی کہ کواری بیٹیوں کو بہت بنتا سوزنا اچھا نہیں۔ تیرہ تو یہ یہ تو میں مر
کر بھی نہ کہو گی کہ کواری لڑکی سلہ ستائے کی سلیم شاہی جوتی میکے میں ٹمکانے پھرے اس سے
تو انگریزی ہی اچھی وہ ترک بہر کہ نہ ہو گی۔ مگر تہا ری اس ایک پھول کی جوتی سے تو میں کیوں
ہی اچھا سمجھنے لگی لیکن سلہ ستائے کے مقابلہ میں تو وہ ہزار درجہ بہتر۔ جب خدا نہ من
لائیگا کہ یہ روک ٹوک نہ رہے۔ اس وقت جو بات ڈھلاسی جوتی میں ہو گی انگریزی
کے باپ کو بھی نصیب نہیں۔ سچتی بات یہ ہے کہ کھائے من بھاتا پہنے جاگ بھاتا
چیز پہنے تو ایسی جو دیکھنے والوں کی آنکھ میں کہیں چائے تب تو یہ جھانٹو

قیمت : معمول ہوئی دام بھر پائے۔ روپیہ ٹھکانے لگا۔ انگریزی ہندوستانی دو چوڑے پاس کہکر
پھر کھوپتہ کر چیتا۔ پہنا کر دیکھو جو ان اس میں ٹھیک اس میں کہاں۔ اب ہی اپنی طبیعت اسکا تو علاج نہیں

(۲۵)

سجیدہ کا لہجہ نرم تھا یا گرم مگر مضمون تھا معقول اندیاز تھی درست نسیم نے ان سے
قابل ہوئی تو کیا۔ دل میں نام ضرور ہو گئی۔ کتنے آنکھوں سے جوتی کو دیکھا۔ نظر پڑتی تھی کہ قصو
دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ نیچی نگاہ کر کے جو بیٹھی تو پھر آنکھ اٹھانی قسم ہو گئی۔ اتنے میں نواسی چوری
ہوئی آئی اور کہتا چھوٹی بیٹھو مگر گیا۔ گہرا کر اسٹی اور سٹ پٹا کر چلی۔ ذہنیہ پانچو کل پا جامہ
پاؤں الجھا اور دھڑام سے گری۔ مگر طوطے کی محبت اتنی زیادہ تھی کہ اپنی چوٹ بھول بھلا
اور سنہل سنہلا چھوٹی نسیم کے اس طرح گرنے پر نواسی کو بے اختیار ہنسی آئی مگر میاں مٹھو
کی محبت نسیم کو کچھ ایسی غالب تھی کہ چوٹ کا خیال نہ ہنسی کی پردہ۔ چاکر دیکھتی ہے
تو سچ مچ مٹھو میں۔ سال بھر کی محنت بولتا ہوا جانور۔ دیکھو دھم کی دھم رہ گئی۔ طوطا
پہاڑی تو دھماکا مگر تھا کسی ایسے کڑے نیم کا کہ ایک کہنے کی دیر تھی۔ سنی اور فی۔ اس غضب کا
بولتا تھا کہ کیا کوئی مینا بولیگی۔ دانہ پانی۔ روٹی۔ بلکہ اسب اپنے منہ سے مانگتا۔ ذرا نسیم
ادھر ادھر ہوئی اور اس نے چیخا شروع کیا۔ ”چھوٹی بی کہہ گئیں“ نسیم خود اس پر جان
چھڑکتی تھی۔ شام کو دانہ پانی کھلا پلا لگتی میں لٹکایا۔ ہوتی شدنی اتارنا بھول گئی دو تین
دفعہ تو مٹھو نے آواز بھی دی مگر غریب کی تقدیر میں مرنا تھا کسی نے نہ سنا۔ جاڑوں کے دن
ٹھنڈک کا وقت۔ ہوا۔ کوہر۔ سٹھ۔ کھلیا میں پانی کی بوتل نہیں خدا جانے ہوا لگی یا پیا
مٹھی بھر کی جان بھر پھر پھر ختم ہو گیا۔ سجیدہ پہلے تو نواسی کی جان کو آئی کہ یہ کسی
الافنی کی حرکت ہو وہ تو گری اور تو مٹھی غل غل ہنس رہی ہے۔ خبر نہیں کہ کتنے جانوروں
میں رہی کہ نام کو تمیز نہیں۔ کوئی گرے کوئی ہنسے ایسی ہنسی تو جو تیاں کھلواتی ہے
دوسرے کی تکلیف پر خوش ہونا آدمیت تو ہر نہیں۔ جانوروں کا کام ہے۔ تجھے

تو یہ چاہیے تھا دوڑ کر اٹھاتی۔ ہاتھ دباتی پاؤں دباتی۔ پوچھتی چھوٹی بی کہاں چوٹ لگی افسوس کرنے سے ٹوٹی لٹی باغ باغ ہو گئی ایسا ہی ہنسنے کا مرض تھا اور کسی طرح نہیں رُک سکتی تھی تو ادھر چلی جاتی پریٹ بھر نہیں لیتی پھر آ جاتی ہنستا اور ہنہ دہنہ بے فیرتی اسی کا نام ہے۔ تہاری گود میں میٹھوں اور تہاری ڈاڑھی کسوٹوں۔ اگر وہ غصہ میں کچھ کہہ بیٹھتی۔ چوٹ لگی ہوئی جی چلا ہوا۔ کوئی ایسی ویسی بات کہہ دیتی تو مسکھ پہلا میٹھ جانی بیٹی تو ہی سو پنج یہ تیرا کام خفگی کا تھا یا نہیں۔ آج تو خیر سمجھا دیا۔ اب ایسی نالایقی نہ دیکھوں۔ میرے پاس ابھی لڑکیوں کا کام نہیں۔ چاہے کل سے آیا نہ آنا۔

سجینہ ہوا سی کی نصیبی کر رہی تھی اور سیمہ بیجاری نہ گرنے کا خیال نہ ہنسنے کا مالال کم سم بیٹھی مٹھو کو دیکھ رہی تھی۔ سجینہ ہوا دہر سے فارغ ہوئی تو ہتھی کی طرف سُرخ کیا اور کہنے لگی ایسی بولا مہٹ بھی کس کام کی آؤ دیکھنا نہ تاؤ پانچے چوڑ چھاڑ جھٹ اٹھ کھڑی ہوئیں وہ تو خدا نے خیر کی کہ کاؤ بیکہ پنج میں تھا۔ نہیں تو خدا جانتے آنکھ چھوٹتی سر پھوٹتا نہ بھونچال کی طرح چلتیں نہ چوٹ لگتی۔ دوڑ چلے نہ گر پڑے۔ اسی بے تو میں سولہ سترہ گز کے پانچوں جلتی ہوں۔ نامہ نہ حاصل۔ صرف کا صرف اور تکلیف کی تکلیف ہر وقت پانچوں کی نوکری کیجئے۔ ایک ہاتھ تو میں ہی لئے اینٹ ہر گیا۔ ذرا بڑکے اور پاجامہ کپڑ میں لت پت سی میں تھرا تھرا اب اس طرف کو پہنکواؤ۔ بیٹھی پھر سے کو کیا کہو رہی ہو۔ مرنا ہمار گیا۔ اور تہاری جان کو دعائیں دیتا مرا۔ ذرا آنکھیں کھولکھو سکلیا کسی خشک پڑی ہے۔ پانی کی بوند تک نہیں۔ ایک جان تہا ہے ہاتھوں جاتی تھی وہ گئی رات کو باہر نکل کر دیکھنا کیسا جبر کڑ چلتا ہے کہ قائم نہ اٹھے۔ اس پالے میں جو رات بھر بے زبان جاو رہا ہر نگار ہا مہر تا نہیں کر گیا کرتا۔ اپنی آرام کی چیز بست سب چیزیں اندر پہنچائیں اس کی جان تو مفت کی تھی اسے کیوں لائیں۔ یہ پانچ سات بے زبان اللہ کی مخلوق تہا ہے قبضہ میں ہیں اتنا ان کا کھار یا چھڑا۔ مجھسوں سے بڑا۔ گہرے

کوسوں دور بے خطبے قصور اپنا جی بہلانے کو انہیں قید کیا تو اپنے آرام سے زیادہ اُن کے آرام کا انتظام کر دیا۔ کہلا کر کھاتیں پلا کر مٹیں۔ پہلے اُن کو مسکندہ دیتیں پھر آپ آرام کرتیں۔ یا یہ یہ نصیب جانور تھا کہ ہاتھوں اپنی زندگی ختم کر گیا۔ ہوا سے بچنے کے لئے آپ تو پرے بھی چھوڑے۔ انجیکشن بھی جلوائی اس مظلوم کا دھیان نہ کیا۔ آیا کس محبت کہتا تھا ”ٹھوٹھوٹے کی بوی“ مہٹو بیٹا اپنی جان تم پر سے قربان کر گیا۔ کسی دن محنت کا اوڑھنا بھول جائیں تو میں سمجھتی کہ طوطے کو بھی بھول گئیں ایسا لا پرواہ مزاج تھا تو ایک جانک بانی کی ذمہ داری کیوں لی تھی کس بھر دے اور کس برتے پر۔ اب یہ تھوڑے سے لال اور آج میں۔ آج ان کو بھی ہو جائے تو پاپ کٹ جائے جاری نوہی اس کے پتھر سے نکال باہر پینک آ۔

(۶)

دن اسی کل کل پٹ پٹ میں تمام ہونے آیا۔ نسیم عصر کی ناز پڑ کر بیٹی کتاب دیکھ رہی تھی۔ دھوینے نے کپڑوں کا گھٹ لائے ڈال دیا اندر کہنے لگی ابھی چھوٹی بی جلدی سے کپڑے دیکھ لو میرا بچہ صبح سے بناریں ہل ہلا رہی۔ اس کے لئے دو ایجاؤں نسیم نے نوہی سے کوئی منگووائی۔ کپڑے کہوئے اور ملاتے شروع کئے اور گن گن کر الگ کہتی گئی۔ احتیاط اتنی تھی کہ ہر کپڑے کو اندر سے کہو کر دیکھ لیتی تھی کہ کوئی داغ دھبہ تو باقی نہیں رہ گیا۔ کچی چکن کا نیا دوپٹہ سوئی کا ٹامکا ٹوٹا یوں کالیوں ہی دہلنے ہیچ دیا تھا۔ تیسری تہہ پر دیکھتی ہے تو دوپٹہ بتی بتی۔ نوں پاندہ ہنے کے لائق بھی نہیں۔ دھوین سے کہا قصور وار تھی منت سے کہنے لگی بیگم! نقصان تو جیک ہوا۔ میں دٹی پچانے میں ہی۔ لاد کی لاد آگے پڑی تھی بل نے چبائی۔ میرے حسابے کاٹ لینا۔ دھوین کا یہ جواب سن کر نسیم نے کہا! میری لگی لگائی لاگت اور خوشی تم نے سب غارت کر دی۔ کاٹوں گی تو میں خاک گر بیخ بہت ہوا۔ انجیکشن کے دونوں خلافت پلنگ کی چادر اور میری اوڑھنی کہاں پر خنکے ہاتھ پہنچی تھی۔ دھوین سنتے ہی قسمیں کھانے لگی کہ میرے ہاں کوئی چیز نہیں گئی۔

ادھر ننھا ادھر دہو بن قمیں کہا رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے میں دے آیا۔ وہ کہتی ہے نہیں لایا
 سنجیدہ بولی۔ بیٹی ایک دفعہ ہمیں ہزار بار دفعہ کہا اپنے ہاتھ سے دینا اور اپنے ہاتھ سے لینا
 یہ کیسی بے عقلی ہے کہ جو ملا اس کے ہاتھ بھیج دیا۔ دیکھ لو اتنے کپڑے ہاتھ سے جاتے رہے
 سنجیدہ ابھی بگڑ رہی تھی کہ بھانج کے یہاں سے لڑکی پوچھتی ہوئی آئی۔ یہ ادھنی چھوٹی
 بیگم کی تو نہیں ہے۔ بیوی کہتی ہیں کہ میرے ہاں تو رنگا گئی ادھنی کسی کی ہے نہیں۔ سیدھے
 ادھنی لے کر فوراً دیکھا پھر کہنے لگی۔ پھوپھی اماں نہ آپ دیکھیں میں تو جانتی ہوں میری بیٹی
 سنجیدہ نے کہا میں کیا دیکھوں۔ سیاہی کی شیشی پڑی جھک رہی ہے۔ اتنا ہوش شکوہ نہیں کہ
 کپڑوں پر نام لکھ لو۔ اتنی شستی بھی کس کام کی کہ ایک وحرف لکھنے کی فرصت نہیں۔
 اب جو نصیبت ہو چکے تو اندر اس غریب بہو کو تو چھٹی دو۔ ذرا تم آپ اٹھو وہ لڑکی کہاں
 کہاں کپڑے لائیگی۔ دنیا بھر کا قاعدہ یہ ہے۔ ایک جگہ مقرر ہوئی۔ میلے کپڑے سبے دیاں
 اُتار دیئے۔ میرے گھر کا باوا آدم ہی نہ لایا ہے۔ دو دیاں دو دیاں تین کہیں چاکر کہیں۔ کچھ
 دہو بن نے کہوئے کچھ گھر میں گئے چلو چھٹی ہوئی۔ سبحان اللہ یہ کرتے آیا ہے۔ دہو بن میں کالا
 تیل میں چاک بہ چک یہ دھلے گا کیا خاک۔ لاکھ صاف ہو چلے دھتے تو باقی ضرور
 ہی رہیں گے۔ میلے کپڑوں کو بھی احتیاط سے رکھتے ہیں۔ جتنے اُچلے اور صاف جائیں
 گے۔ اتنے ہی اچھے اور آبادار دھلکرائیں گے۔ لومو نہ ایک ہی ہے۔ دوسرے کا پتہ نہیں
 جب ہی تو کہتی ہوں آتا ہے ہی دقت حفاظت سے رکھو تو اس وقت یہ ڈنڈہ یا کہوں پڑے
 اور اس ڈنڈہ میں کہو پنچ لگ گئی تو سینا بھی نصیب نہ ہوا کہ دہو بن کے ہاں جا کر بالکل
 ہی مار مار ہو جائے۔ بیٹی کیا ہو گیا۔ دہو بن کے یہاں پٹا ہوا کپڑا اجا نکسی بے خبری ہے
 چلو اس بیچاری کو تو کپڑے لکھ کر دیاں دو۔ دہو بن میلے کپڑے لے کر گئی تو سیدہ
 نے گٹھری لاشیشی اتارنے کپڑوں پر نام لکھنا شروع کیا۔ سنجیدہ بولی کہتی تو ہو
 مگر اس میں ایک خبر ابی پھر کہ دھلکے سیاہی پہل جاتی ہے کپڑے پر نام لکھنے کی ایک کیسب مجھ کو

مس صاحبے بتائی تھی۔ یاد رکھنا بھولنا مت۔ چربے کا کاغذ ایک تختہ۔ کاربن پیپر۔ یعنی کالا کاغذ ایک تختہ (نیلا ہو تو انداز چہا) تھوڑا سا موم جامہ کا کپڑا۔ یہ تینوں بازار میں آسانی سے ملجائیں گے۔ پہلے چربے کے کاغذ پر پھول یا حرت یا ادر کو فی نشان فی جو بنانی ہو بنا لو یا کہیں سے دیکھ کر نقل کر لو۔ پھر اس کو ہاتھ سے صاف کر لو یعنی موٹی یا بہتری پہلی ہوئی نہ رہی۔ اسکو الگ الگ موم جلے کے کپڑے میں سے اس چربے کے کاغذ سے جس پر نشانی بنائی ہو ذرا بڑا کتر لو۔ اس کپڑے کے ٹکڑے کو کاغذ پر رکھ کر نیل یا سیاہی سے ہو ہو نقل کر لو۔ پھر جس کپڑے میں نشانی ڈالنی ہو اس کے کسی کو نہ پیر یا جہاں لکھنا ہو پنوں سے یہ ٹکڑا کپڑے کا لگا دو اس کے بعد پہلے کاغذ کا اتنا ہی ٹکڑا کتر کر موم جلے اور کپڑے کے بیچ میں کہو۔ پھر قلمی لکھی ڈیڑی یا ماسحتی دانت کی سلائی وغیرہ کو موم جلے کے پھول پر خوب زور سے پھر دنا کہ کا کاغذ اپنا نقش کپڑے پر دیدے۔ دھوئے دھوئے نہ جائیگا بیٹی نیلے کپڑوں کا انتظام نہ کرو گی تو اچلے کہاں سے پہنوں گی۔ میں نے جو کچھ کہا تمہارے نایب سے کو کہا۔

تصور تھا واقعی اور خطا و حقیقت، نسیم دم کیا مار سکتی تھی۔ پھوپھی کہتی جاتی تھی اور اس پر گہروں پانی پڑ رہا تھا۔ کپڑے جمع ہوئے تو وہ اس ٹہنگ کے اوڑھنی ملی تو پا یا منہ دار نہ دوپٹہ ہے تو کرتہ نہیں مزایہ تھا کہ ایک کرتہ ایک پا جامہ پھر تا پھر تا اناج کی کو بھڑی میں جا چنچا۔ منہ وق میں گہی کا کنشر۔ رستہ میں کپڑے لاتے لیجائے خوب چٹی پکھا۔ گہی کی خوشبو کپڑے کا معاملہ کرتہ کی استین پا جامہ کی موہری چوہے لے گئے۔ اور ہنسی کی ڈھنڈیا پڑی تو وہ بھی آدھی سے زیادہ بل میں پہنچ چکی تھی۔ کپڑے آئے تو سہی مگر کیسے بے ڈھنگے اور تتر بتر کہ خراکی پنہا۔ ایک مٹی کے تیل میں بسا ہوا تو دوسرا کچھ میں لت پت کسی پہ گہی کسی پتیل کسی پہ گارا کسی پر کچھڑ۔

سجیدہ حبیبی بیوی کا گہرا نسیم حبیبی کی کا انتظام کپڑوں کی بھگت ہنسی بھی آتی ہر افسوس بھی ہوتا ہر۔ مگر خدا نوا اسی کا ہلکا کرے جب صافی کی ضرورت ہوئی غلطی نہیں

گئی اور میلہ کپڑا اٹھا لائی۔ نسیم غریبے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ کپڑوں کو یہ آگ لگ رہی ہے اور وہ بی نوا اسی کوئے استرے سے میرا سر مونڈ رہی ہے۔ جو کہیں نسیم اس غصے میں نوا اسی کا نام لے لے تو سنجیدہ کچھ نہیں تو اس کو کچا کہا جائے۔ مگر انسانیت سمجھو یا محبت ساری آفت اپنے سر لے لی اور اس کا نام نہ لیا۔

(۲۷)

تربیت اور تعلیم دونوں چیزیں جیسی لازمی اور ضروری ہیں ویسی ہی مشکل اور اہم بھی ہیں۔ بچہ بچہ بھی کہ سنجیدہ نے صرف تربیت اپنے ذمہ لی اور تعلیم آسانی کے سپرد کی۔ وہ مرچکی اور ہلکوتر ناچ۔ سنجیدہ نے تربیت کا حق ایسا ادا کیا کہ اگر کوئی کرے گا تو بس اتنا۔ تیرہ برس کی نسیم کا جوڑی کا بخیہ ایسا کرتی تھی کہ اچھے اچھے سینے والا اس کے ہاتھ پر عرش عرش کرتے۔ سنجیدہ جیسی سکھانے والی اور نسیم جیسی سیکھنے والی ماشاء اللہ دسوں انگلیاں دسوں چراغ تھیں۔ کیا مجال جو کپڑے پر کبھی کسی قسم کا داغ دہیہ نظر آیا ہو مزاج میں اقیانوس ہاتھ تک کہ کبھی میلے ہاتھ تک سے کپڑا نہ چھوا۔ سینے بیٹی تو پہلے جگہ صاف کی چاندنی ہوئی چاندنی۔ چسا در ہوئی چادر۔ خالیچہ۔ قالین۔ دری۔ رحال۔ کوئی چیز بچہ بچہ لیتی تب اپنا اختر بختر کہہ لیتی۔ کھانے سے ناناغ ہوئی۔ صابن سے ہاتھ دھوئے پھو بھی تاک پڑ کر سو گئی۔ مگر اس کے واسطے دن کا سونا حرام۔ ہاتھ ہو کہ جہاں جہاں چل پڑا۔ قیم خانے کے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے موٹے جھوٹے کپڑے لاتے اور وہ سر آ نکھوپر رکھتی عید سے ایک دن پہلے ایک بچہ سات نہیں آٹھ برس کا ہو گارات کے وقت اپنا کرتہ پا جامہ لینے آیا۔ نسیم دن بھر اپنے چھوٹے بھائی کے کپڑوں میں لگی رہی کپڑا یوں کلاؤں رکھا تھا۔ بن ماں باپ کا کچھ اچلے کپڑوں کی خوشی عید کی امنگ سب خاک میں مل گئی آنکھ میں آنسو بھر کر کہنے لگا۔ اچھا تو آیا میں جاتا ہوں، نسیم نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آنسو بہہ رہے تھے۔ سوچنے لگی اس کا میرے اوپر کچھ زور نہیں خوشی کا سودا ہو مگر اس کا دل اس وقت

کیا کہہ یا ہوگا بچے کو اپنے پاس بل کر سر پر ہاتھ پیرا اور کہنے لگی بھائی اپنا دل نہ کرہ یا نمانہ سے پہلے اگر اپنے کپڑے لیجاؤ۔ مانا کر لڑکا بچہ تھا۔ لیکن نسیم بھی تو بڑی بوڑھی نہ تھی۔ برس کا ہر دن عید کا موقع۔ رات بیچ میں۔ جوڑی۔ مہندی کپڑا لنتہ بیسیوں کام تھے۔ مگر صدمہ آفریں نسیم تو بچے رات سے لیکر جو میٹھی تو گھر کا بچہ بچہ سو گیا اور وہ نہ ملی۔ ادھر دن نے صبح کی اذان دی ادھر اس نے ٹانگا توڑا۔

تربیت ہو تو اتنی اور تقدیر ہو تو ایسی جتنی محنت سنجیدہ نے نسیم پر کی سب نیک لگی سچ یہ ہی جیسی یا نفسانی سے اس نے بھائی کی اولاد کو پالنا ک کوئی اپنے پیٹ کی اولاد کو نہ پالیکا کون سا کام تھا جو نہ سکھایا اور کیا بات تھی جو نہ بتائی۔ چہہ برس کی جان کو برابر بٹھا سوئی دھا کا حوالے کیا۔ کترین گے ڈالیں دوپچی شروع کر دواوی۔ ذرا ہاتھ چل نکلا تو چھوٹے بھائی کا کرتہ دیا اور کہہ دیا برابر کے دونوں تنے ہیں۔ کندہوں کی تپچی چار انگل ادھر چار انگل ادھر کھڑ دو گرا تنی احتیاط کرنا دونوں تپچیاں برابر نہ ہوں یعنی اوپر کی چکلی دوسرا د نیچے کی تپلی دونوں سیونیں برابر کہو گی تو سیون موٹی ہو جائے گی۔ کندہوں کی تپچی کر لو تو بٹلوں اور پتھنوں کی سیونیں لودہ بھی اس طرح کہ اوپر کی چکلی نیچے کی تپلی۔ مزید پیسے کے اوپر دو نو آستینوں کے دو دو انگل کی پٹی چھوڑ کر لگانا۔ سمجھ گئی؟ چاکوں کے بیچ میں انگل بھر کی چکوتی لگے گی۔ جو بات نہ سمجھی ہو ابھی سے پوچھ لو۔

(تپچی تپچی کی ترکیب بچہ کپڑا ہاتھ میں لیکر بڑا اوپر اور چھوٹا نیچے رکھا اور پھر سینا شروع کیا۔ سوئی میں جتنا کپڑا آجائے۔ یعنی جب سوئی میں کپڑا بھر جائے اس وقت سوئی نکالو۔ اور پھر آگے شروع کر دو۔ اسی طرح ساری سیون ختم کر لو۔ جب پوری کر چکو تو جہاں تپچی شروع کی جڑ وہاں سے ناخن دو۔ مطلب یہ کہ ناخن سے کہیں پکڑ عات کر دو کہ تپچی کے بیچ میں جھول یا سلوٹ نہ رہ جائے یا تاگے کی گرہ نہ پڑ جائے۔ ہاں جہاں تپچی ختم ہو وہاں دو تین ٹانگے لگا کر دبا کا توڑنا کہ ادھر نہ جائے پھر چٹکی دینا وہ اس طرح کہ سیون

کو موڑ کر بس پھر کرتے کو ہاتھ سے صاف کر دو۔ اب کرتہ گہرا ہو گیا۔ وہ جو مونڈ ہے کی پٹی چھوڑ کر اس میں مال ڈرادو۔ پکلی پٹی اوپر اٹھائی۔ نیچے کی پتلی سیون میں ڈور اڑکھا اور وہ پکلی سیون اوپر رکھ دی۔ سیدہ یا کیا اور کوکڑی کہ چکلا تیلانہ ہو جائے۔ کوک تو جانتی ہونہ؟

(شہ) ایسے ایسے ٹانگے ڈور سے برابر لگا دیے کہ ڈور اچکلا تیلانہ ہو۔ اب کرتہ کو بھرا لیا کیا اور کھلی کی سیون سے تر بن شروع کی اوپر کی سیون پر پکلی تر کترواں سے موڑا۔ دو حصہ باہر ایک حصہ اندر گھوڑا اس طرح کہ سلوٹ نہ رہے پھر اسے برابر تر پنا شروع کیا۔ باہر ایک باہر ایک کی سیون کو زپتے تر پتے مونڈتے تاکائے مونڈ کر کے دوسری کٹی پر اتار لیا اس کو نیچے جا کر ختم کیا غرض اسی طرح چاروں سکلیاں کر لیں۔ پھر بغل کی سیون شروع کی دونوں بغلوں کو ختم کیا۔ اس کے بعد استین کی سیون شروع کی اور دونوں استینوں کو پورا کیا۔ اتنا ہو چکے تو کرتہ کو اب سیدھا کر دو۔

تر بن کا خاعدہ بھوک پھر کر کپڑا دونوں گھٹنوں میں پکڑ کر ایک ایک ٹانگہ لٹکا لٹکا شروع کر دیا تیجی کی طرح نہیں کہ جب کپڑا سوئی میں بھر گیا تو چھوڑا اگر ہاں جس طرح تیجی میں ختم کرتے وقت، دو تین ٹانگے لگائے ہیں اسی طرح تر پائی میں ٹانگہ توڑتے وقت، دو تین ٹانگے یوں ہی لگا دیتے ہیں اور پھر ختم کرتے ہیں تیجی کو ناخن سے صاف کرتے ہیں تر پائی کو انگلی سپر کر کہ ٹانگہ اچھی طرح بیٹھ جائے۔

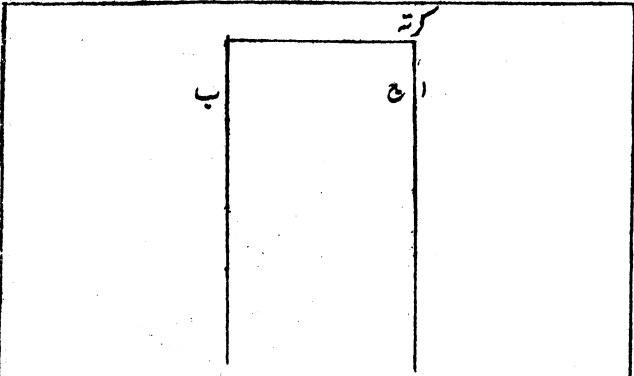
پھر کرتہ سیدھا کیا۔ ایک انگل سے کم گہر موڑا اور اس کی سیون تر بن کے لئے موڑ کر تر پنا شروع کیا گہر ختم کیا اندھا کوں کی سیون بہت تیلی موڑی اگر چاکوں میں ہو تو گہر تر پنا چاہئے چاک نہیں ہر کتنی بنیں ہر تو چار سیونیں۔ یہ سب کر چکو تو چکوتیاں تر پنا پھر مونڈ ہوں سے بخیمہ شروع ہوا۔ ہو چکا تو چکوتیوں پر کیا۔ گہر میں بل لگنی ہر تو چاکوتیاں نہ ہوں گی ان کے بدلے کوئے بن جائیں گے۔ اب گریبان۔ تو پہلے ایک انگل چوڑا داہنی طرف لگائی اور ہر سے لگا کر اوپر یعنی اسی طرف تر پنا۔ چار انگل پٹی میں سب کی اکہری

لگائی اور بیچی بھری۔ اس کو آدمی اٹھا دیا اور ایک تلم بنائی (کو کا) اگر بیان میں پٹی لگائی۔
چاہے کال لگاؤ چاہے آڑی پٹی۔ کال ہوگا تو سید ملے۔ پٹی ہوگی تو آڑی۔ پٹی لگائی ہو تو ڈورا
دیکر اس کو کوکا۔ کوک چلے تو پہلے یہ دیکھا کہ سید ملے۔ پھر بخینہ کیا اب دیر نیچے کا برابر رکھ کر
دیکھ لیا کہ درست ہے تو کاج بنا دیے بخینہ کر دیا۔

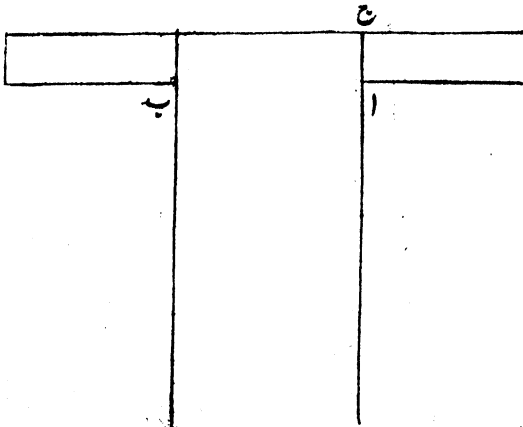
(بخینہ) بخینہ بھی تربانی کی طرح کشتوں میں لہکر ہوتا ہے مگر تربانی میں ایک ٹامکا براہر نکلتا ہے
بخینہ میں بالکل ملا ہوتا ہے جس طرح خشخاش کا دانہ بیت باریکٹ نا چاہیے کہ تہ تو خیر
ختم ہو گیا۔ مگر اودنے کی ابھی ترکیب ہ گئی۔

(ادرا) ادرا زیادہ تر پلنگ کی چادر میں یا بچھانے کی چاندنیوں میں ہوتا ہے اور
و طرح کا ہوتا ہے۔ پہلے میں تم کو سید ملے اور ما بتاؤں۔ ایک لیٹا اور ما کہلاتا ہے پھر وہ بتا دے
چادر کا سید ملے اور ما سمجھاؤں گی۔ مگر چادر میں تو مچھلی کا نٹا اچھا معلوم ہوتا ہے
خیر تھکے سمجھانے کے لئے چادر ہی میں بتاتی ہوں۔ کتنی سے کتنی ملا کر چار انگل سرے
پر سے سی۔ لیوں ہی شروع کر دو گی تو ایسا نہ ہو جہول بچلے۔ کتنی بڑھتی ہو جائے پہلے
تو چار انگل پاؤں کے انگوٹھے میں پکڑ کر سی لیا۔ پھر کشتے میں لہکر اور ما شروع کر دیا۔ اور
ساری سیون ختم کر دی۔ انگوٹھے کے ناخن سے صاف کیا اور چٹکی دیدی اور ما دور دور
نہ بھرنا چاہیے ہمیں تو جانی بڑھاتی ہے۔ پاس پاس ہو گتھا ہوا اور ما موٹے تاکے سے
ٹھیک ہوتا ہے اس کا بھی ایک ایک ٹانگا لیا جاتا ہے۔ تربانی میں اور اودے کے ٹانگے میں
فرق یہ ہے کہ اس کا ٹانگا ہمیں ہوتا ہے اس کا اس سے ذرا مٹھا۔

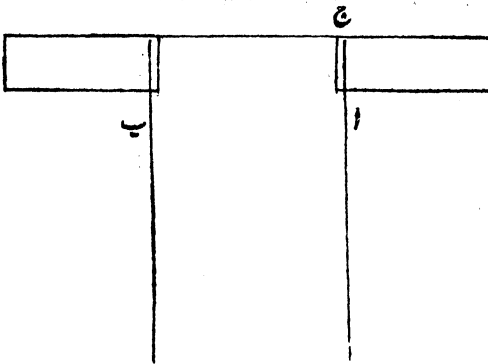
چادر میں ابھی ایک کسر رہ گئی۔ دونوں آنچل تر پے جائیں گے۔ اگر پٹیوں کی
طرف کئی ہی تو خیر نہ پٹی کی طرف سیون باریک پڑتی جائے گی۔ نشانی کے واسطے چاہے
کیسی بوٹی ڈالو۔ اچھا لو کہ نہ کا حساب سمجھو۔



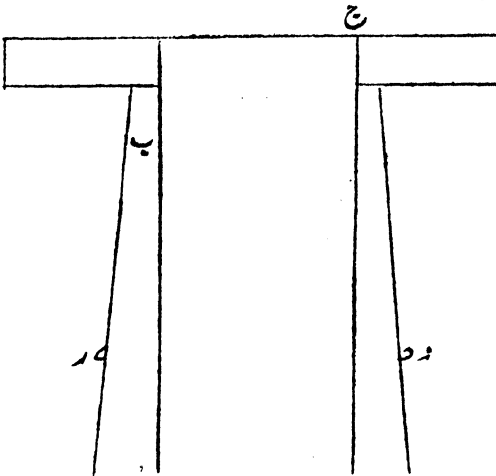
الف اور بے دو تنے میں جربان کی میچی بھری تو بھیا اوپر نیچے ہو گئے اب ضرورت ہے ان میں استین لگانے کی کسی ایک تنے کے بیچ میں شروع کرو۔ یعنی لمبائی کے بیچ میں جس جگہ جے جو اس چکلان کے بیچوں پنج استین لگ جانے کے بعد یہ صورت ہوگی۔



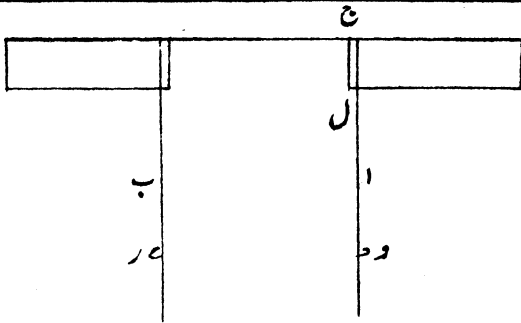
اب جو دو انگل کی پٹی مونڈ ہے پر ہے وہ تنے پر تری چلے گی اور کرتہ اس ہیئت پر ہوگا۔



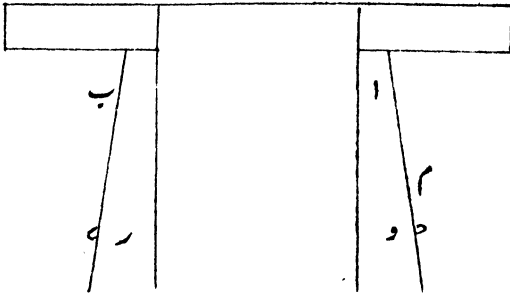
چاکوں کے پیچ میں جو چکوتیاں بنائی گئی ہیں اگر ہیں نہ لگائی جائے تو وہ بھی کڑی لائی
میں شامل ہیں جنکی صورت یہ ہے۔



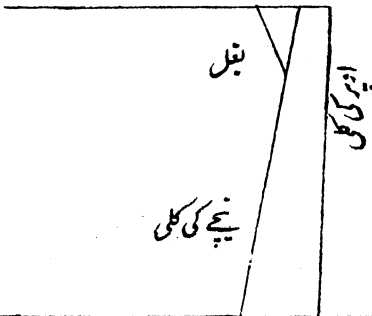
یہ دو آدردونوں چکوتیاں ہیں پیچ کی ترکیب بتانے کے لیے دو جہانوں دورے کا ذکر آیا ہے
وہ معماری کرتوں میں ضرور نہیں۔ نہ مردانے کرتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صرف زنانے کرتوں
میں ہے بھی اگر کپڑا اچھا ہو تو خوبصورتی کے واسطے۔ رنگ ملل۔ تن زیب غیر دین یا جاتا ہے



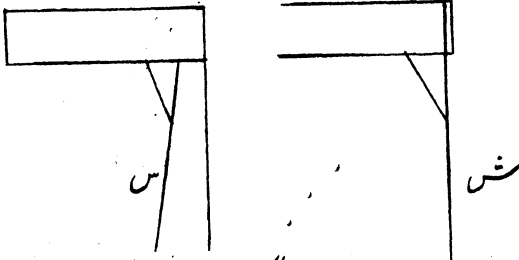
ل یعنی پھلی پٹی ابہر کی اٹھا کر نیچے کی پہلی سیون میں جہاں حرف تہ ہے یہاں ڈورا رکھا اور
یہ پاکہ کے اٹھیا ٹاکو کی دی اور بخیمہ شروع کر دیا۔ اب کلی کی سیون شروع کی اور وہ اس طرح



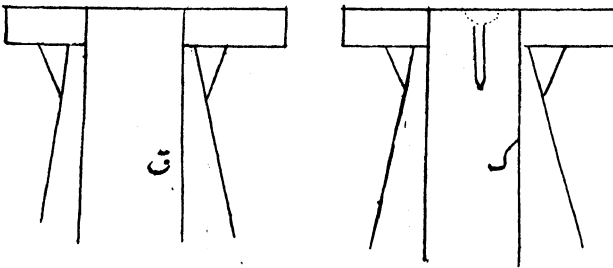
م اور نوں یہ دونوں کلیاں ہیں مگر کلی میر بغل پہلے سے لگا لینی چاہیے۔ یہ کلی میر بغل
جڑی ہوئی ہے۔



یہ دونوں کلیاں نفل میں لگی ہوئی ہیں جو استین میں لگا کر تنے پر لگیں گی۔



کلی میں نفل نکالنے کے بعد استین میں لگی ہوئی صورت 'س' سے ظاہر ہو رہی ہے جب یہ کلی نفل میں لگی استین میں جڑی تنے میں لگائی گئی تو اس کی صورت 'ش' کی ہے۔



ق سادہ کرتہ ہے جس میں فقط گہیر تر پاموا ہے۔ چکو تیاں لگی ہوئی ہیں بنیہ وغیرہ کچھ نہیں ہے، ک بالکل تیار کرتہ ہے گہیر میں ہل لگی ہے لال ڈورا ہے بنیہ ہے۔ یوں سمجھو یہ زمانہ ہے وہ مردانہ۔

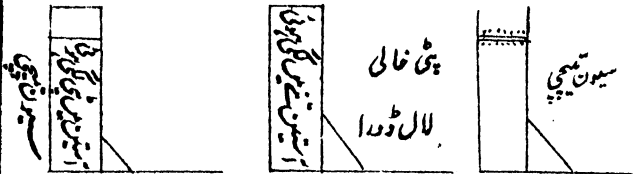
(۲۶)

شوق سے سیکھنے والی۔ دل سے سکھانے والی نسیم کے ہاتھ میں صفائی نہ ہوتی تو پھر کسے ہوتی کچھ ایسا چسکا پڑا کہ ادھر ادھر سے مانگ مانگ کر کپڑے بستی۔ آدھی آدھی رات تک بستی اور تیار کرتی دس میں کپڑوں کا کھلنا تھا یا تھ جم گیا نہ کہ سکھانے سے نامکا ملا۔ کرتہ ہو یا پاجامہ۔ صدی ہو یا کمری ایک سے ایک بڑھی۔ ایک سے ایک چڑھی گیا ہوئی

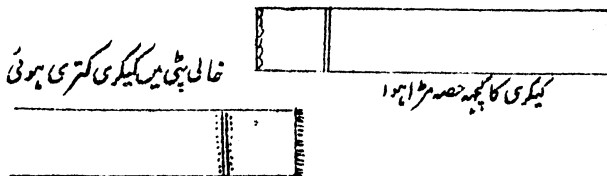
تو یہ کیفیت تھی کہ غیر تو غیر خود سگی مان مشکل سے پہچانتی کہ یہ نسیم کا ماتھا ہی۔ خدا کی قدرت منہجی کے ہاں ہوا لڑکا ضلع دار صاحب کو بیٹے کا ارمان تھا۔ بھائی کہنے کو تو ماشاء اللہ پانچ چہرے تھے اور سب صاحب دلا دگر نری بیٹیاں۔ سینکڑوں تدبیریں ہزاروں تکبیریں گنڈے اور تعویذ فلیتے اور ٹوٹے۔ دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر لڑکا نہ ہوتا تھا اور نہ ہوا۔ خدا خدا کر کے یہ دن ہوا کہ خاندان میں بیٹے کی صورت دکھائی دی۔ کہنے بھر میں عید تھی وہ دہوم دہام ہوئی کہ سارے شہر میں نام ہو گیا۔ جس جس سے جو کچھ ہو سکا اپنی اپنی حیثیت کے لائق سب ہی لین دین میں شریک ہوئے نسیم نے بھی بھانجے کے لئے کہہ ٹوپی تیار کیا۔ رشیمین ملل کا گلہائی کرتہ۔ سبز ساٹن کا پاجامہ اُسی کی ٹوپی بھوپھی کو بتانے کی بھی ضرورت نہ ہوئی۔ اس نے آپ ہی کترا اور سیا بھی۔ ٹوپی کے لئے ایک بچی آرٹی تین انگل کی چھکی بارہ بنائی اور گول چند وہ کتر باڑیں لگا لیا۔ نیچے قند کا استر ایک قند کی پٹی سید ہی تین انگل کی چھکی پٹھے کے لئے۔ نیچی لگائی۔ پہلے پٹھا نکھا اس کے آگے بچے گو کہرو کی ایک لڑی اور پھر سادے کی کٹوریوں کی پنج۔ نیچی توئی آگے بچے گو کہرو کی ایک لڑی اور پھر نری سنہری کرن اس سید ہی بچی پر ٹانگ کر الگ رکھی۔ چند سے اور بارہ پیرما ہی پشت کا گو کہرو کا جال۔ بیچ میں کرن کا پھول مانگ پر گو کہرو کی قینچی ٹانگتہ جو پٹھا الگ کہا تھا اس میں لگا دیا۔ ٹوپی تیار ہو گئی۔ بہن کے بچہ کی خاطر اس قدر محنت کی یہ تو کوئی ایسی انوکھی بات نہ تھی مگر نسیم کی مروت تو اپنے بیگانے کے حق میں یکساں تھی۔ آدھی آدھی رات تک بیٹھی پڑوسیوں کے کپڑے سیتی اور سینا نہ مٹتا۔ مفت کا درزی۔ بے داموں کی مغلانی۔ سلوانے والوں کا کیا جاتا تھا جس کو ضرورت ہوئی اُٹھائے کپڑے بھیج دیے۔ پڑوس میں ایک بڑی بیگم رہتی تھیں صبح کی نماز پڑھ ایک ن نسیم قرآن شریف پڑھتے بیٹھی کہ بڑی بیگم صاحب کی ماما بڑے عرض کی چہرہ گز تن زیب لیکر آئی۔ سلام کیا اور کہا۔ بیوی نے

بہت بہت دعا کی ہو اور یہ کہا ہو کہ اگر آپ کو فرصت ہو تو چار کرتے سی دیکھئے گریبان اور مونڈہ ہوں میں لیکری اور کٹاؤ ہوگا۔

انکا رتو بڑی چیز ہے۔ نسیم کے مزاج سے تو مال بھی شکل تھا۔ تن زیب گھڑی میں باندھ پڑتے بیٹھ گئی۔ دوپہر کو مکھانے پینے سے فراغت پا کر کرتے سینے شروع کئے اور استینیں لگائیں۔ ڈھانچی انگل کی پٹی میں سمکھ کی پہاڑ کو ادھر ادھر دونوں مونڈہ ہوں پر لگائی۔ سیون کی جگہ ایک ایک انگل پٹی استین کی طرف لیکری کے حق کی چوڑ کر بنجیہ۔ برابر میں لال ڈورا دیکر کوک دی اور پھر بنجیہ کیا۔

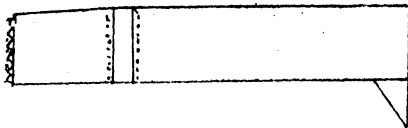


اب جو پٹی تہ کی طرف بچی ہو اس کو صاف کیا اور جتنی پٹی ادھر چھوڑی تھی اتنی ہی دوسری طرف لیکری کے حق کی چوڑ کر کوک دی۔ وہ پٹی جو لیکری کے واسطے باقی ہے اس کو انگل انگل بھر سے کم برابر کتر اور لیکری موڑ کر سینا شروع کیا۔

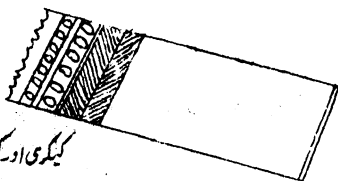


مڑتی گئی اور سیتی گئی دانہ اس طرح موڑا کہ اوپر سے زیادہ نیچے سے کم اتنا ہی دوسری طرف سے مڑا تو بیچ کا دانہ خوبصورت ہو گیا۔ نوک ٹیر ہی نہیں پھونٹتا رہیں۔ نوک سیدھی دانہ برابر جتنی نوک تیلی مڑی اتنی ہی خوبصورت لیکری ہوئی

تیار کیلکری



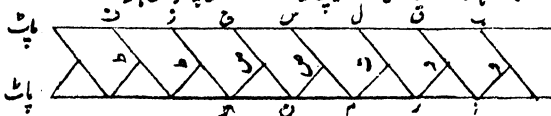
کیلکری ہو چکی تو آستین بھولی اور اس کو اس طرح موڑا کہ کرتہ کا پٹرا الگ ہو اور زمین سکھ
 جو بیج کا باقی ہو وہ الگ پھینچ کاغذ میں پٹی جو باقی ہو اس کو اس طرح سیون سے سیون
 برابر ملا کر دہرا لیا کہ کتنی بڑھتی نہ ہو پھر اس کو ایک ایک چا دل چکلا آڑا کتر لگو کوک تک ختم
 نہ کیا نہیں تو پٹی بالکل کٹ جلے گی۔ اور الگ ہو جائیگی۔ کترنے کے بعد صاف کیا بیج
 میں کوک دی اور تر بننا شروع کیا۔ مگر وہیں سے تر پنا شروع کیا جہاں سے کتر ہو۔ ایک طرف سے
 جس قدر کتر ہو سب سیون میں ختم کیں۔ پھر دوسری طرف کا شروع کیا۔ کٹاؤں میں سر سے
 بڑی احتیاط اس بات کی ہو کہ نوک برابر ہو۔ ایک کے پیٹ میں سے ایک ہو۔ چکلی
 بتلی یا ٹیرھی سیدھی نہ ہو۔ گول یعنی آدی کٹاؤ پہلے کر لیتے اور بعض دوسری طرح
 سے بھی کرتے ہیں مگر یہ بہت آسان طریقہ ہے۔



کیلکری اور کٹاؤ

بیگم صاحب کی درخواست یا فرمائش جو کچھ بھی تھی بس اتنی کہ کیلکری اور کٹاؤ ہو جائے
 مگر نسیم نے تو کرتے ایسے طیار کئے کہ بیگم صاحب کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ گہیر میں بھول
 پتی کی سیل ایسی کہ دیکھنے دکھانے کے لائق پہنے ایک نکل پٹی نین سکھ کی کتری اور گہیر
 پر کہلو ایک چاک سے دوسرے چاک تک میچھی بھڑی۔ موڑ کر چٹکی دی۔ صاف کیا دھبی
 کو الٹ کر اس میں لال ڈورا دیدیا۔ سیدھا کر کے کوک مار دی۔ بخیہ کیا۔

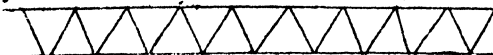
کی۔ بیچ میں مچھلی کا ٹٹا کیا۔ جب سیون کی جالی پوری ہو گئی۔ پاٹ جڑ چکے تو چاروں طرف سے ایک ایک انگلی موڑنا شروع کیا۔ دُور ادیکر کوک کا بخیہ کیا۔ وہ جو کپڑا امر کر چھپ رہا اس کی کیمکری بنائی۔ لگے بازار کی بیل لگائی۔ تینوں پٹیاں کاڑیں ایک پاٹ کی دو اس پاس چاروں کونوں پر چار بوتیاں بنائیں چار تیار ہو چکی تو بیگم صاحب کہنے لگیں ذرا تم مجھ کو مچھلی کاٹنے کی ترکیب بتا دو نصیبہ نے کہا ابھی لیجئے یہ بھی کوئی کام ہے۔ دیکھئے دو دنوں پاٹوں کو برابر کیا مگر اس طرح کہ جھول نہ رہے۔ کتنی سے کتنی ملا کر سینا شروع کیا۔ بس اتنی بات ہے کہ سوئی دیا گئے کے بیچ میں سے نکلا کتنی پر جاتی ہے۔



یہ دیکھئے سوئی الف سے تہ تک چلی اور پھر ت سے سوئی پٹ کر اسی پٹ کی جگہ ڈاکر تہ تک نکال لی۔ ت سے ق تک گئے اور پھر اسی تانگے میں سے پرو کر تہ تک لائے۔ ت سے ل تک گئے پھر اسی ت میں سے پرو کر تہ تک لائے اسی طرح چلے گئے اگر تانگے میں نہ نکالو برابر سے سوئی نکالو تو جالی نیچلے گی۔



بات فقط اتنی ہے کہ سوئی ختم کر کے ذرا پٹ کر کے نکال لی۔ مگر بیگم صاحب ایک چیز اور رہ گئی لائے وہ بھی بتا دوں اسے لیٹا اور ماگتے ہیں اس میں کچھ بھی ہیر پہر نہیں۔ نہ تانگے میں سے نکالو نہ پلٹو۔ سید ہی طرح سوئی نکالتی چلی جاؤ۔ لیجئے لیٹا اور ماگتے گئے۔



مچھلی کاٹنے میں تانگا نہ اڑھیلارہیگا کہ خوبصورت معلوم ہے اور جالی میں بھی زیادہ نہ کچھ گاہاں اورے میں بہت کچھ رہیگا۔ اور موٹا ہو گا۔ کتنی سے کتنی ملی رہیگی۔ اگر کتنی نہ ہر دو دنوں طرف سے باریک موڑ لینا چاہیے۔

ابھی بگم صاحب بیٹھی ہوئی تھیں کہ برابر کے گھر سے کہڑ کی کھول لوٹ کی چہپا ہوا کہتہ ہاتھ میں لیکو آئی اور کہنے لگی آپاں سیمہ۔ انگلیاں تو دونوں چہد گئیں اور بوٹی ایکٹ بنی رسیہ نے کہا۔ بوا۔ میں نے اسی وقت کہا تھا۔ دو چار بوٹیاں تہلے سامنے بنا دوں۔ تم کہنے لگیں میں سمجھ گئی۔ دیکھو یہ مولسری کی بوٹی کہلاتی ہے صرف دو ٹکے سے سی جاتی ہے پہلے ایک نیچے نکالا۔ پھر ایک اوپر۔ دیکھو یوں سمجھو۔ یہ بوٹی جڑ کی ہے

الف سے شروع کیا اور بت تک تمیچی بھر کر لائے مگر اس طرح

کہ یہ جو کندلی سی ہے اس پر پہیرتے ہوئے سوئی کو بت تک لائے

اب ایک ٹانکا جس جگہ تو لکھا ہے بیان نکالا۔ کیونکہ جڑ کی پتی بنانی ہے پھر تانگے کے نیچے سے سوئی نکال دو سہرا ٹانکا اس پتی کی جڑ یعنی ت میں سے نکالا اب یہاں دو ٹانگے جڑ میں ت سے بت تک تمیچی کے ایک ٹانکا پتی بنانے کے واسطے دیاں لیا۔ جہاں ج لکھا ہے۔ پھر اس طرح سوئی کو اس پتی کی جڑ یعنی ت میں سے نکالا۔ غرض اس طرح تیسری جو تھی اور پانچویں پتی بنانی اس کے بعد یہ الف سے بت تک خالی ہے۔ اس پر آڑے اور مے کی نکلے گی۔ یہ تو چھپی ہوئی ہے بہت مشکل نہیں۔

لے لو مولسری ہو گئی۔ اور یہ دیکھئے یہ دوسری بوٹی تمیچی کی ہے اسے چو سوئیاں کہتے ہیں پتیاں اس میں بھی ہیں پہلے الف سے بت تک تمیچی بھری پھر بت سے الف تک سوئی واپس پھری تو الف کے پاس یہ کندلی سی بنا لیجئے جڑ تیار ہوئی اب پتیاں بنانی ہیں جڑ یعنی ڈنڈی کے پنج میں سے جہاں ج ہے پتی بنائی ہے پہلی پتی ج سے دیک گئی دوسری دال سے ج تک ٹاپسائی چونکہ بوٹی چو سوئی

کہلاتی ہے۔ اس لئے ہر تپتی پر چار سوئیاں نکلیں گی۔ یہ بوٹی تیار ہوگئی
مگر اتنی بات ہو کہ یہ کچھ تیار ہے اگر کچھ نیکی تو کندلی کے بیج میں سے
سوئی سے چھید کر کے اور ما بھرا جائیگا۔ ہر تپتی پر اور ما ہوگا
اور ڈنڈھی پر بھی۔ لیکن نین سکھ پر کڑھیک کی تو کندلی سے

اور جو تن زیب پر کڑھیک تو باریک تلگے سے۔ یہ جو کندلی میں چھید سا ہو۔ یہ اور ما ہے
لو پکی ہوگئی سب پتیوں پر اور ما کر دیا ہو فقط اتنی بات ہو کہ ہر تپتی پر آڑی سوئی سے اور ما کیا ہے۔
اب آپ ایک اور بوٹی ملاحظہ فرمائیے اسے بوئے کی چار سوئیاں کہتے ہیں۔ یہ سطح کو کہتی

ہے کہ چاروں سوئیاں اوپر ہی اوپر رہتی ہیں نیچے نہیں آتیں یعنی جڑ
تو اس طرح بنائی جس طرح پہلی بوٹیوں میں الف سے ت تا کی بیج کی اور کندلی بنا کر سوئی کو
و تک پہنچانے اب جس طرح مولسری کی بوٹی میں جڑ کے بیج سے تپتی
بنانی شروع کی ہو اسی طرح وہ سے پہلا کام نکالا اور دوسرا ٹانکا

تو پرنکالا اب تیسری سوئی اسی ٹانکے میں سے نکلیں گی یعنی موتیا ہوگا۔ تم میں سے سوئی ہوتی ہوئی
تو پرانے گی۔ اب سوئی تپ کی طرف سے بڑھی۔ دو ٹانکے لیکر دوسری بوٹی پر سوئی گئی۔ دو

ٹانکوں سے مطلب یہ ہو ایک واؤ اور اس کے بیج میں
اور ایک تس پر۔ چنانچہ تس چکی کی جڑ ہوگی اب ٹانکا

ت پرنکالا اور دوسرا تس پر۔ تیسری سوئی آت میں ہوتی ہوئی تس پر آئی اب آپ
سمجھ گئی ہوں گی۔ بس اتنا خیال رکھیے کہ سیدھی طرف سے شروع اور اسی طرف ختم
ہاں یہ یاد رکھیے کہ تیسری سوئی ٹانگے کے اندر سے نکلیں گی۔ رہی یہ بیج کی کندلی اس میں
اسی طرح جیسا پہلی بوٹیوں میں آپ نے دیکھا تین چار دفعہ سوئی پہر کر چھید کر لیا اور اور ما کر لیا

چاہے پتیوں سے پہنچے چاہے پیچھے۔ اچھا ایک آدھ بوٹی
بکی بھی ملاحظہ کیجئے۔ دیکھئے خا نہ توڑ کی بتاتی ہوں

پیلے آفت پرادرے کی کچی کندلی بنانی پھر سوئی پیچی بھر کے تب تک لائے اس پر آڑا اور ما
 شروع کیا کہ کچی ہو جائے اب جو یہ جڑ کی بنی ہر جگہ اس کو پکا کیا
 یعنی آڑا اور ما کیا یہ دیکھئے پتی پر آڑا اور ما ہوا ہے۔ کچی ہو گئی اب
 اس کے بعد باقی پتیاں شروع کیں ملاحظہ کیجئے۔ نیچے کی پتی تو اسی قسم کی ہی باقی
 پتیاں اسی ہیں۔ ہم نے یہ آپ کو اختیار ہے نیچے ایک کیلئے یا دو دیگر ہاں صبر
 یہ خیال کیجئے گا۔ جب پتی جگہ کی تیار ہو گئی تو دال کی تباری کے وقت
 پتی کی ڈنڈی کی جڑ میں جہاں مہر دو ٹانگے لے کر سوئی سے اوپر
 جا کر پتی کے بیج میں چھید کیا۔ پھر برابر چھید میں اور ما شروع کیا۔ پتی میں آڑا ہوا بوٹی میں
 گول ہو گا۔ اس کے بعد ڈنڈی میں جہاں دو ٹانگے پیچی کے لئے تھے اس پر اور ما کر دیا۔
 اسی طرح سب پتیوں کو تیار کر لیا یہ تو ہو گئی۔ اب ایک بوٹی پہنڈے کی جسے بٹن بھی کہتے
 ہیں۔ جڑ اور ایک پتی تو اس طرح بنے گی۔ جیسے پہلے۔ ہاں
 پتیوں میں فرق ہو۔ دیکھئے یہ پہلی پتی ل کی ہے۔ اس کی ترکیب
 یہ ہے۔ جب جڑ اور جڑ کی پتی بنانی تو پتی ل پر آئے۔ پہلے تو تین چار دو فغاندہ سوئی پھر
 کہ چھید کر لیا۔ اب چھید میں سوئی نکالی اندر ہاتھ کے انگوٹھے سے تاکا دیا کہ دوسری سوئی
 پھر نکالی چونکہ تاکا دیا ہوا ہے۔ دوسری سوئی تاکے کے اندر سے نکلیگی۔ اسی طرح دوسری
 سوئی تاکے کے اندر سے نکالی۔ غرض جتنی سوئیاں نکلیں گی تاکے کے اندر سے نکلیں گی
 کہ پھندا بن جائے۔ غرض اسی طرح سب تیار ہیں۔ چاہے تین دیکھے چار دیکھے نسبتاً لمبی
 کہ سمجھاتی رہی اب یہ سلیم صاحب بھی پاس میں تھے تو جہ سے سنتی رہیں وہ تو پہلے ہی نیکہ کا کلمہ
 پڑھ رہے تھے اس وقت بالکل ہما ایمان لے آئیں اور ہزاروں غائیں جتنی ہوتی زھشت ہوئیں

(۲۸)

ہستی کو دیکھ دیکھ کر ہر کچھ کا خون چلوؤں تر رہتا تھا کہ جتنی جتنی اس میں پرویٹے قربان اور

بیرے اور لالہ نثار۔ گیارہویں برس کا پورا ہوتا تھا کہ کنبہ بھر میں ہاک ہو گئی قیمتی سے قیمتی کپڑے اور شکل سے شکل پھول پتیان جھاڑ ساٹھ برس کی بڑی بوڑھیاں ایک کھیر لڑکی ہوں۔ اتنی سی جان بے چہاں اور بے نشان اُسے ہاتھ کا کرتب چھٹی سبیمہ کی گڑیا بارہ برس کی عمر میں پچاس برس کی بوڑھیا پھوپھی سے بازی لے گئی ایسے ترخ اور بیل پتیاں مل سے نکالتی اور ہاتھ سے بناتی کہ وہ پھوپھی یا اُستانی جو کچھ تھی فلک ہجاتی۔ ایک دن دوپہر کے وقت باہر سے نوکر نے گھر کا اطلاع دیجا اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہا یو پوے بیایس۔ پے کا سودا اُگیا۔ تول لیجئے اور حساب کر لیجئے۔ دس روپے کے گھوں پونے گیارہ بیرے ہیں۔ آٹھ روپے کا گھی ڈیڑھ چٹانک سیر کا ملا ہے۔ پیدان دونوں تلواریں تو اور بتاؤں نسیمہ نے پتیلی کا ڈھڑا کر کے پیسجیا تھا۔ دھڑے کے بٹ ترازویں جوں کے توں کھے تھے اس نے ما کی نواسی سے کہا کہ تول لے۔ گھی تول تو پونے نو سیر اتر ا نواسی کہنے لگی لو چھوٹی بی پونے نو سیر ہے۔ ایک سو دوپہ کا ڈیڑھ چٹانک سیر آٹھ روپے کا کتنا چاہیے۔

نسیمہ۔ مجھ سے پوچھ رہی ہو خود نہیں حساب کر سکیں؟ پہاڑے اگر یاد ہیں تو کیا وقت ہے۔ سیر کی سولہ چٹانکس ہوتی ہیں آٹھ روپے کا آٹھ سیر تو الگ ہو گیا۔ اب ہاڈیڑھ چٹانک فی روپیہ۔ آٹھ ڈیوڑھے بارہ یوں سمجھو آٹھ روپے کی آٹھ چٹانکس الگ ہیں۔ اب آٹھ چٹانک فی روپیہ آدھی چٹانکس کی چار چٹانکس چار چٹانکس کا پاؤ سیر اب جوڑو آٹھ سیر ایک چٹانک ایک ساڑھے آٹھ سیر تو بھی ہو گیا پاؤ سیر ایک پونے نو سیر ٹھیک ہے چار چٹانک تو بتاؤ اگر ڈیڑھ چٹانک کم سیر تو کتنا ہوتا ہے چٹانک دو سے حساب کرو سیر کی سولہ ڈیڑھ چٹانکس سیر کم کر سولہ چٹانک میں سے ڈیڑھ چٹانک نکال دو ساڑھے چودہ ہیں۔ اب آدھی چٹانک تو الگ کر دو۔ چودہ ہیں آٹھ روپے کا حساب کرتا ہے۔ چودہ اسٹے ایک سو بارہ اگر آدھ پا کم سیر ہوتا۔ یعنی چودہ چٹانک فی روپیہ تو آٹھ روپیہ کا

ایک سو بارہ چھٹانک ہوتا۔ مگر میں پوچھ رہی ہوں بڑھ چھٹانک کم یعنی آدھ پلے آدھ چھٹانک بڑھتی تو ایک دہی چھٹانک فی روپیہ در حساب کرلو۔ آٹھ کے آدھے چار تو گویا چار چھٹانکس اور ہوئیں ایک سو بارہ تو آدھ ہوئیں اور چار یہ کل ایک سو سو لہ چھٹانکس ہوتیں۔ ان کے سیر بنالو۔ سو لہ سے ایک سو بارہ سیر تو یہ ہو گئے۔ چار چھٹانکوں کا پانچ سیر۔ کل سو سات سیر ہو ا۔ دیکھو یہی ہے مہ ہارہ۔

دو	دو	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
دو	دو	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
تین	تین	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
چار	چار	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
پانچ	پانچ	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
چھ	چھ	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
سات	سات	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
آٹھ	آٹھ	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
نو	نو	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
دس	دس	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
گیارہ	گیارہ	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
بارہ	بارہ	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
تیرہ	تیرہ	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
چودہ	چودہ	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
پندرہ	پندرہ	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس
سولہ	سولہ	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس	تیس

اور یہ دونوں سطریں تو یاد ہوں گی یا اس میں بھی سوچنے کی ضرورت ہے

۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰
۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰

اتنا البتہ یاد رکھنا چاہیے کہ تولے مائے تو ہر وقت ہر گھر میں ہوتے نہیں اگر تولہ بھر تولہ ہو تو روپیہ چھٹانک بھر تولہ ہو تو پانچ روپے بھر تول لیا۔ ایک حساب اور بتاؤ اگر کسی ڈیڑھ چھٹانک کے بدلے ڈھائی چھٹانک کم ہوتا اور آٹھ کے بجائے سات روپے کا ہوتا تو کتنا ہوتا۔ دیکھو سولہ چھٹانک کے بدلے ڈھائی چھٹانک کم کرو ساڑھے تیرہ ہیں سات کا حساب کرنا ہے۔ تیرہ ستے کیا نوے آدھی چھٹانک باقی ہے۔ سات کے آدھے ساڑھے تین۔ کیا نوے اور ساڑھے تین چور نوے اب چھٹانکیوں کے سیر بنالو۔ سولہ چھٹے چھٹانک۔ چھٹانک نوے ہوئیں تو چھ سیر ہوتے اب یہ ساڑھے چور نوے ہیں یعنی ڈیڑھ چھٹانک کم۔ تولے کو حساب ہو گیا۔ ڈیڑھ چھٹانک کم چھ سیر۔

ابھا اب گہوں تولو۔ پونے گیارہ سیر کے کہہ رہا ہے۔ دس روپے کے کتے ہوں گے گیارہ ڈھائی ایک سو دس گیارہ سیر کے ہونے تو ایک سو دس سیر ہوئے اب پونے گیارہ ہیں یعنی پانچ سو کم دس پو سٹرن کا کیا ہوا۔ ڈھائی سیر ایک سو دس میں سے ڈھائی نکال لو۔ ایک سو ساڑھے سات سیر ہوئے اس کے من بنالو۔ دو من اتنی سیر ہو گئے باقی بچے ساڑھے سات سیر اس کا دہون بناؤ گی تو میں سیر کا دہون۔ دو من ایک دہون ساڑھے سات سیر ہوئے۔ دھڑی بناؤ تو پانچ سیر کی دھڑی۔ چاہے دو من ساڑھے پانچ دھڑی رکھ لو۔ چاہے دو من ایک دہون ڈیڑھ دھڑی رکھ لو۔

نواسی (تو لکھو) جی ہاں بھوئی بنی ٹھیک ہیں۔ دیکھئے ذراستے آتے ہیں۔
 نسیمہ۔ خیر اس کا خیال نہ کرو چھٹانک آدھی چھٹانک چھیچھن کے ادھر ادھر
 ہو گئے تو جلنے دو۔ یہ تو تم جانتی ہو تین ادھ بیوں کا ڈیڑھ پاتین چھٹکیوں کا پون پا ادھ ہاں
 یہ تو بتا دو اگر یہ گیسوں سو چودہ سیر کے ہوتے تو دس روپے کے کتنے ہوتے دیکھو چودہ ڈالنی ایک سو
 چالیس اگر چودہ سیر کے ہوتے تو سیدھا حساب تھا اب یہاں سو چودہ ہیں پا دسیر بڑھتی ہیں
 دس سو سیروں کے ڈالنی سیر در زیادہ کر لو۔ ایک سو چالیس سیر کے ساڑھے تین من ہوئے نہیں
 چالیس تقسیم کر لو۔ چالیس تینے ایک سو میں تین من تو الگ ہو گئے میں سیر یا دھون بھریا
 چار دھڑی الگ ہیں۔ ساڑھے تین من سمجھو۔ بس اب ڈالنی سیر روپے کو حساب پورا
 ہو گیا۔

اچھا اور بتاؤ ایک چیز چودہ آنے سیر ہی پون پا کتنے کی ہوئی اور پاؤ بھر کتنے کی سنو۔
 ایک بہت آسان طریقہ بتاتی ہوں۔ یہ کچھ معلوم ہی تین پانی کا ایک پیسہ چار پیسہ کا ایک آنہ
 سولہ آنے کا ایک پیسہ پندرہ روپے کی ایک اشرفی جس کو گنتی سرین پونڈ بھی کہتے ہیں۔ لو
 اب پیز کے نام لگتے۔ چودہ آنہ کی سیر ہے نہ۔ ان چودہ آنے کے پیسے بنا لو۔ چودہ چوک
 چھین پیسے ہوئے۔ یعنی ایک چیز چھین پیسہ کی سیر بھر تو پون پا کتنے کی۔ یوں حساب
 کرو کہ ساڑھے تین پیسے چھٹانک ہوئی۔ چھین پیسے کی سیر بھر اٹھائیس پیسے کی آدھ سیر
 چودہ پیسے کی پاؤ سیر ہوئی۔ اس میں سے چھٹانک بھر کے دام نکالو۔ پون پا کے معلوم
 ہو گئے۔ چھٹانک بھر کے بڑا دو سو پا کے معلوم ہو گئے۔ چودہ میں سے ساڑھے تین پیسے
 سکے دھیل ڈالنی آنے رہی۔ یہ پون پا کی قیمت ہوئی۔ چودہ میں ساڑھے تین جوڑ دیے
 دھیل سو چار آنے ہوئے۔ یہ سو پا کی قیمت ہو گئی۔

لو اب یہ مال چاروں سب تول لو۔ نوٹاب کی دال ایک آنہ روپے کی آٹھ سیر سو
 چار روپے کی تیس سیر ہوئی ٹھیک ہی۔ مریں اچھی سرخ پٹنہ کی کہنے بہاؤ چھ آنے

سیرکبٹ ہی ہیں۔ سوا سیر ساڑ پے سات آنے کی ہوئیں۔ یہ پونے آٹھ آنے کی کس حساب بتا رہا،
 نئی چھالیہ کس نے منگائی تھی۔ آدھی سے زیادہ لگی تھکتی ہے۔ یہ تو یوں کی یوں ہی لٹی پہرہ۔
 یہ قوت کہیں کا۔ جانا بڑی بی کہنا بارہ جینے کی لانے والا۔ میں کبھی نئی چھالیہ کھاتی
 ہوں۔ پرانی لا۔ دیکھو کتھ بھی اڑتا ہوا ہے کہ بخت آنکھیں بند کر کے کیوں سو دلاتا ہے۔ کیوں رہے
 کہ ہم یہ کہتے پاؤں سیر ہے۔ سوار وہ پنے کے دام اندر پھر بھی اڑتا ہوا ہے۔ دیکھے نہ بھائے، تو نے نہ کچھ
 جو کا غدار نے دیہ یا آنکھیں بند کیں ورنے آیا۔ تجھے بھی میڑوں پھیڑوں کا مزا چڑ گیا ہے۔ بس
 ایکا گیا گیا شام کو بیٹھو۔ محنت کا پیہ تو نہیں ہے کہ جو تو رہے وہ میں کہہ لوں کیوں ایسا
 سینکڑوں کیس ہزار نہیں کہ چلتے ہی چلتے آندہ آجائے۔ تگڑی دو قدم پر منسٹری
 ماں یہ ادھر کی وال تو سیر کیونکر آئی۔ پرسوں ہی تو نصیباً بھائی کے یہاں نئی دال
 سوا دس سیر کی لانی تھی۔ تجھے مہر کی صورت دیکھ کر اور سوا سیر کم کر دی۔ جا اس کو بھی
 پہرہ۔ عورت ذات تو لائے سوا دس سیر بھ سو ما تو ہی سیر اٹھا لائے۔ یہ چنے تیرہ سیر
 بارہ آنے کے کس حساب ہوئے۔ دنیا جہان میں پونے اٹھارہ پکٹ ہی ہیں۔ ایک ٹپے
 کے پونے اٹھارہ۔ آٹھ آنے کے آدھ پاکم نو سیر چائے کے چٹا تک کم ساڑ ہے چار سیر
 جو چار آنے کے ہوئے وہ پونے اٹھارہ میں سے نکال دو۔ باقی بارہ آنے کے رہ جائیں
 تو پونے اٹھارہ میں سے چار سیر گئے پونے چودہ رہے۔ اس میں سے آدھ سیر اونکا لو
 سوا تیرہ رہے مگر نکالنے میں چٹا تک کم آدھ سیر اونکا لے پورے آدھ سیر سوا تیرہ سیر
 میں چٹا تک بھر اور ملاؤ سوا پاؤ ہوئے یہ فقط تیرہ سیر ہیں۔ سوا پا کہاں غارت ہوئے
 جب کم بخت سوا لائیگا ایسا ہی خاک اڑ لائیگا۔ آدھ پاؤ اڑنا پونا جو ہاتھ لگا لایا اور
 پٹھنا یا غضب خدا کا یہ جو سیرے چاول ہیں موٹے کہدی۔ بھائی اتنا کہا جتنا
 اٹے میں نمک۔ بی تو اسی اب یہ سب چیزیں ٹٹکے ٹھیلیوں میں بھر کر کہ ٹھری میں کہہ
 قفل لگا دو۔ ہینہ بھر کا سب سامان ہی سب پہلا کام ہے کہ کہ جسٹے بھر کا طع گہر میں جو دو

ابھی ایندین یا تھی۔ اللہ چاہے کل وہ بھی منگو ایس گے۔
 گہووں بھی سیسے معلوم ہوتے ہیں پہلے ان کو اچھی طرح سکھا لینا۔ پھر پنہاری کو تو لکر
 دینا۔ مگر مین کی ایک جھکی بھی گہر میں نہیں ہے۔ چنے تو کل ہی سکھا چہاں پھٹک پنہاری
 کے حوالے کر دو۔ ایک فٹہ ہی اکھٹے پسوالو روز روز کی کہاں تکلیف اٹھائے گی۔ بڑی بی
 تواضع قسم کی آدمی تھیں۔ یہ لمبی بڑھیا مجھے ذرا چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ پرسوں بھی
 روٹیوں کی تہی کی تہی میں سے نکال کر لائی ہوں۔ تم ہشیار رہنا۔ چیز نہ راہو اپنی
 اور چوروں کی گالی دو۔ اس پر کوٹھری نہ چھوڑنا۔ جو چیز نکلاو اتنی ہوئی لپٹے۔ سامنے نکلاو اتنی
 اور نقل لگو ادیا احتیاط کر دگی تو ہینہ بھر سے ایک آدھ دن زیادہ ہی کا سودا ہے۔ پھوٹی
 اماں بہت اچھا کرتی ہیں کہ ہینہ بھر کا سودا تنگدانی میں ہیں۔ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ چھی
 گئی اور بنیے کے ہاں سے جس آگئی۔ خیر نہ برکت حاصل نہ قایدہ۔ سیر کا تین پاؤں بنیے
 تے بھڑایا۔ چٹاک آدھ پامانے ہنم کیا۔ روٹی پکی تو کسی کہ دانت نہ دیا جائے
 کو کہ ابے حساب۔ یو سے بڑا اور خراب ایک خراب شکی نہر گئی تو اس بنیے کی دکان پر دھک
 جاؤ۔ گئی ہے وہ آدھا چربی آدھا تیل ہینہ بھر تک قرض کا پیر رہا۔ تنخواہ آئی اور
 ریوڑیاں سی بٹ گئیں پھر وہی بنیے کی مدت اور خشاہ۔ پھوچی اماں کہتی ہیں چاہے سوکھا آٹا
 اور روکھی وال کیوں ہو مگر اکھٹی بھر والے سالن نہ ہو گا دال نہ ہو گی مٹھی۔ دودھت نہیں ایک
 وقت۔ وقت پر نہیں بے وقت۔ مگر میں چیز تو ہر وقت موجود ہو گی۔ وہ اس تکلیف کو اس
 آرام سے اور اس وہمی کو اس دفنی سے ہزار درجہ بہتر اور برتر سمجھتی ہیں۔ اب کچھ چاروں
 طرت تکا تو پٹ ال کہی ہے۔ ایک ایک کے کہ رہی ہیں۔ صبح بھی بھائی اقبال کو ٹال پھوپھا
 تھا کہ ایندین اکھٹا پڑ جائے اول تو سادے ہی دنوں میں ان کی عادت ہمیشہ ہی رہی ہے
 اور پھر آج کل تو سر بھرمات رہی ہے۔ بازار کے بھگے چڑا ایلے سیلی لکڑیاں بیٹھے پھوں
 پھوں کرتے رہو تکلیف کی تکلیف نقصان کا نقصان۔ مٹی کے تیل کی انہوں نے کہی تیل

نہیں منگوائی، ہیشہ کنشتر۔ ایک بوتل کا فائدہ رہتا ہے اور بھر تیل اچھا۔ یہ تیل کے آج
دنوں ہر کل جمینی کالی ہو گئی۔ پرسوں پانی ملا ہوا ہے۔ کوڑیوں درپسوں کے حساب کے تم ادنیٰ
چیز نہ سمجھنا۔ زیروں کنشتر اور کوڑیوں سے روپے بنتے ہیں۔ پھوٹیاں پھوٹیاں تالا بھرتا ہے۔
ہاں بنی ظہورن! اشرفی میں سے کیا کیا لائیں؟ دور روپے گیارہ آنے کا کنشتر پونے چودہ
آنہ کا بیان کیا ہوا۔ گیارہ آنے اور چودہ آنے بھی بچیں ہوئے ایک دپیہ لوٹنے بلکہ ایک
پیسہ کم دور روپے۔ ادھر کنشتر کے ہیں تین روپے پونے نو آنے ہوئے پیسہ کی سچکیں پورے نو آنے
ہوئے۔ پانچ پیسے کا بندل سو ادس آنے تین پیسے کے ریل پونے گیارہ آنے۔ یعنی تین
روپے گیارہ آنے کا سودا آیا۔ ساڑھے پانچ آنے کے دو ٹھیکے۔ پونے تین آنے چلو
دو پیسے چار روپے ہوئے۔ باقی دس روپے ساڑھے پندرہ آنے لاؤ۔

بھو بھو پاس بیٹھی سن رہی تھیں اور خوش ہو رہی تھیں کہ نسیم نے کس خوبی سے نو ادسی
کو حساب کی باتیں سمجھائی ہیں۔ جی میں آیا کہ نسیم کو کچھ باتیں اور سمجھا دے کہنے لگی!
اچھا بی نسیم! میں تم سے ایک بات پوچھتی ہوں۔ سوچ کر جواب دینا۔ دیکھو
ٹھیک ٹھیک تھانا میں آدمیوں کی دعوت۔ بریانی۔ تورہ شامی کباب تین چیزیں تیار
کرانی ہیں۔ بتاؤ کیا کیا چیز کتنی درکار ہوگی۔ تم تو بالکل ہی چکی ہو گئیں۔ لو سنو۔ میں
بتاؤں فی آدمی ڈیڑھ پاؤ رکھو۔ میں ڈیڑھ پاؤں کا کیا ہوا۔ پوسیری کے حسابے پانسیر
ہوئے یہاں ہیں ڈیڑھ پاؤ۔ یعنی آدھ پاؤ زیادہ۔ میں آدھ پاؤں کا ڈھائی سیر پانچ وہ ڈھائی
یہ ساڑھے سات سیر ہوئے۔ پانچ سیر چاول رکھو ڈھائی سیر آٹا۔ ہو گئے ساڑھے سات سیر
اب مہب جنس لو سیر کو پوسیری بھی تو سو اسیر لگی چاندلوں کا ہوا۔ اب بریانی کا گوشت لو
وگنا ٹھیک ہو گا؟ دس سیر ڈالو۔ مصالحہ سنو۔ زعفران تو لہ بھرا لالچیاں آدھی چٹنا تک
لو گئیں آدھی چٹنا تک۔ تک پون پالہ سن پیاز سیر بھر کھوڑا پاؤ سیر اب تو زورہ سو اسیر گوشت
ڈھائی سیر آٹے کو بہت ہی مالن میں ڈیڑھ پاؤ لگی۔ باقی بلدی مرچیں دہنیا ہلسن۔ پیاز۔ دہی

سمولی و دیگر کبابوں کا گوشت سمجھو وہ ذیل کرپس کر رہی کیا جائیگا۔ ماں یا دو کہنا کہ چار پانچ اندر
نہرہ ڈال لینے چاہئیں۔ اس سے کباب ٹوٹیں گے نہیں بلکہ خوب پھولیں گے۔ تین
پاؤنچ رکھو۔ لوبجائی رحیم آگے۔ کل سے یاد کر رہی تھی۔ تین آدمی بیچ چکی ہوں۔ لوبیٹی
تم لکھتی جاؤ۔ میں سب کپڑا لکھوا دوں۔ دم بھر میں جا کر لادیں گے۔ پھر میں کس کس کی
منتیں کرتی پھروں گی اور پھر بھائی رحیم یہاں کپڑا کہ وہاں کی جان نکال لاتے ہیں۔ لکھو
ایک تھان مل کا ساڑھے انیس گز کا سوا چار آنے گز کے حساب سے۔ بھائی ایک عرض نہج لینا
چھ دوپٹے بنجائیں گے! چھائی اپنی اوڑھنیاں لکھو ڈرائی گز کی رہیں گی وہی ایک عرض
کی سوا گز پنہ والی پنہ چار آنے گز کے حساب سے۔ ایک تھان پورا پنہ ۱۹ گز کا۔ اب رہتے
کرتے آٹھ تھیرے آٹھ تھیرے۔ ایک تھان سیکھیا کا ایک ڈور پے کا۔ سیکھیا ساڑھے
پانچ آنے گز۔ سوا بارہ گز کا تھان ہوتا ہے۔ ڈور یا وہی ساڑھے تین آنے گز والا۔
دس گز کافی ہوگا۔

اچھا بھائی صاحب! اب آپ تو شریعت لیجائیے لوبیٹی اب تم حساب کر دیتے کا
سب کپڑا ہوا منہ زبانی کر رہے دو۔ لاؤ یہ سلیٹ نسل اور لاؤ۔ میں بتانی جاؤں تم
لکھتی جاؤ۔ پھر سب چڑ لینا۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱

یہ پنہ سے توار دو انگریزی کے ٹکڑیاں ہیں۔ پس اب تم لکھتی جاؤ اور میں لکھواتی جاؤں
شروع سے چلو مل کا تھان ساڑھے ۱۹ گز کا سوا چار آنے گز کے حساب سے یہی پہلی سی تباہی
ہوں کہ سولہ گز کا ایک گز ہوتا ہے۔ دیکھو یہ نقشہ بھی دکھا دیتی ہوں۔ بھول گئی ہو تو یاد کر لو۔

انچ	فٹ	فٹ	گز	گز	میل	میل	کوس	خزلانگ	کھوٹیل
۱۲	۱	۳	۱	۶۰	۱۶	۲	۱	۸	۱

میں نے تم کو جب ہم ایک دفعہ سیر سے واپس آرہے تھے تو رستے میں جھوٹے جھوٹے پتھر دکھا کر کہا تھا کہ یہ فرلانگ ہیں۔ جب سات پونے ہو جاتے ہیں تو اٹھو میں پرمیل آتا ہوں ایک میل سے دوسرے میل تک سترہ سو ساٹھ گز کا فاصلہ ہوتا ہے۔ خیر اس وقت تو تم کپڑے کا حساب کرو۔ ہاں تو سوا چار آنے گز کے حساب سے ساڑھے ۹ گز کی قیمت نکالنی ہے۔ اب اس کے دو قاعدے ہیں یا تو میں تانکے پہاڑے یاد ہوں یا نہر کے نکالو۔ انیس کا پہاڑہ یاد ہے۔ انیس چوک چہتر آنے تو ایک آئے مگر چونکہ سوا چار آنے ہیں ایک پیسہ کے حساب سے۔ انیس پیسہ ایک ہوئے۔ یہ پہنچنے آنے انیس پیسہ انیس گز کی قیمت ہوئی۔ چہتر آنوں کے روپے بناؤ اور انیس پیسوں کے آنے پھر روپے بنا لو سو لہ چوک چونسٹو چونسٹو کے بعد بارہ پہنچتے ہیں یعنی چونسٹو اور بارہ چہتر تو چار روپے بارہ آنے تو یہ ہوئے اب ہر انیس پیسے ہونے پانچ آنے ہر سوئے۔ دونوں کو جوڑ لو پانچ روپے ہونے تین آنے اور ایک ہیلہ ہوا۔

پورے اینگرتی تھاری اور ہندیوں کا تھان ہونے چار آنے کے حساب سے بھی اسی طرح نکالو۔ چار آنے گز ہوتا اور انیس گز ہوتا تو وہی انیس چوک چہتر چار روپے بارہ آنے تھان میں ہونے چار آنے یعنی ایک پیسہ کم۔ بس تو انیس پیسے نکالو۔ چار روپے بارہ آنے میں سے ہونے پانچ آنے گئے تو چار روپے سوا سات آنے رہے۔ اب چونکہ تھان ہونے انیس گز کا ہے اور یہ قیمت ۹ گز کی۔ اس لئے پاؤ گز کی قیمت اور کم کرو۔ گز بھر کے ہونے چار آنے آدھ گز کے دھیلہ سات پیسے۔ پاؤ گز کے دھڑی کم چار پیسے تو چار روپے سوا چہتر آنے اور ایک دھڑی ہوئی۔ اب سیکھیا اور ڈور یا لو سیکھیا ساڑھے پانچ آنے گز۔ سوا بارہ گز کی قیمت نکالو۔ بارہ نیچے ساٹھ آنے ایک سو ہوئے۔ دو پیسے کے حساب سے چھ آنے ایک۔ ہونے بارہ گز کی قیمت چھ یا سٹھ آنے یعنی چار روپے دو آنے ہوئے پاؤ گز کی قیمت ساڑھے تین پیسے۔ کل ہوئے چار روپے سوا تین آنے اور ایک دھیلہ۔ ڈور یا ساڑھے تین آنے گز کے حساب سے دس گز تین دھانی تیس آنے۔ جس کے ایک روپیہ

چودہ آنے۔ دو پیسے کے حساب سے دس گرنے کے پانچ آنے۔ کل ملکر دو روپے تین آنے اور سب کو جمع کر دو۔

دھڑی	دھیلہ	پانی	آنہ	روپیہ
۰	۱	۹	۲	۵
۱	۰	۳	۶	۴
۰	۱	۳	۳	۴
۰	۰	۰	۳	۲
۱	۰	۶	۱۵	۱۵

جمع کرنا تو کوئی مشکل کام نہیں پہلے سب تریاں جن لوہہ جوڑو ہی گئی کیا کل ایک تہہ رہی۔ ایک کی ایک لکھ لو اب ہیلوں پر آؤ ایک اور ایک دوہٹے لکھ دو دو ہیلوں کا تو ایک پیسہ ہوتا ہے اس لئے یہاں کچھ نہ رہا ہاں ایک پیسہ جو ہو وہ پائیوں میں جوڑو۔ مگر یہ کیوں نہ معلوم ہوا کہ دو ہیلوں کا ایک پیسہ ہو گیا۔ اس لئے کہ جو کچھ جمع ہو کر آیا اس کو دو پر تقسیم کیا۔ دو پر کیوں تقسیم کیا اس لئے کہ دو ہیلوں کا پیسہ ہوتا ہے تقسیم کینے کا کیا دو اکن دو غرض ایک حاصل ہوا اور بچا کچھ بھی نہیں۔ اس لئے خالی نقطہ دیدئے اب ایک پیسہ جو ہاتھ لگا اس کو پائیوں میں جوڑو کی کس طرح۔ یہ پیسہ وہ پائیاں اس کا ان کا کیا جوڑو برابر کی چیزیں جمع ہوتی ہیں۔ پیسے پیسوں میں پائیاں پائیوں میں تو اب جو یہ ایک پیسہ جوڑنا ہے اس کی بھی پائیاں ہی بنائیں ہوں اب ان کو جوڑو۔ نیچے دیکھو۔ پائیوں کے خانے پر نظر کہو۔ تین اور نو بارہ۔ بارہ اور تین پندرہ اور تین اٹھارہ۔ اب اسمارہ پائیوں کے آنے بناؤ۔ بارہ پانی کا آنہ اٹھارہ کو بارہ پر تقسیم کر دیا۔ بارہ اکن بارہ چہ باقی شیچے ان چھ کو پائیوں میں کہو ایک آنہ حاصل ہوا۔ اب اس ایک آنے کو آٹوں میں جوڑو۔ ایک اور دو تین تین اور چھ نو۔ نو اور تین بارہ۔ بارہ اور تین پندرہ اور تین پندرہ کے پندرہ

ہی رہی۔ اس لئے انوں میں پندرہ لکھو۔ انوں کا کچھ جاس تو ہوا ہی نہیں۔ بڑے روپوں میں جمع کرنا
نقطہ رہنے ہی رہے جوڑ لو۔ پانچ اور چار نو۔ نو اور چار تیرہ۔ تیرہ اور دو پندرہ۔ پس روپے
پندرہ ہوئے۔ روپوں میں لکھ دو۔

کل کیا ہوا؟ پندرہ روپے پندرہ آنے چوبائی ایک دسٹری۔ لکھ سب کچھ
کی قیمت ہو گئی۔

(۲۹)

نسیر تو خیر بڑی بہت سی شاگرد سب ہی کچھ تھی۔ سنجیدہ کی تربیت سے جتنا کچھ بھی ہوتی
تھوڑا ادا کر۔ وہ بڑے بیامام کی نو اسی جو سچ۔ سچ گستاخوں کی طرح آئی اور گنواروں کی
طرح رہی ایک سنجیدہ کے فیض تربیت سے چند ہی روز میں تھوڑے پارس میں سے لندن
غرض دیکھتے ہی دیکھتے کچھ سے کچھ ہو گئی شروع شروع میں تو بہت اکڑی اور اکڑنے کی بات
ہی تھی۔ آئی تھی یہ سمجھ کر نسیر برابر کی سہیلی۔ کیلوں کی ابد کھاؤں گی یہاں آکر دیکھتا تو
صبح سے شام تک کام ہی کام۔ دن رات اسی تاک میں ہی کہ بس چلے تو یہ رسی تڑا تڑو
ایسی بھاگوں کہ ملتا تو درکنار نام تک نہ لوں مگر ادھر نانی کا آنکس۔ ادھر سنجیدہ کا قبضہ
کچھ ایسی ہنسی کہ بہتر ہی پھڑ پھڑائی مگر نہ چہوٹنا تھا اور نہ چھوٹی۔ لیکن یہ گہرا ہٹ اور
بھڑک کچھ ہی نہ تھی۔ تھوڑے روز بعد روک ٹوک میں کمی کھانا ملا اچھا دل لگ گیا
پھر نسیر صبی لڑکی کا ساتھ۔ بات کی تو جھجکا کر کام لیا تو پیار سے نو اسی کی تو کیفیت
ہوئی کہ اس گھر پر پروانہ تھی۔ آٹھویں دسویں پندرہویں میوں نانی کی زیر دستی
لے گئی گھر ہی آدھ گھڑی میوٹی اور چلی آئی۔ ہر چند گھر دالے کہتے کہ اب آئی ہے تو
رات کی رات بڑے نماز دم چلی جائیو مگر اس کا یہ حال تھا یا تیں ماں سے کر رہی ہے
اور وہ بیان نسیر میں پڑا ہے۔ بے سری بے تکی آئیں یا تیں شائیں اور ہر گز ہر کی یاں
میں ماں لائی خیر صلاح خیر عافیت کہہ سن پوچھ پوچھ اچھی اور چلی ہوئی۔

خدا کی شان ماما کی نواسی دلی کی لڑکی اور یہ بھاک کہ نسیم اپنے ماما سے سر
 دہلائیں۔ پہلے کے پاس بیٹھے جہانے ناگر پان۔ بڑے کے پاس بیٹھے کنائے ناک اور
 کان۔ وہی نواسی جس کی آنکھوں میں پہلے دن ڈھیروں چپڑے تھے ایک سال ہی بھر
 میں ایسی ہو گئی کہ بے جگائے اور بے بلائے نسیم یہ پہلے نماز کہ اٹھتی اور نسیم کے
 ساتھ قرآن لیکر بیٹھتی۔ خدا کی قدرت یاد آتی تھی۔ جس لڑکی کے ماما کے کوئی چہرے
 ہوئے میر نہ کھائے آج وہ صرف اچھی صحبت اور تربیت کی بدولت اس قابل ہو گئی کہ
 جس گھر میں جانکی عزت اور جس خاندان میں پہنچ گئی وقت۔ بڑی بڑی بیویاں اور
 رئیس زادیاں اس کی خاطر بدادلات و راز و بھگت کرتیں۔ نواسی نفی جتنا کی بگم نے ایک دن میں
 بارہا کہلا سہی اگر نواسی زیادہ نہیں ایک چار گنٹہ میری بچی کے پاس آ بیٹھا کہ تو خیر
 اس کے قابل تو نہیں ہر گز پندرہ روپے مہینہ کپڑا۔ جیسا برا پہلا مجھ کو میری بڑی بیوی کو بھی
 سوکھی مجھ کو نصیب ہو حاضر ہو مگر نواسی تو پندرہ کیا اگر پندرہ سو بھی کوئی دیتا تو نسیم کو خوشی
 سے چوڑنے والی نہ تھی۔ اس کی کیفیت تو یہ تھی کہ اگر دم بھر کو بھی نسیم اوپر اُدھر ہو جاتی
 تو بالکل چین۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو چوڑواں لڑکیاں ہیں جو کہیں کہہ رہی ہیں وہ بھی بڑی
 مشکل اور زبردستی سے علیحدہ کر دی جاتی ہیں۔ وہی گھر اور وہی گھر کا کام جس میں دونوں
 پھو بھی بیٹھتیاں اور وہ ایک مادہ بھر پے رہتے اب کیلی نواسی کے سر تھا اگر یہ کہنا
 غلط ہو کہ اپنی اگلی سے تو یہ کہنا یقیناً صحیح ہے کہ نواسی کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے
 نسیم نے دوسرے سال بالکل ہی ڈھنسی دیدی۔ حساب کا شوق ایسا لگا کہ مہینوں
 باورچی خانہ میں آکر چنانکتی تک نہیں۔ اگر نواسی سے کچھ بھول چک ہو بھی گئی تو دور
 ہی سے بیٹھے بیٹھے حکم دیدتی یا ہدایت کر دیتی سب بڑی جیت یہ تھی کہ نواسی
 کچھ ایسی بلا کی زمین واقع ہوئی تھی کہ جو بات نسیم کے دل میں ہو وہ نواسی کے
 منہ پر۔ پھر کیا ضرورت تھی کہ نسیم اپنے شوق کو ایندھ اور وقت کو ضائع کر دیتی جو

سیکھنا تھا سیکھ لیا۔ ایسا سیکھا اور اتنا سیکھا کہ نواسی جیسی گنواہری کو بیگم بنا دیا۔
 بڑی بنی چوری کے تو فرشتوں کو بھی یہ وہم و گمان نہ تھا کہ یہ نواسی جو دن بھر گلیوں
 میں ننگے پاؤں اور گھر میں ڈیڑھ ڈیڑھ کی پہلاٹیں راتی پھرتی ہر۔ دیکھتے ہی دیکھتے
 ایسی ہو جلتے گی کہ تہہ بھر میں اس کا شہرہ محلہ بھر میں اس کی ڈاک اور شہر بھر میں اس کا
 چرچا ہو گا۔ ایک ہفتہ وقت تھا کہ جہر گئی دُور دُور اور جس طرف پہنچی پہٹ پہٹ ایک آج
 کا دن ہے کہ اپنے تو سر پر بٹھاتے چاہتے آنکھوں پر۔ غیر گہروں تک میں اس کی آؤ
 جھلکت ہو رہی ہے۔

(۳۰)

اس میں کیا کلام ہے۔ ملتا ہے کہ سیمہ علی ایسی ماں کے دودھ سے جو نہ بھ کی زیادہ
 باندھ تو کیا سر سے نمازن ہی گندے دار تھی مگر بڑی ایسی پھوپھی کی گو دینج بھلا کچھ
 نہیں تو رات دن میں ایک پیچاس فوفہ تو خدا کے خوف سے کانپ کر استغفار پڑھتی
 ہو گی۔ پانچویں برس سے لیکر اور آج تک کون سا ایسا دن گیا کہ اس نے بیٹی کے سامنے
 خدا کی عظمت نہ بیان کی ہو اور کون سی ایسی رات گزری کہ ساتھ لیکو لیٹی اور سندھ
 جزاء منرا کے متعلق گفتگو نہ کی ہو وہاں کا حال تو خدا ہی جانے مگر اتنا ہم بھی کہیں گے کہ
 اگر قیاس کوئی چیز ہے تو سنجیدہ اس نے باندھے ناپائیدار سے ایسا اسباب سا مان ساتھ
 لے گئی جو اس آٹے وقت میں جہاں کوئی رفیق و مددگار نہیں۔ اس پر کوئی مصیبت
 نہ آنے دیکھا۔ اگلے زمانہ کی کوئی بچی کبھی بڑی بوڑھی رہ گئی ہو تو ہو۔ ورنہ اب ایسی بیویاں
 بہت کم نظر آئیں گی۔ یہی خوف قیامت جس کو اول دن سے سنتے چلے گئے ہیں۔
 اس کے دل میں کچھ ایسا سرایت کر گیا تھا بسا اوقات بیٹھے ہی بیٹھے خیال آیا اور تھرا
 اٹھی۔ کچھ ہزاروں لاکھوں کی آدمی نہیں پچاس ساٹھ روپیہ کا کرایہ شہر کا خیر بھاری
 پھر آگے۔ مگر بارہ مہینے ہذا ایک تیس ہجے ایک آدھ بڑھیا ٹھڑیا۔ غرض کوئی

نہ کوئی اس کے دسترخوان پر ضرور ہوتا۔ بیاروں کی عیادت اپاہجوں کی خدمت محتاجوں کی مدد۔ غریبوں کی خاطر۔ عورت کیانفرشتہ تھی۔ کھلا کر کھایا پہنا کر پہنا گرمی کے پہاڑ دن اور جمعرات جمعہ کا روزہ جاڑوں کی کپٹن راتیں اور تہجد کی نماز نعمت پر شکر مصیبت پر صبر سوسے اوپر عمر پائی مگر ایک دن کسی کا دل نہ دکھایا جی تو پھول چڑے مری تو پھول چڑھے ایسی نیک بیوی جس کی ہوا گلنے سے آدمی انسانیٹ پکڑے۔ نسیم کو جتنا اچھا اُٹھاتی کم تھا۔ یوں تو غدا اب اتنی کا خوف شرف ہی سے اس نے ہتھی کے دل میں پیدا کر دیا تھا۔ مگر پانچ برس کی بچی خدا کو کیا جانتی اور کیا پہچانتی۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ خدا کی ہستی کا یقین کچھ ایسا تہ نشین ہوتا چلا کہ ذرا نماز کو دیر ہوئی اور گہرائی کوئی بھوکا اٹھلا تو ننگے پاؤں کھانا چھوڑ چھاڑ روٹی دینے لگی مصیبت زدہ کیسیاں زور زور سے نسیم کا نام شکر آتیں اور وہ ان کا دکھ سنتی اور ہاتھ سے پاؤں سے روپے سے پیسے جو کچھ ہو سکتا مدد دیتی اور خدمت کرتی۔ امیر کی بچی لاڈ کی بیٹی کو اور پتہ کا زمانہ پہننے اوڑھنے کے دن روپے گز کا پنتی اور اشرفی تولہ کا کھاتی تو بجا کھتا مگر اس کو تو پیسہ فضول اٹھانا قسم تھا۔ جو پھوپھی نے بنادیا اور کھلادیا سر آنکھوں پر خدا معلوم قدرت کی اس حکمت میں کیا بھیجہ چھپا ہوا تھا کہ کمال دو سال گزر گئے اور ایک بوند مینہ کی نہ پڑی۔ دونوں برساتیں نکل گئیں۔ سادوں بھا دو کے چہینے چڑیا اور موسلا دھار تو درکنار بار کا ٹکڑا تک نظر نہ آیا کہ کچھ امید ہی بندہ تھی۔ پہلے سال لوگ ان غریبوں جوں توں کہیں کچھ کھانے کسی نہ کسی طرح کہتوں میں پانی پہنچایا۔ دوسرے سال ندی نلے جو ہڑتالاب کوئی بھی اس قابل نہ رہا کہ ان غریبوں کی محنت برباد ہونے پر دکھائے گا۔ ریتا کال پڑا اور ایسا کہ ناسے کھاتے پیتے آدمی دودو دالوں کو محتاج ہو گئے بشہر پر تو کچھ آفت اور شہر والوں پر مصیبت مگر نسیم کی مہربانی بی نکا شرف کے یہاں کال دیکھ کر عید ہو گئی۔ آنکھوں پر رکھی ٹھیکرئی ل کیا پتھر مرنے کو بھول چار دن کی زندگی

گھر بھرتا شروع کیا۔ باپ کے ترکہ کا تین سارے تین ہزار روپیہ نقد موجود تھا۔ روٹو لوگوں کی چیزیں اکوڑ لوگ، دول خریدنی شروع کیں۔ اپنی غرض باؤلی اس ظلم و ستم پر بھی مصیبت لایاں کوسوں سے آئیں منتیں کرتیں اور اونے پونے آدھی چوتھائی جو دام لجاتے غنیمت سمجھتیں اور صبر کرتیں خدا کسی پر وقت نہ ڈالے اور غرض اٹھائے۔ چار چار پانچ پانچ سیر تانبے کے برتن تین تین چار چار سیر آٹے میں دینے پڑتے۔ غضب یہ تھا کہ کم محبت دگئے اور کئے وعدہ پر کھتی اور چند ہی روز میں آٹے گئے کر دیتی۔ کمال یہ تھا کہ حقیقی رشتہ دار شرت کے اٹھنے بیٹھنے والے بھوکے مریض چھوٹے چھوٹے بچے سکے بھانجے بہتیجے بلوں بلوں کتے پھر لڑائی اس ناگوں کا دل پیچے کچھ ایسا خدا کا خوف اس اٹھا کہ مرنے سے دونوں قتل ڈٹ کر لکھاتی اور کہا دیکھا کہ کہا تھی۔

زمانہ کا انقلاب جان کے ساتھ ہی ساون تو میل بھی البتہ کو راہی گیا۔ بھادوں کا تیسرا چوتھا روز تھا کہ دسپہر کے وقت دیوانہ مار گھٹا پور سے اٹھی ابھی پانی کا پتہ بھی نہ تھا کہ لوگ خوشی کے مارے اچھل پڑے۔ جو جہاں تھا گرہ گڑا گڑا کر دعائیں مانگنے لگا۔

بھوکوں کی زاری خالی نہ گئی مینہ برسا شروع ہوا۔ دس برس کا رکا ہوا ابر پہلا دو چار گھنٹے کیا برستا۔ وہ دیوتاں پڑا کہ جی چھڑا دیئے۔ صبح ہوتے ہی ذرا تھا تھا ایک گھنٹہ ہی بعد ابر سیاہ نے بھرنا ہیرا گھپ کر دیا۔ پہونیاں پہونیاں پہوا پڑ رہی تھی اور کالے کالے بادل جھوم جھوم کر آرہے تھے آخر برس اور کچھ ایسے دیکے کہ دن گزرا رات گزری اور دوسرا دن بھی مگر پانی کی رفتاریں کمی نہ ہوئی اونچی اونچی حویلیاں اور بچی بچی مجلسیں آخر تھیں تو مٹی گکے ہی کی تیسرے دن جا کر ٹپک اٹھیں۔ رات کو اکا دکا تک جھلکانے لگے تھے امید تھی کہ اب نہ برے گا۔ مگر ادھر جہ گہڑی کی توپ چوٹی اوپر پھر برسا شروع ہوا۔ اب پانی نہ تھا طوفان تھا۔ موسلا دیا مینہ اور ہوا کا جھکڑا ایسے ویسے کچے دیالے تو کبھی کے رخصت ہوئے سنگین عمارتیں کچھ ٹھہریں مگر آدھی رات تک وہ بھی چلیں تھیں۔ چھتیں اور کولے۔ چھچھے اور مٹیاں چاروں طرف دیوانہ ہل آوازیں رہی

تھیں۔ بھارت سے دیوانہ بیچ ایک تیم خانہ تھا۔ جس میں ہستانی جی نے بیس کپس بے ماں باپ کی لوگیاں جمع کر لی تھیں جو کچھ ادھر ادھر سے آجاتا پکا کچوان کے آگے رکھ دیتیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کسی کو اپنے پیٹ کے بچوں کی مامتا ہوگی تو اتنی ہی جتنی اُستانی جی کو ان بے وارثوں کی۔ ہزار بارہ سو کا مکان ڈھائی تین سو کا زیور چالیس پچاس کے برتن غرض جو کچھ جمع پونجی تھی وہ سب ان بچیوں کی نذر کر دی۔

نیکار اُستانی جی کو راگ دے فرزند کی کئے بہانے ایک راہ کی کوفہ خانہ میں نے مٹی پلید کر چکی تھی اور اب ایک اور لینے کی نگر میں تھی۔ اُستانی غریب ایک ہی کو دیکر ایسی سجتا جی تھیں کہ جیل سے برچار چوٹ کی مار پڑتی تو ڈاڑھ میں مار کر دیتیں۔ گو کمال نے اوسان بگاڑنے اور نکالنے ستم میں کوئی کمی نہ کی مگر صد آفرین اُستانی جی کو کہ وہ دو تین تین وقت بعد اچھی مایری جو میسر ہوئی پہلے اُن کے پیٹ میں ڈال دی پھر آپ منہ پر رکھی۔ بسیریاں لگائیں اور تھپڑے پہنے چلیاں پس اور جیتھڑے اور ہے لیکن ان معصوموں کو طعنے سے جدا کیا۔ اس وقت آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی پانی برابر اسی طرح پڑ رہا تھا اور ہستانی جی بچیوں کو لئے بٹھکی بیچ پڑ رہی تھیں ٹپکے نے اور کبھی دم ناک میں کر دیا بالشت بھر کر لے لیتی تھی جو محفوظ ہو۔ اور بٹھنے کو کہیں لینے چراغ لے کر ٹھری میں آئیں۔ دیکھتی ہیں تو بڑی دیوار جیٹ کرٹیاں میں پھولی کھڑی ہے جلدی جلدی چیز لیست اٹھا کر لڑکیوں کو لے باہر آئیں پانی ہوتا مال اوپر سے آیا بھونچال دالان اڑاڑا کر نیچے گرا۔ ایک پتی وچھٹے کے نیچے لیٹی تھی۔ برابر کی دو کرٹیاں اوپر آئیں منہ پاش پاش ہو گیا۔ چھ برس کی لڑکی کی بساط ہی کیا۔ جب تک اُستانی ہنچیں آنکھیں پھیر بھار رخصت ہو گئی۔

کیا نازک وقت تھا۔ مینہ کی وہی کیفیت ہو اکی وہی حالت خدا کسی پر وقت ڈالے اُستانی جی اس شان کی عورت کہ کبھی ناک پر کبھی نہ بیٹھنے دی۔ بھگتی بھاگتی کھڑکی میں آئیں اور نکال کر کوڑا دیکر منت سے کہا اتنی اجازت دو کہ ان معصوموں کو لیکر رات کی

رات تھا یہاں پڑ رہوں۔ اندھیرے منہ اٹھ کر نواب صاحب کے یہاں چلی جاؤں گی۔
 بھکاری نہ منگولی کیا موم ہونے والی تھی بھنسی اور منسک کہا بیٹھے کو گھر نہیں کھانے کو کھڑا نہیں
 پھر یہ لڑکیوں کی حامل کیوں ڈال رکھی ہے۔ میں نے کتنی منت سے کہا تھا۔ اُستانی جی
 ایک لڑکی ہیں اور دیدو۔ ناک بہوں ریکڑ سیدھی ہوں۔ میں تو وہی ظالم بیرحم ہوں
 ایک لڑکی میرے حوالے کر دینوی سے آ جاؤ۔ ایک رات کی جگہ دورات پڑ رہوں۔

اُستانی جی اس وقت لاکھ حاجتمند ہوں مگر ایسی کئی گزری نہ تھیں کہ حاجت کے دب کر
 اور ضرورت سے مجبور ہو کر لڑکی دینے کی حامی بھر لیتیں۔ بھکاری نہ منگولی ملائی بھیک منگنی مردہ شو
 فقیرنی کچھ ہی پہنچے مگر ناداری میں کئی اتنی عزت رکھتی تھیں کہ سردار آبادک کی ٹیسرے ادیاں
 اُن کی تعظیم کو سرفرد کھڑی ہوتیں۔ خدا کی شان تھی کہ اس آن بان کی عورت جس نے لکھ بیتی
 پھوپھی کے آگے آج تک ہاتھ نہ پھیلا یا ایک ایسی ناہنجار نہ بخت کی خوشادیں کر رہی تھی۔

رات اپنی منزل کا بڑا حصہ طے کر چکی تھی یا دل زرد شو سے گرج رہا تھا اور بیکلی کی چمک
 آنکھوں میں گہسی جاتی تھی۔ ایک ایسی مسلمان بچی کا مردہ جس کا والی دارت سوا خدا کی ذات کے
 کوئی نہ تھا۔ لڑکیوں میں دیا پڑا تھا اور چند معصوم لڑکیاں مع اُستانی جی کے صحن میں
 کھڑی بھیک ہی تھیں۔ کچھ کرتے دہرتے نہ بن پڑتی تھی۔ زندہ اور مردہ دونوں کی مٹی
 پلیہ تھی۔ گرانی کے موسم اور ایسے نازک وقت میں سنجیدہ اور سیمہ دونوں پھوپھی ہتھیوں کی
 ہمدردی پر بے اختیار دل سے آفرین نکلتی ہے۔ یوں تو جس دن سے کال پڑا اور خلق خدا
 پر مصیبت کی گہڑی آئی ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ پھوپھی ہتھیوں کے دسترخوان سے
 دو چار بھوکوں کا پیٹ نہ بھرا ہو۔ میر بھڑا اس وقت میر بھڑا اس وقت تو عظیم خانہ کا مقرر
 ہی تھا۔ اس کے علاوہ بھی جب ضرورت ہوئی اور جو موجود ہوا۔ بھنسی خوشی دیا اور یہ
 منت دیا۔ قرض مام بلین دین دنیا میں چلا ہی آتا ہے نسیم نے اس کال میں بھی کہاں کیا کہ
 جسکو دیا اور جو کچھ دیا یہ سمجھ کر دیا اور کہہ کر دیا کہ دابھی کی ضرورت نہیں نتیجہ یہ ہوا اور ہونا چاہیے تھا

کہ نہ صرف محلہ ہی محلہ میں بلکہ دور دور جہاں صبح اٹھ کر نکلا کر کا نام لینا لوگ منحوس سمجھتے تھے وہاں ننھے ننھے دلون تک سے نسیمہ کو دعائیں ملتی تھیں۔ گو نکلا کرنے دوڑ ڈھ سال میں کئی ہزار کی جائیداد کر لی اور نسیمہ پورے چار سو روپے کی پھوپھی کی ترغیب سے ہو گئی مگر پان سیر چاندی اٹھا کر وہ خزانہ جمع کر لیا کہ ریاستیں قربان اور سلطنتیں بٹا رہیں۔ دو دو تین تین قت کے فائدہ زدہ جن قت اس کے دروازہ سے پیٹ بھر کر جاتے اور چین سے پڑ کر سوتے تو اگر ات کو بھی آنکھ کھل جاتی تو کہتے الہی اس گھر والی کو دنیا جہان کی خوبیاں۔ ان ہی عاؤں کا اثر تھا کہ نسیمہ ایسی پہلی پھولی کہ خدا سب بیٹیوں کو نصیب کرے۔

مینہ برسے کی خوشی میں پہلے پہلے تو سب کی طرح وہ بھی شریک تھی مگر جب بارش نے قیامت بپا کر دی اور ادھر ادھر سے ہولناک آوازیں اور وحشت انگیز خبریں آنے لگیں پڑوسیوں کو دیکھا کہ ست ہی ست پر جان ہی تو گواہ بنا مکان بچتا اور سنگین سب ہی کچھ تھا مگر حق یہاں کا جایا ذرا کہیں سے دھماکے کی آواز آئی اور اس کا کلیجہ دھکے ہوا۔ گھٹے پر کھڑی ایک ایک کی خیر صلاح پوچھ رہی تھی۔ رہنمائی کا گھر پرانا اور الگ گھر اٹھا۔ اس کو بال بچوں سمیت شام ہی سے اپنے ہاں بلا لیا تھا۔ خرابی یہ تھی کہ اُستانی جی چار گھر پرے تھیں اور گھر بھی کچھ ایسا پرانا تھا نہ ظاہر کرنے کے کوئی آثار تھے اتفاق کی بات اور ہونی شہنی کہ خانہ اچھا مکان بتا سے کی طرح بیٹھ گیا۔ اُستانی جی کی پریشانی یہاں سے وہاں اور وہاں سے وہاں اس گھر سے اس گھر اور اس گھر سے اس گھر ہوتی ہوئی نسیمہ تک بھی پہنچی۔ سنستے ہی چین ہو گئی۔ دیوار پر چڑھ کر آوازیں میں نکلا پہاڑ پہاڑ کر چیخا مگر پر محلہ اور پھر مینہ کا شور اُستانی جی تو رہیں اس پار برابر کے گھر میں سے بھی کسی نے کوٹ نہ لی۔ مایوس ہو کر چپکی ہوئی نا امید ہو کر نیچے آئی تو اسی کو ساتھ لیا۔ لائین ہاتھ میں لی اور پھوپھی کو اطلاع دے چلی اُستانی جی کے ہاں۔ مان لیا کہ سنبیدہ فرشتہ صفت انسان تھی مگر تھی تو انسان ہی نسیمہ کو اس وقت جاتے دیکھ طرح طرح

کے دہم اس کے دل میں آنے لگے۔ سوچا اور سوچ کر بولی۔ بیٹی اس وقت تو جانا ٹھیک نہیں۔ چاروں طرف دیواریں اور کولے پھولے کھڑے ہیں۔ ذرا مینہہ تھم جانے دو۔

نسیمہ۔ لے ہے پھوپھی اماں آپنے سنا نہیں مکان گر بڑا۔ عائشہ دب گئی۔
 آستانہ جی ایک ایک کی منتیں کر رہی ہیں اور کوئی اتنا نہیں کہ اس مصیبت میں ان کا ساتھ دے۔ ہمدردی کا وقت تو یہی ہو۔ میں بائیں دم اس وقت آسمان کے نیچے کھڑے بھیگ رہی ہوں۔ جب تک یہ ہاتھ پاؤں چلتے ہیں ان سے کام لینا چاہیے پھر تو شاید ان کو کیڑے بھی نہ کہائیں۔ عائشہ نگوڑی شاموں شام تو پالہ لینے آئی ہے۔ پھوپھی ماں ملکان کا مردہ ہے اجازت میرے بجائے برقع اوڑھے ہوئے ہوں گئی اور آئی پہنچی اور لائی۔

اب یہ خدا جانے کہ ہنسی خوشی یا مجبوری لا چاری سنجیدہ خود بھی ساتھ ہوئی مگر بڑے بچے کی عمر گھنٹوں گھنٹوں پانی ٹخنوں ٹخنوں کیچڑ دوہی قدم چلی تھی کہ ام کے چھلکے پر سے پاؤں پٹا وہ تو خدائے خیر کی کہ گھر دہچی ہاتھ میں آگئی نہیں تو بیٹھے بٹھائے مفت کی پریشانی تھی۔ غرض سنجیدہ کو گھر میں چہرہ تو اسی کو ساتھ لے آستانہ جی کے ہاں نہیں۔ آستانہ جی اور شاگرد سب کھنڈر میں بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے۔ نسیمہ کی صورت دیکھتے ہی آستانہ جی کی آنکھ میں آنسو پھیلنے لگے۔ جوش محبت میں کھڑی ہو گئیں اور صرف یہ الفاظ منہ سے نکلے۔
 ”میری بچی میں تیرے قربان“ کہہ دیاں ہٹا ملبہ سرکایا۔ عائشہ کو نکال آستانہ جی اور لڑکیوں کو ساتھ لے اپنے ہاں آئی۔ اپنے ہاتھ سے کمرے میں تین پلنگ دو چار پائیاں بچھاؤں پر۔ بچھونے کئے اور لاوارث لڑکیوں کو لٹا کر سلا دیا۔ صبح ہوتے ہی پانی ہٹا تو عائشہ کو اول منزل پہنچایا۔

نامکمل ہر کہ یہ سطور اس کیفیت کو ظاہر کر سکیں جو اس وقت آستانہ جی کے دل کی تھی جس دل سے انہوں نے دعائیں دیں اور دکھ پڑی لڑکیوں کی آتماں پر یہ سکھ پا کر جو کچھ کہا وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ زندگی تو ایسی نہیاد تو یہ دین کا تو یہ

(۳۱)

رات سدا رہنے والی نہ تھی۔ اُنی بھی اذ کل بھی گئی۔ البتہ وہ بات باقی ہو اور کچھ روز تک باقی رہیگی۔ چار روز کی زندگی کے واسطے انسان جو چاہے کرے۔ خدا کی لاسٹھی اور بے آواز۔ دیر ہوا نہیں رہیں۔ آج کے تہے آج ہی نہیں چلتے۔ پاپ کی ناؤ آج تہیں کل اور کل نہیں پرسوں ایک دن ڈوبے اور ڈوبے کال ختم ہوا اور جو تھے سال تو اللہ کی کچھ ایسی ہر بانی ہوئی کہ چھ دہری کے گہوں تک گئے۔ ست سماں ہوتے ہی وہ کیلکٹ اور پریشانی سب بھول بسر گئے۔ ہاں نکا نر کا ستم اور سیمہ کا کرم دلوں پر نقش تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ محلہ والوں نے ملنا جلنا بات چیت نکا نر سے قطعی بند کر دی۔ اس غرضی اور نفس پروری کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندہ دل نے جیتے ہی جی اسے مرہ سمجھ لیا۔ دن بھر بھی کہیاں مارتی اور کوئی اگر جہان نکلا تک نہیں آدمی کچھ کہہ کر سیکھتا ہی۔ چاہئے کہ نکا نر اب تو اپنی حرکتوں سے باز آتی مطلق نہیں قیم خانہ کی وہ لڑکی مصومنہ جو قبضہ میں تھی۔ بندر کی بلا طلبہ کے سر۔ محلہ بھر کا غصہ اس غریب پر تھا۔ دوپہر کے وقت ایک فرد لڑکی کو سنا کر چڑھا چاؤں کے دن تھے۔ دھوپ میں مٹی کی کپا رہی تھی۔ نکا نر نے پٹاری تنگہ لائی۔ زیر دست کے بسوے میں۔ اُسٹھی اور لائی۔ چہ سات برس کی جان سنا رہیں ہلستی۔ پکا پائیر تانبا ہاتھ میں۔ پاؤں پہلا اور دھڑام سے گری۔ بیمار کا گنا تھا کہ نکا نر جھلا کر اُسٹھی۔ چار کی کو تو نہیں چھوڑا اور مصومنہ کا ہاتھ پکڑ کر بیداری سے کپٹتی ہوئی لائی۔ سنا زردہ مصومنہ کی حسرت آمیز نظریں نکا نر جلا دے رحم کی لمبی تھیں اندر پہ گناہی کا اظہار کر رہی تھیں مار پڑتی شروع ہوئی۔ جب طاقت ضبط نہ رہی تو رو کر کہنے لگی۔ بیگم صاحبہ! بھائی کر دیجئے پھر کبھی تہیں گراؤں گی یہ تو کہنا ہی فضول ہو کہ بے بس لڑکی کی منت زاری کا نکا نر کیا اثر پڑا۔ جتنا مار سکتی تھی مارا اور مار چکی تو ایک ایسا دھکا دیا کہ اٹھ رہے منہ جا کر تخت پر گری کہنٹی میں کیل چھبی خون کی تلی بندھی۔ سارا چہرہ لہو لہاں ہو گیا

معصومین سے زیادہ باریکباز درکون ہوگا۔ پہلی مصیبت تو یہ آئی کہ ماں چھوٹی ماں کا
 بچہ بچہ اچھوٹا۔ دوسری آفت تقدیر نے یہ ڈیالی کہ پہنچی ایک کسر کے پاس جس کے دل میں
 رحم نہ لگا نام نہیں اور پہنچی ایسی ظالم کے ہیندے جس کو خدا سے غرض رسول سے واسطہ
 بخار۔ بخار پر مار۔ مار پر چوٹ اولاد والی ہوتی تو کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جاتی۔ مگر اس کے بھادیں بھی
 نہیں۔ معصومین کی کھلی اور ہنسی سے آنسو پونچھ پانچھ کر نہ میں چالیسی۔ غنیمت تھا کہ نکاح
 اسی پر بس کرتی۔ نہیں۔ میٹھی کو اکھٹا مصالحہ پسوا یا۔ برتن دہلوائے اند کھانا کھاتے بیٹھیں
 بڑا ہوا بچہ تکلیف کا احساس ہوتا ہی ہی معصومین کچھ دیر تک تو یاد رچی خانے میں پڑے
 پر سر رکھے ہوئے ہوئے ہائے اللہ ہائے اللہ کرتی رہی اور پھر اپنی مری ہوئی ماں
 یاد آگئی۔ بخار کی گہرا مہٹ چوٹ کی تکلیف خون کی کثرت اس پر ماں کی شفقت کا
 یاد آنا تھا کہ ننھا سادل بھر آیا۔ روئی اور روکر باہر آئی نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آسمان چھوٹے
 چھوٹے تاروں کو اپنی گود میں لئے کھڑا تھا۔ کچھ دیر تک چپکی کھڑی سوچتی رہی اور
 پھر کہنے لگی: ”یس اللہ میاں میرے اماں یاد اتم ہی ہو۔ میرا بخار آتا رو۔ میرا خون
 ہما دو۔ اور مجھ کو یہاں سے نکلوا دو۔ دیکھو سر میں کیسا درد ہو رہا ہے۔ اللہ میاں
 اللہ کی قسم بچا نکلا پڑتا ہر آدمی غور کرے تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جس طرح یہ
 ایک یاد یا چند گردش کے ماسے زمانہ کے تسلسلے ہمارے ماتحت ہیں اور ہم ان پر حاکم ہیں
 اسی طرح ایک نیر دست طاقت ہمارے اوپر بھی حاکم ہے۔ جس وقت تک اکثر معصومین کا
 ہاتھ پکڑ کر لائی ہو اور معصومین نے نگاہ یا اس سے نکاح کر دیکھا ہے کہ اس کی نظر اور وہ
 خود دونوں مجبور و لاچار تھے مگر اس کا دل یہ سن کر کہہ رہا تھا: ”اے تھوڑی سی دیر کی
 حاکم میرا تیرا فیصلہ اور انصاف وہ حقیقی مالک کرے گا جو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے میرا
 اور تیرا دونوں کا حاکم ہے۔ میں اس وقت یہ نہیں ہوں اور سبکیں ہوں
 ماں میرے ساتھ نہیں باپ میرے پاس نہیں۔ مگر میرا وارث اور حاکم ہی ابھی

ایک موجود ہے۔ جویری بیگناہی اور تیرے ظلم کو دیکھ رہا ہے۔
قبولیت کی گہری عام آذیتوں کے واسطے کوئی خاص ہو تو ہو مظلوم کے واسطے تو
حاکم حقیقی کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ معصومین کی التجا دیکھے ہوئے دل کی آہ سنی کلیجہ
سے نکلی زبان پر آئی زبان سے نکلنے کی دیر سچی آسمان اور زمین دونوں کا ہنسنے۔ حاکم کو کھانا کھا کر بادشاہ کا
بادشاہ مظلوموں کا والی معصومین کا وارث جس کے حضور میں اتنی دیگر گزراہی اس نے یاد کو سن رہا تھا۔
نکاثر کھانا کھا رہی تھی کھا چکی تو آواز دی کہ برتن اٹھا۔ معصومین سنتے ہی دیر چلی مگر جلانہ
گیا خون بند ہو گیا تھا۔ مگر بخارجو کھاتوں۔ چکر آیا اور ساتھ ہی اندر ہیرا گری مگر سنبھلی
اتنی دیر میں دو تین آوازیں اور تین چار گھر کیاں پڑ چکی تھیں۔ گرتی پڑتی پہنچی دسترخوان
پیشا برتن اٹھائے اور پھر پڑ رہی۔

سکاثر کی گردن میں گدی کے نیچے پہنسی نہ پھوڑا ایک یوں ہی سادہ روڑا اور تین دن
سے تھا صبح کو جو اٹھی تو ذرا جلن معلوم ہوئی۔ سبھی گرمی دانت پک گیا۔ مگر جلن زیادہ
ہوئی کالے سرم کا پھایا لنگیا اسی کی پلٹس باندھی۔ گئی لگا کر پان چپکا یا کاشک کی
پھریری پہری۔ مگر وہ یا جو سے برابر دانہ خدا معلوم کس وقت کا تھا کہ گنتوں اور گہریوں
منٹوں اور پلوں بڑھ رہا تھا۔ دوپہر کو کہیں سہ پہر کو کہیں شام کو تو کہیں کا کہیں پہنچا
آدھی رات تک تو کچھ سوئی اور کچھ جاگی۔ مگر آدھی کے بعد تو پلاک سے پلاک چپکا کی حرام
تھی۔ منہ اور گردن دونوں سوچ کر کہتا ہو گئے بڑی شکلوں اور مصیبتوں سے جینج پیٹ
کر رات کا ٹی نما ز دم خالہ نانی کو بلوایا۔ چچی پھوپھی کو ڈولی پہنچی غرض جس نے دیکھا
دم بخود رہ گیا ڈاکٹر جراح حکیم طبیب سب ہی آئے اور گئے۔ مگر تسکین کی کوئی صورت
نہ نکلی ایک چنچ آسمان اور ایک زمین تھی جس شخص نے کہی پیہ تو پیہ سوکھی روٹی نہ دی ہو
بھر بھر مٹھیاں زپے دیر ہی تھی اور ایک ایک کی خوشامیں کر رہی تھی دینا بھر کے جن
کر ڈالے مگر آرام اور آفاقت کیا۔ میسے انیس بھی نہ ہوا۔ کس قیامت کی کہوں اور غضب

کی جلن تھی کہ کسی کروٹ بھی چین نہ پڑتا تھا۔ پہلی کی طرح تڑپ ہی تھی۔ دن اسی آفت میں بسر ہوا۔ بھوپچی اور چچی نے تو ڈولی ہی الٹی پہری۔ البتہ خالہ اذنا فی وہ بھی سگی نہیں شتہ کی آہنچیں تھیں۔ شام کو وہ بھی چلی گئیں محلہ والے تو پہلے ہی دن رات اسکی جان کو رو رہے تھے ملا داسطے غرض تکلیف پہنچاتی تھی۔ کچھ ایسا بغض الہی تھا کہ جب تک دن بھر میں ایک آدھ کو سخت نقصان نہ پہنچالے صبری نہ آتا تھا آسانی جی اگلے زمانہ کی عورت کا اثر کے ماں کے ساتھ کی کہلی ہوئی یہ کیفیت سنگد آگئیں مگر گھر پڑھ کر آئیں عصر جا کر گھر پڑھی۔ تیمار داری یا خدمت گزار نہی لے دیکر ایک مضمون سودہ غریب آپ ہی مر رہی تھی مگر پھر بھی سر سے بچی باندھ جتنا کچھ ہوسکا برابر لگی بیٹھی رہی۔

دوسری رات پہلے سے بھی بدتر گزری۔ ایک نے خم تھا جس پر کوئی کچھ کے زیر ہوا تھا۔ صبح جراح نے آکر حیرا دیا۔ دوپہر کو بخار چڑھا۔ غفلت شروع ہوئی۔ گہری نند گہری لمبے ہوش آجاتا تھا تو ایسی بدلاتی تھی کہ سنسنے والوں تاک کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے شام کو بخار زندہ لگا ہوا۔ مگر پھوڑے کی تکلیف بدستور تھی۔ بٹنگ باہر بچھوا انگنائی میں آکر لیٹی۔ یہ عمر بھر میں پہلا ہی دن ہوگا کہ نکاترا رحم الراحمین کے رحم کی ملتی تھی اور اس کو یاد کر رہی تھی۔ عشاء کا وقت تھا کہ ایک فقیر نے دروازے پر آکر صدا لگائی۔

سب ٹھاٹھ پڑا رہا جیگا جب لا دھلے گا بخارا

بیماری کی حالت ات کا وقت مضمون درد انگیز فقیر خوش الحان دفعۃً نکاترا کو عاقبت کا خیال نہ ہوا۔ سوچنے لگی کہ بس زندگی کے دن پورے ہو گئے اور ایک دن وہ روز یا دو چار گہری دنیا کی ہوا کھا رہی ہوں لے لیا جولیٹا تھا اور کھلکی جو کرنا تھا۔

افسوس ہو اس دنیا پر جس کے واسطے اتنا کچھ کیا آخر بیوقوفانہ تھی۔ بچہ بچہ ظلم کئے بڑوں بڑوں کو دم ہوکا دیا۔ آج شہر بھر میں ایک تنفس ایسا نہیں ہے مجھ سے خوش ہو یہ اتنی بیہیاں محلہ میں بھری پڑی ہیں مگر ایک اتنا نہیں کہ جیوٹ موٹ تو آکر میری خیر صلاح

پوچھتا گو کہیں پوچھتا اور کس لئے آتا۔ بس ہوں ہی کس سے پہلی جو میل خیال کسی کو ہو میرا گور
 گزہ ہا کی کو دین تو بھی ان کا اسان۔ ورنہ میں تو اس کی بچی بستہ تھی نہیں۔ افسوس افسوس
 'کام جمی اندین نام مری۔ قیوں کے مال ماسے۔ رائنڈوں پرستم کے' بمعومین جینی بچی ماں
 نہ باپ میرے ہاتھ سے کیسی کیسی بے گناہ پڑی۔ وقت گزرا گیا۔ دن نکل گئے اب اس کی سزا ہے
 ان ہی خیالات میں غلطاں بچاں تھی کہ یکایک ایسا معلوم ہوا کہ ایک عظیم الشان مکان میں شادی
 کا سامان ہے۔ ڈولوں پر ڈولیاں اتر رہی ہیں مگر آنے والیاں کچھ ایسی سرا سیم و پریشان کو باوجود
 ملاقات اور جان پہچان کے نہ کوئی کسی سے دلتا ہوتا نہ چلتا۔ تھکا تھکے کئی ایک پوچھا کہ یہاں
 کیا ہو رہا ہے اور یہ کس کا گھر ہے گو کسی نے جواب نہ دیا۔ دفعۃً اب کے ایک بڑے سا شخص آیا
 اور کھانٹر کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گیسٹیاں بھلا۔ اس شخص کی صورت ظاہری تو چند رخ فنکا
 نہ تھی مگر آواز میں کچھ اس بلا کی دہشت تھی کہ کلیہ بلیوں چھل پاتھا۔ ایک کوٹھری کے قریب
 بیجا کر اس شخص نے دھمکا کر کہا۔ "چل چل اپنے پھل پا جو بویا وہ کھاٹا، کہا اور کچھ ایسا کرکڑا کر
 کہا کہ کھانٹر کے ہاتھ پاؤں میں عشہ پڑ گیا۔ کوٹھری کے کواڑ کھل گئے۔ اندر ہیرا گھپ تھا۔ یہ
 حالت دیکھ کر چاہتی تھی کہ اس شخص کے پاؤں پر سر رکھ کر کچھ عرض کرے کوٹھری کے اندر سے
 ایک سانپ نے ایسی پھینکار ماری کہ بالکل ہی دھل گئی اتنے میں ایک آواز اس کے کان
 میں آئی جو کچھ کہہ رہی تھی۔

اسے تم
 سوچو
 ضرور
 اور غور
 صبح کو
 اور نیک

"کیوں تھکا تر چاروں کی زندگی پر ایسی پھوٹی کہ اگلے دن کا کبھی خیال نہ آیا تو دن
 رات دیکھتی تھی کہ تیری ماں نہیں بھاگی ہوڑی اس جگہ علی آ رہی ہیں۔ مگر تو نے کبھی یہ نہ سوچنا
 کہ ایک دن تجھ کو بھی یہاں آنا ہے۔ دیکھ اس کا نہ کہ دیکھ تیری ایک ایک گہڑی کا حال
 اور ایک ایک پل کی کیفیت اس میں لکھی ہوئی ہے۔ ہم نے تجھ کو لکھ کر اطلاع دی زبانی
 پیغام بھیجے کہ نادان ابھی کچھ نہیں گیا۔ کچھ کرنا ہے تو اب بھی کرے ورنہ روئے گی۔
 اندر پچھتائے گی۔ مگر تیرے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ ان خوشیوں میں جو پانی کے

بلبلہ کی طرح زیادہ بھڑکنے والی نہ تھیں تو ایسی کہی کہ نکلنے کو جی ہی نہ چاہا وہ تیرے جھوٹے دوست اور خوشامد کرنے والے آج کہاں ہیں؟ لے نمک حرام ہم نے پکار پکار کر کہا کہ سکھ سے جی چین سے رہ خوشی سے رہ اند شوق سے رہ مگر رہنے کو مستقل نہ سمجھ۔ تب آج تیرے پاس ہمارے لئے کیا کیا سو غائیں ہیں۔ ہماری محبت پر بھی کوئے غور کیا۔ تیری خاطر ہم نے سر لئے دنیا کو گلزار بنا دیا۔ کام کاج کو دن دیا۔ سوئے کو رات دی۔ جاڑے کے بعد گرمی دی۔ گرمی کے بعد برسات دی۔ طرح طرح کے میوے قسم قسم کے پھل یہ وضع وضع کی نعمتیں کس کے لئے؟ گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ ہماری عنایتیں اور مہربانیاں اسی قابل تھیں کہ تو ہمیں کبھی بھول کر بھی یاد نہ کرے۔ دیا ضرورت سے زیادہ کافی سے بڑھ کر بے روک ٹوک دیا۔ جتنا چاہے کہا۔ جتنا چاہے پی جہاں ضرورت ہو چاہ۔ جدھر مرضی ہو پھر پہن۔ اڑھ۔ اٹھ۔ بیٹھ۔ لیٹ۔ سو کہا۔ پی۔ ماری جائیو کم بخت نکاثر۔ کبھی ہمارا احسان کو احسان نہ سمجھا۔ او احسان فراموش ناگتی ذرا تو سوچ اور غور کر تجھے جیسی بیونا کہ نینتیں چوتیس برس میں ایک وقت ہمارے دیوہ دوسر نہ جھکایا۔ ہم نے اپنی نعمت سے محروم نہ رکھا۔ پٹ بھرنے کو روٹی دی پہنے کو کپڑا دیا۔ ہاتھ دیئے پاؤں دیئے کان دیئے ناک دی۔ ہمیں شکل نہ تھا کہ تجھ کو اندھا کر دیتے بہرا بنا دیتے۔ تیری جیسی عورتیں تیرے ہی آنکھوں کے سامنے آنکھوں سے اندھ ہی پاؤں سے لنگڑی ہاتھوں سے لوی کانوں سے بہری موجود تھیں۔ کیسی اُن کو دیکھ کر بھی تو نے ہماری قدر نہ کی۔ تجھے کہی یہ بھی نصیب بنا کہ نیا کپڑا پہن کر ہمارا شکریہ ادا کرے کہی یہ نیک توفیق ہوئی کہ اچھا کھا کر ہماری شفقت کو یاد کرے۔ سر اٹھا اور آنکھ ملا کر بات کر۔ ہم نے تجھ کو کہاں کہاں بچا یا کس کس جگہ مدد دی۔ کیسے کیسے موقعوں پر تیرا ساتھ دیا۔ تیرے ہی کارن لے نمک حرام صرف تیری خاطر تیری پرورش کی خاطر ما کو ماتا دی باپ کو پیار دیا بھولی بھولی صورت دی۔ بیٹھی بیٹھی پاتیں دیں کیوں نکاثر اسی لئے نہ؟ کہ جیتے

بل بل کر بڑی ہوا دبڑہ بڑا کر جو ان ہو تو تو ہم کو بلا لکل ہی بھوکاے منتیں مان چادریں چڑھا
 قبروں پر جھک بیٹوں کو بچ۔ اول سے آخر تک اپنے تمام حالات سن اور تو ہی بتا۔ اب ہم
 تیرے ساتھ کیا سلوک کریں۔ تجھ سے زیادہ نا عاقبت اندیش کون ہوگا۔ مسافر بنکر گئی گھر
 والی تنکے بیٹھی۔ پردیس کو وطن سمجھا۔ سرے میں ڈھڑے ڈالے اور اس بات کا کبھی خیال
 بھی نہ آیا کہ جو کچھ کر رہی ہوں حرف بحرف لکھا جا رہا ہو اور کچھ دفتر ایک نکلنا ہی کیوں
 نکاثر کال کے دن مٹھی بھر دانوں کے لالے اور تیرے ہی جیسے مظلوم و معصوم بندے
 دور سے آس نکا کر تیرے پاس میں اور تو منہ پھیر لے دکھیا ریاں مصیبت ریاں بھونکی بیبا
 تیرے در پر آکر پڑیں اور تو ان کا زیور تاکے تیس تیس چالیں چالیں روپے کی رقم محنت
 کی بنائی مصیبت کی جوڑی دس دس پندرہ پندرہ روپے میں ہتھیا میں اور کبھی رحم نہ آیا
 یتیموں کے مال مائے دقت پڑوں کے زیور چھینے رانڈوں کے دل توڑے بچوں پر ظلم کیا
 کسی کامکان دیا کسی کی دکان اڑائی۔ مگر اویہ قوت وہ سب میں تاکتا تھا اور وہ اس کا
 وہیں ہا آج تیرے ساتھ ان میں سے تو کچھ نہیں مگر ہاں مظلوموں کی آہیں اور دکھے ہائے دل و بچی
 بدو عائن تیرے ساتھ ضرور ہیں۔ نکاثر وہ ظلم و ستم اندر غور و تمکنت سانس ہی تک تھا۔ اب
 ختم ہوا۔ اتنے ہر اور ان کو تو توں کا پھل جو کیا وہ بھر، جو بویا وہ کاٹ یا دہریا بھول گئی
 آدھی رات کا وقت پانی کا طوفان اور وہ بن ماں یا پ کی بچیاں ات کی رات تیرے گھر پر
 رہنا چاہن منتیں کریں خوشامدیں کریں اور تو اس کان سن اور اس کان اڑھے ان کا کچھ نہیں
 گیا تو نے اپنی آخرت برادر کی وہ دن اور رات کچھ بھی نہ رہا مگر تیرا غل باقی رہ گیا جس مکان
 پر اتنا گھنٹہ کیا وہ سدا رہنے والا نہ تھا۔ نکاثر آج اس گھر میں آکھول ہو رہی ہیں اور کوئی اتنا
 نہیں کہ چراغ جلا کر بیٹھ جائے۔ کس برتے پر تپا پانی۔ کس بات پر پھولی اور کیا ہجھک پھولی
 جو کچھ کرتی اندر کچھ دیتی وہ سب تیرا امانت ہوتا اور آج ہم تنہا تیری امانت دگنی اور
 رنگنی واپس کرتے دیتے اور اتنا دیتے کہ تو خوش ہو جاتی مگر تو تو ہمارے نام سے

ایسی نیز ارمونی کہ مرگئی اور ہم کو جھوٹوں یا دہ کیا۔

کچھ معصومین کے برتاؤ کا یہ بیان ہوا آج ہم وہی برتاؤ تیرے ساتھ کریں گے تو نے اس کو مہی کی طرح رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور اس کا نہنا سادل باغ باغ تھا مگر اسے سنگدل تو نے اس کی بڑی مٹی پلید کی اور ذرا سے کلیجے پر بڑے بڑے داغ دیے۔ اس ایک معمولی سی پھنسی میں تو نے محلہ کا محلہ سرپڑا اٹھایا اور وہ بخار میں مل پڑا آفت زدہ بچی جو تیرے حکم پر پانی سرکہ بوجھ اٹھا کر لائی صرت پاؤں پھسل جانے پر اس سزا کے قابل تھی کہ سر پہ لوہاں ہو جائے وہ بھی تو تیری طرح جان رکھتی تھی صرت اتنا فرق تھا کہ تو بزدل دست تھی وہ کمزور۔ تو اختیار دالی تھی وہ مجبور مگر اس وقت تو ایسی عدالت میں موجود ہی جہاں کا حاکم تجھ سے زیادہ بزدل دست اور جس کا فیصلہ دھندھکا دودھ اور پانی کا پانی ہو گا۔ معصومین کا دل خبر فرح اس بارہ میں تجھ سے زیادہ پیارا ہوا اور بھی اسی سات برس کی لاوارث بچی اور تیری دست نگر لونڈی کی خاطر ہے کہ تو اس سخت عذاب میں پڑتی ہو۔ اٹھ اور جو کیا اس کو بھگت۔

آنکھ کھلی تو جنگل تھا نہ میدان خدا تھا نہ فرشتے دی اپنا گھر ٹوٹے پھوٹے جھنکے اور آئے گئے آدمی بکلیجہ بلیوں اچھل رہا تھا۔ چاروں طرف آنکھیں پہاڑ پھاڑ کر دیکھتی تھیں بہتیرا چاہتی تھیں کہ بسٹھلے مگر دل تھا کہ اندر سے بیٹھا جاتا تھا بمشکل تمام رک رک کر اور ہم ہم معصومین کو آواز دی پاس بٹھایا اور خواب کے حالات پر غور کرنے لگی۔ سوچتی ہے تو واقعی میں پچیس برس میں ہسینہ اور مہینے کا کوئی دن اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی ساعت اور کوئی گھڑی ایسی نہ گزری کہ سچ مح نہیں تو جھوٹ ہوٹ اور واقعی نہیں تو دکھا دیا ہی سہی کبھی تو خدا یاد آیا ہو یا خدا کے خوف سے کوئی کام کیا ہو۔ دوڑ دھانی گھنٹہ ٹمک پڑی اپنی حالت سوچتی اور افسوس کرتی رہی۔ جس پہلو پر نظر ڈالتی تھی نہ امت اور شرمندگی کے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ خواب

میرے واسطے غیبی ہدایت ہے۔ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ ابھی تمام باتیں میرے اختیار میں ہیں جو کہیں گئی ہوتی تو ہمیشہ اسی عذاب میں پڑی سڑا کرتی۔

اگلے پچھلے گناہوں کا دہیان۔ خدائے وحدہ لا شریک کی قدرت از رہتی کا یقین ہوتا تھا کہ افسوس نہامت کے ساتھ بیمار کے چہرہ پر مسکراہٹ لگ گئی۔ لٹنے میں ملنے اندر سے صدمہ دی کہ غافل ہی وقت تو یہ کاری نہنت منٹ اور پل پہلے کا بھروسہ نہیں۔ گو وقت سے اٹھی مگر اٹھی۔ بیٹھے بیٹھے ہی وغو کیا۔ جاننا نہ بچھوائی اور سجدے میں گری۔ بیکھر بیکھر میں پہلا اتفاق تھا کہ کائنات الرحم الراحمین کے حضور میں سچے دل سے پڑی گڑا رہی تھی۔ گہنٹہ سدا گہنٹہ ٹانگ پڑی دیتی رہی۔ روپکی تو اٹھک پٹنگ پر آئی۔ معصوم کو ہلا کر گلے لگایا۔ اپنا تصور معائنہ کر دایا۔

خدا کی قدرت کہو۔ یا اتفاق محض۔ رات کی تکلیف میں میں آسمان کا فرق تھا صبح ہی اٹھکر اُستانی جی کو بلایا۔ روتی ہوئی لپٹی اور جھکتی ہوئی ملی۔ ایک ہنر اور پیہر کا نوٹ یتیم خانہ میں آیا۔

انہیں میں کافرق تو رات ہی کو تھا۔ صبح کو بہتر۔ دوسرے دن اور بہتر ایک منفعت ہی بکھر میں پھوڑا ایسا ہو گیا کہ گویا تھا ہی نہیں۔

(۳۲)

میرزا ہنسیمہ کے ذالہ ماجہ کچھ ایسے بڑے تونہ تھے۔ مگر ہاں تھے سدا کے رنگ اور ہمیشہ کے بیمار۔ دہمی اس غضب کے کہ اگر جھینک بھی آگئی تو گہنٹوں کی مدنی اند پر چل۔ احتیاط اتنی زیادہ کہ تول کر کہا میں ناپ کر نہیں۔ یا دجو داس کے جو تھا بنجار کچھ ایسا ہاتھ دہو کے پیچھے پڑا کہ دتی اور مکملتہ۔ بیٹی اور لکھنؤ چاروں ہی کہوٹ ملا تو پڑا لی مگر ٹٹلنا تھا اور ٹٹلا۔ زرا ہد صیا نازک مزاج جس کا آدھ پا دودھ میں جی متلائے بہرے بہرے قدمے اند لہا لب پہا لے جن کو دیکھ کر دوسروں کو اُبکا نی آتی مجبور سی اور معذوری

غٹ غٹ پی جاتا۔ اس کنجش زندگی کے کارن سب ہی کچھ کیا۔ مگر جو دو پانی وہ اُلٹی اور جو علاج کیا وہ برعکس ڈبا پینچ تو رہ ہی گیا تھا۔ اس پرستم بھ ہوا کہ ایک دن صبح کو گرم پانی سے نہا کر چائوں لوں کے دونوں کھانے تھے کہ بلی میں درد شریع ہوا۔ حکیم ڈاکٹر تیس سب ہی آئے اور گئے مگر درد نے جنبش نہ کی۔ بال بچوں والا شخص کنبہ دامادی اور پھر آدمی بھی ایسا کہ پرانی آگ میں لوہے پڑنے والا۔ شام کو تو عورتوں کا ہٹھ کا ہٹھ مریض کے سر ہانے موجود تھا۔

اُن کے آنے کی غرض دراصل ہمدردی ہو یا محبت لیکن لفظ ہر تو کچھ تھوڑی سی حماقت ہی تھی۔ ودائی کے بھ نہیں۔ ٹھنڈائی کے بھ نہیں۔ حکیم کے بھ نہیں بلکہ اور اُن کو دیکھ دیکھ کر مریض کو وحشت ہوتی ہوگی۔ اور ہر گھر والوں کا جی اُلٹا ہو گا۔ بیمار غریب کی اول تو ہوش ہی نہ تھا انداز کبھی گھنٹہ دو گھنٹہ بعد لمحہ دو لمحہ کو آنکھیں کھولتا بھی ہو گا تو یہ رنگ برنگ کی صورتیں اور طوفان بے تیزی دیکھ کر اپنے مرنے کا یقین ہو جاتا ہو گا۔ گہر والی عجیب پریشانی میں تھی۔ بیمار کی بیماری کو قتی یا مہانوں کی خاطر داری۔ اگر ایسا ہی آنے والوں کا دل پھڑک رہا تھا تو سیدھی سی بات یہ تھی کہ کھانا کھا پی آئے گھنٹہ آدہ گھنٹہ بیٹھ دوسرے دیکھنا کھایا اور دہرا دہرے پوچھ پوچھ چلے گئے۔ یہ کس نے بتایا تھا کہ دس بجے کے آئے آئے شام ہو گئی جانے کا نام نہیں۔ پھر یہ کیسی آفت تھی کہ آئیں عیادت کو اور بال بچوں سمیت۔ بچوں کی خیمہ ہمارے عورتوں کی کچر کچر ادبھی آفت تھی۔ بیوی جتنی خدمت چاہیے تھی سراسر انہوں سے کر رہی تھیں مگر اس کے ساتھ دودھ پیتے بچے کا ایسا اڑنکا لگا ہوا تھا کہ ذرا پاس سے سر کی اور اس نے بلکنا شروع کر دیا۔ سامنے کی چار پائی پر لے پڑی ہتی وہ سو جاتا تو اُٹھتی اور پاس بیٹھتی۔ ہاں خدمت کا حق ادا کیا تو سیر نے کون کہہ سکتا تھا کہ یہ تیرہ چودہ برس کی بچی یا پک کوماں کی یاد دلا دیگی۔ پہاڑی ساتیں گھر کا بچہ بچہ سو جائے اور وہ اللہ کی بندہ کی ٹمٹکی باند ہے باپ کی صورت دیکھ

رہی تھی۔ تیسری رات دہ بجے ہوں گے۔ سنجیدہ نے کہا بیٹی اب تو جا کر ذرا بیٹھا
 میں بیٹھ جاتی ہوں۔

نسیمہ - پھوپھی جان اب مجھے لیٹنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا میں سب چیزیں
 میسر آجائیں گی مگر یہ نعمت گئی تو پھر ہاتھ نہ پائی نہیں، ابابا جان تیرہ چودہ برس تک میری
 خدمت کرتے رہے آج میرا فرض ہے کہ اس تکلیف میں ان کا ساتھ دوں۔ پھوپھی جان بڑھ

ہوں تو راتیں سینکڑوں آئیں گی۔ یہی نیند ہوگی اور یہی میں مگر ابابا جان کہاں اور میں
 کہاں جس کے صدمہ میں برسوں اچ کیا۔ اگر اس وقت اپنا تھوڑا سا آرام اس کے واسطے
 کئے اور ان کو کیا سجا ہے میرا بس چلے تو میں اپنی جان تک قربان کر دوں۔

پھوپھی تو یہ نسیمہ! کیسے بُرے بُرے خیال تھامے دل میں آتے ہیں۔ انشاء اللہ
 صحت ہو جائے گی۔ کمزوری کے مائے غوطے میں پڑے رہتے ہیں۔ بیٹی ایسی باتیں
 زبان سے نکالتے تھیں ہم نہیں آتا۔

نسیمہ - ہاں پھوپھی جان! اللہ ابا کی عمر میں برکت دے۔ مگر پھوپھی جان لکھا آپ
 مجھ سے چہ بیاں میں بھی تو آخر چھوٹی موٹی بڑی بہی کچھ تو عقل کہتی ہوں۔ بچہ نہیں
 نادان نہیں۔ ہائے پھوپھی جان میرا دل اندر سے کہہ رہا ہے کہ میں باپ چھوٹی اور ایسی
 چھوٹی کہ سدا کو۔ اب تو آپ۔ ابابا جان کو اس گھر میں مہمان ہی سمجھئے۔ کیلیجہ اندر سے اٹھا
 چلا آتا ہے کس قیامت کی رات ہے۔ بیکھئے تو سہی صبح ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ لیجئے
 دہ بجے ہیں۔ میں تو وہ لمبے لٹا کرتی ہوں کہ ابابا جان کی بیماری مجھ کو لگ جائے اور یہ آج
 ہو جائیں۔ اللہ میری عافیت کرے۔ ڈاکٹر کنیت کو تو دیکھئے کیا منہ بھر کہہ گیا کہ ابابا جان کا علاج میوہ ہے۔
 پھوپھی سے یہ کہہ کر جو باپ کی صورت پر نظر ڈالی اور ساتھ ہی اس کی شفقت و محبت کا
 خیال آیا تو دل بالکل ہی بے اختیار تھا۔ اس کا نرسن کہہ کر آواز دینا پاس بلانا نہ ہو
 ہاتھ پہنرنا۔ کہنا بلانا۔ غرض شفقت پردی کا نفاق کیا تھا کیلیجہ پر تیر لگ رہے تھے۔ کچھ

فرداد
 عمارت
 کالی و فادہ

از علامہ رشتہ الہی

ایسا جوش آیا کہ جھکی اور جھک کر اپنی آنکھیں باپ کے تلوؤں سے ملیں۔

نیمہ کار رو کر آنکھیں ملنا اور بوسہ دینا تھا کہ میرزا ہرنے آنکھ کھولی۔ دیکھا تو گھر بھر پڑا سوتا تھا۔ سنجیدہ کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔ نیمہ کو پاس بلا کر گلے سے لگایا اور آہستہ سے کہا: "میری جان میں تو اچھا ہوں تو کیوں مل بھاری کر تی ہے؟" باپ کے یہ الفاظ سن کے نیکن کے بدلے ایک ایسا نشتر تھا جو فوراً ہی دل کے پار ہو گیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ہر خیمہ باپ نے سمجھایا اور دلاسا دیا مگر وہ کچھ اس درجن نامیدہ ہوتی تھی کہ کسی طرح نہ سنبھلی۔ سنجیدہ سوئی تو کیا خاک تھی۔ تین چار راتوں کی جاگی مار سی تھی۔ گناؤ تیکہ پر سر رکھ کر سیدھی کرنے لپٹ گئی تھی۔ ذرا کی ذرا آنکھ جھپکی ہوگی کہ ہتھی کے رونے کی آواز آئی۔ گھر کر اٹھی اور سٹ پٹا کر دوڑی۔ بہانی کو ہتھیار دیکھ کر جان میں جان آئی۔ ہتھی کو سمجھا اچھا پانی پلایا اور بھائی سے باتیں کرنے لگی۔

میرزاہر کی حالت اس وقت تعجب انگیز تھی یا تو وہ غفلت اور غوطہ کہ گھنٹوں چپکا پڑا ہے آوازوں پر آوازیں دے مگر خبر نہیں یا یہ ایمان اور پیش کہ اپنے منہ سے پانی مانگا اٹھ کر بیٹھا۔ گھر کے ایک ایک بچہ کو نام نہ نام پوچھا۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ اس طرح گزارا ہو گا کہ حالت پھر بگڑی۔ بیسی بیٹھ گئی۔ آنکھیں پھر گھٹیں۔ سنجیدہ پان بنار ہی تھی۔ نیمہ مہاراد نے بھی تھی۔ بہتیرا سنبھالا مگر جب کچھا کہ اب میرے بس کا نہیں ہاتھوں پر سر لیکر تیکہ تاک لائی۔ ابھی سر تیکہ تک پہنچا بھی نہ تھا کہ میرزاہر کو جھکی آئی اور بیٹی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی دھنست ہو گیا۔ سنجیدہ نے آکر دیکھا تو بھائی کبھی کاروانہ ہو چکا تھا جنج ماہ گر جڑی ہوش آیا تو ہتھی کو گلے لگا کر کیسی بلکی ہڑ کہ سننے والوں کے دلوں پر چوٹ لگتی تھی۔ نیمہ کی آنکھ سے باپ کی زندگی میں تو سادہ بھادوں کی جھڑیاں تھیں۔ مگر باپ کا دم کلنا تھا کہ بالکل ہی پتھر ہو گئی۔ آنکھیں آنسو بھندہ اسانس ایک تصویر تھی کہ گم سم بھی ہے۔ پون گھنٹہ اس طرح گزارا ہو گا کہ اٹھی۔ اٹھ کر کلام اللہ لائی اور باپ کے سر پر ہاتھ پڑھنا شروع کیا۔

رات ختم ہوئی اور مومن نے صلائے اللہ اکبر ملتہ کی۔ فراق ابدی کا ثبوت باپ کا مردہ آنکھ کے سامنے تھا۔ اذان کی آواز کان میں آئے ہی منہ پر سے کپڑا اٹھایا اور بھیکر لیسٹ گئی: "ابا جان لونڈی سے کچھ خدمت نہ ہو سکی۔"

(۳۳)

میرزاہد کو توخیر مرنا تھا وہ مر گیا۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ نسیم کو جیتے ہی مردہ بنا گیا۔ سنجیدہ جیسی بھوپھی جس پر سوا میں قربان جس نے تیرہ چودہ برس تک ہتھی کی آنکھوں کی میلی ہونے دی اس معاملہ میں بالکل مجبور تھی۔ یہ پہاڑ نسیم پر ایسا آن کر گرا کہ سنجیدہ کے سر کاٹے نہ سر کا لاکھ تسلی اور کشنی دیتی۔ مگر میرزاہد کی موت نسیم کے لئے ایک ایسا کارئی ختم تھا جس نے اندر ہی اندر گھلانا شروع کر دیا۔ بھوپھی کی زبردستی ماں کے کہنے سننے سے برائے نام دسترخوان پر ابھیٹتی۔ مگر جہاں نوالہ توڑا اور باپ کا تصور تبدیل شکل سے رات دن میں آدھ پا ڈھانی چھٹا تک تاج اس کے پیٹ میں جاتا ہو گا۔ دسواں بیواں۔ چالیسواں سب کچھ ہو گیا۔ میرزاہد کو مرے دو تین مہینے ہونے لگے بیوی اور بہن دونوں وپیٹ کر صبر کر چکیں مگر نہ درست ہوئی تو حالت نسیم کی۔ ذکر ہے تہی کا اور فکر ہے تو اسی کا۔ مردوں کی سی صورت یتیموں کی سی حالت۔ پڑی ہوئی چپکی۔ بکڑی ہوئی تو گم سم بھائی کا صدر نہ تو سنجیدہ بھول بسر بھی گئی۔ مگر ہتھی کی یہ کیفیت اس کے دل پر ہر وقت کے کچھ کے دیتی سبب کوشش کر چکی تو استانی جی کو جو چند روز کے واسطے کلکتہ گئی ہوئی تھیں مفصل حال لکھ کر ان سے مدد مانگی کہ اگر آسکیں تو خود آئیں نہ لکھ کر سمجھائیں۔ استانی جی کچھ ایسے ابھیڑے میں تھیں کہ کئی دفعہ آنے کا ارادہ کیا۔ مگر ہمیشہ کوئی نگرانی سبب ایسا ہو گیا کہ نہ نکل سکیں۔ اس وقت جو خط انہوں نے نسیم کو لکھا ہے دیکھنے کے قابل ہے۔

”پارہ بکر نسیم بیگم سلہا۔ دعائے فراداد۔ میر صاحب کی رحلت جو صدرہ

تم کو پہنچا مشکل ہے کہ دوسرا آدمی اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کر سکے میں ہرگز اس خیال کی آدمی نہیں ہوں کہ ایک شخص پر مصیبت پڑے اور دوسرے اس کو مصیبت کی تلقین کرنا محض اپنا فرض سمجھیں میرا یہی چیز نہیں کہ کسی کے کہنے سننے سے آجائے یا دینے سے بچائے۔ بلکہ میں تو اس کو ایک قسم کی زیادتی سمجھتی ہوں جتنے والے کی توجان پر بنی ہوئی ہر اور دیکھنے والے صبر صبر بکا رہے ہیں۔ یہ کہنے کا حق تو اسی مبعود حقیقی کو حاصل ہے جو مصیبت پر صبر کرنے والے کو صبر جمیل بیان فرماتا ہے۔ تم کو اس وقت جس قدر صدمہ ہو سچ۔ اور جتنا غم کو درست سنجیدہ بہن کے خطوں سے تمہاری حالت معلوم ہوئی۔ وہ اپنی امانت کے مارے کچھ ہی کہیں مگر میں تو یہ کہتی ہوں کہ یہ حالت جو تمہاری ہوئی بجا ہوئی اور جائز ہوئی اور ہونی چاہیے تھی۔ کس منہ سے کہوں اور کس دل سے لکھوں کہ صبر کرو۔ وہ تو اپنے وقت ہی سے آئیگا۔ آئیگا اور ضرور آئیگا۔ مگر ہاں باپ کا سایہ سر سے اٹھنا تھا وہ اٹھ گیا۔ محبت اور خوشامد کرنے والے زندہ ہو تو بہت ملیں گے۔ مگر اس دل سے چاہنے والا اب نصیب ہوگا۔ میری رائے میں نہ گی کی گراں بہا نعمت ماں باپ کا سایہ ہر اور تم اس کی ہر نعمت سے محروم ہو گئیں۔ تقدیر نے تم سے ایک بیش بہا چیز چھین لی اور اس طرح چھینی کہ اب کبھی ہاتھ نہ آئے گی۔ میرے خیال میں کو اور کی بڑی کمائی اور میکے کا انمول چیز یہی دو چیزیں ہیں۔ تم کو تعجب تو ہوگا مگر غور کرو گی تو معلوم ہو جائیگا کہ گواں باپ جہیز میں نہیں ہوتے مگر ان کی دعا میں بیٹی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ نیمہ بیگم میں سچ کہتی ہوں نہ اب میرزا ہر قبر سے زندہ ہو کر آئیں گے نہ وہی علی بن ابی طالب آئیں گے۔ ایسے نقصان پر میں کی تلافی تمہارے کیا کسی کے بس کی نہیں۔ جتنا رو ہٹوڑا ہے تم کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ ایسی دولت جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں چند ذرہ کی جہان ہوتی ہے۔ جہاں نے رخصت کی ٹھانی تو کچھ ہی کر واد کر لےنا ہی رو کو سب فضول۔ پھر یہ دم بھر کٹے والے نہیں چھوٹے اور ایسے چھوٹے کہ پھر چاہے

دنیا بھر کی خاک چھان ڈالو لکھ یہ کہاں بسیمہ میگم برانہ ماننا اس وقت رنج اور غم جو کچھ بھی کر رہی ہو اپنے آرام کا ہر لمحہ محبت آنانے کا وقت تو وہ تھا کہ جب باپ رضاموت میں گرفتار اور تہاری مدد کا محتاج ہو کر پڑا تو تم نے کتنی خدمت کی۔ جہلو تہاری دعاؤں سے امید نہیں یقین ہو کر وہ شخص جس نے اپنا سکہ چین تم سے قربان کر کے تم کو نرس سے نیسہ میگم بنایا۔ آخر وقت میں اس طرح رخصت ہوا ہو گا کلاس کی منع ہمیشہ تم کو دعائیں دیگی۔ یقین نہیں یقین کامل ہو کر تم نے باپ کا تھوک بھی صندل کیا ہو گا میں دعوے سے کہتی ہوں کہ پھولوگی پہلوگی اور کبھی اس بات کا پتہ نہ آئے گا کہ باپ کا حقِ خدمت ادا نہ ہو سکا۔

جہلو یہ سن کر خوش ہوئی کہ باپ کی یاد میں آج تک تہاری آنکھ سے آنسو بہہ رہی ہے۔ میں غم کو منع کرتی ہوں نہ یہ کہتی ہوں کہ زاہد جیسے باپ کو دل سے بہلا دو اور دنیا کے غمخواروں میں ایسی ہنسو کہ مرحوم باپ کا کبھی خیال نہ لے لے مگر ہاں تنا ضرور رکھوں گی اور وہ بھی اس لئے کہ ضرورت ہو۔ بیٹی یہ تمام رشتے ختم ہونے والے اور فانی ہیں۔ یہ سلسلہ اسی طرح چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ ذرا سوچنے کی دیر ہو۔ آسانی سے معلوم کر لو گی کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہ ہو ہے نہ ہو گا جو اس رنج سے بچا ہو۔ جو جو عمر بڑھتی گئی۔ یہ صدے زیادہ ہوتے گئے۔ زندگی کے ساتھ ہی ان واقعات کا دیکھنا اور مصائب کا اٹھنا بھی لازمی سمجھ لو کہ کبھی قبرستان میں جانے کا اتفاق ہو تو دیکھنا بیسیوں اور سینکڑوں بزرگوں اور لاکھوں قبریں یہاں کہانی دیں گی۔ کچی اور پختی ثابت اور ٹوٹی۔ غرض چپے چپے اور کونہ کونہ ان ہی سے پتا ہو گا آخر یہ کون ہیں؟ کیلچے کے کھڑے آنکھوں کے تالے لالوں کے لال یہ وہ چاند سی صورتیں ہیں جو راتوں سیموں پر لوٹی ہیں اور آج جھگل بیابان اندھیرے گہپ میں مٹی اور کالے کے نیچے دبئی پڑی ہیں اُن کو کس دل سے رخصت کیا اور کن ہاتھوں سے سلایا وہاں جس پر اُن کی چند ذرہ جدانی سے جہاں چلتی تھیں اُن کا گری گور میں ملانے اور فراق ابدی پر راضی ہو گیا۔

یہی دنیا کا یہی دستور ہے کہ ایک سے ایک چھٹتا چلا آیا ہے جس طرح آج ہمارے ماں باپ ہلکے تھکے تھکے چھوڑ کر سدا رہ گئے اسی طرح ایک دن ہلکے بھی اپنے بچوں سے منہ موڑ لے گا۔ یہ وہ قانون ہے جو بدلنے والا نہیں اور وہ سلسلہ جو کبھی نہ ٹوٹے گا۔ ہم ان پر درہے ہیں لوگ ہم پر درہے گئے۔ جیسے ہم مرنے والوں پر درہے ہیں مرنے والے اپنے پیاروں کو روئے مگر ان کے مرنے سے قدرت کے انتظام میں فرق آیا نہ ان کے مرنے سے آئیگا۔ آسمان جیسے پہلے چھایا ہوا تھا آج بھی چھایا ہوا ہے۔ وہی دن میں ہی آتیں ہیں ہی صبح وہی شام منے والے مر گئے اور چلنے والے چلے اب ہم ہیں اور دنیا۔ وہی دنیا اور وہی نیک و بد مرنے کے ساتھ کون مرنے والا اگر ہمیں مردوں کے ساتھ زندہ بھی دفن ہوتے تو دنیا کے کام ہی جو پٹ ہو جاتے۔ دیکھنے کی بات یہ کہ مرنے والا کیسے مرا گیا تو کیا کر کے گیا اور چلا تو کیا ایک چلا میرزا ہر خدا بخشنے مجھ سے اٹھ برس چھوٹے تھے میں بڑی کٹی بیٹی ہوں اور انہوں نے جنگل جا بسایا۔ گوانی عمر مرنے کی نہ تھی مگر پھر بھی انکو جو کچھ کرنا تھا اگر سب نہیں تو بہت کچھ کئے بیٹا بیا بیٹی بیا ہی۔ بیٹی کے بچے دیکھے بیٹے کی دہن دیکھی۔ ہر چہ تولیے پسے کہ وہاں وہاں سبحان اللہ اور گئے تو ایسے گئے کہ تم تو بیٹی ہو میں غیر بھی انکے رہی ہوں ان کو نہیں رہی بلکہ اپنی غرض کو کیونکہ محلہ میں کوئی اتنا نہیں کہانی دیتا بیٹی پیاری انکو تو جو کچھ کرنا تھا وہ کر گئے اور اچھا کر گئے۔ تم کو جو کچھ کرنا ہے اس پر بھی تو نظر ڈالو۔ ورنہ دنیا میں آنے کی غرض کی گوری ہوئی۔ جانتی ہو کیا کرنا ہے؟ اتنا تو تم کو معلوم ہو کہ تمہاری زندگی سے کارخانہ قدرت کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اگر فائدہ پہنچ سکتا ہے تو تمہارے اپنے بہن بھائیوں کو تمہارے ہی جیسے آدمی کو تمہارے ہی جیسے اللہ کے بندوں کو محتاجوں کی خدمت کا جتنی دل کی مدد مطلوب ہے اس کا ساتھ دے دو اور لوں کا پاس پڑو۔ یہی تعظیم چھوڑوں سے سلوک یہ کام ہیں جن کے واسطے تم تباہی کیسے کہ آدمی اور جانور غرض جسکا جو کچھ حق تمہارے ذمہ مقرر ہو گیا اس کو پورا کرو۔ یہی زندگی کا مزا تو جب تک کہ ورنہ جینا

فضول اور سنا بیکار تم نے تو ابھی عمر کی پہلی منزل بھی طے نہیں کی۔ حالانکہ پہنچنا بہت
 ہے ابھی تو آگے چل کر دیکھنا کہ کیسے کیسے ندی اور ماے پہلا ننگے پہاڑ اور گھاٹیاں اُترتی
 پڑتی ہیں ضرورت یہ ہے کہ بڑی بڑی ٹکڑوں اور سخت سخت مصیبتوں کے واسطے تیار ہو۔
 اگر آج ہی بہت پست کرو گی اور جی ہارو گی تو بھگت عمر کے کاٹے کٹنگی۔ یہ بڑا کینو بکار
 ہو گا اور یہ منزل کس طرح پوری ہو گی۔ نسیم بیگم تم کو چند بندوں کی پرورش کرنی ہے
 اور ایک گھر کا مالک بنتا ہو تم ابھی سے کندھا ڈالو گی تو اس کے بچے مٹی بچو کہ تم بچے کوشش
 کرتی ہو کہ قدرت کے انتظام میں دو بدل کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ جن لو۔ بیٹی
 یہ تو ہونا نہیں پھر کیوں کہل کر بنام اور کر کے شرمندہ ہوئیں۔ یہ انتظام میرے ہتھار دو
 ہاتھ دیواؤں اے آدمی کے کام نہیں بلکہ ایک بروستہ احکام اس کا مین کے احکام ہیں۔
 کس کی مجال ہے کہ دم مارے اور اس کے فیصلہ پر صبر نہیں ہو۔ میں مسلمان کے ہاں پیدا
 ہوئی اب بھی مسلمان ہوں، دعا کرتی ہوں کہ مسلمان مردوں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہم سب
 اپنا وقت پورا کر کے ایک بڑے دربار میں اس غرض سے حاضر ہوں کہ زندگی میں جو غفلت
 کی اس کی جواب دہی کریں۔ لیکن یہ میری رائے صحیح نہ ہو لیکن میں تو زندگی کا اصل مقصد سمجھتی
 ہوں کہ جس وقت دنیا نے ناپائیدار کو خیر باد کہوں تو جس طرح تم اپنے باپ کے روہی ہو دنیا مجھ کو
 اس طرح رہے اور میں جو دنیا میں دتی ہوئی داخل ہوئی بہت سی ہوئی رخصت ہوں۔
 اب میں اس نتیجہ پر پہنچتی ہوں کہ جب زندگی کا مقصد خدا اور اس کے بندوں کی خدامندی
 ہے تو کس کا صدمہ اور کس کا رنج جو حال ہو رہا اچھا جو وقت ہو رہا وہ خوب باپ کی محبت
 رنج و غم سے ظاہر نہیں کی جاسکتی۔ سچی ہو تو وہ باپ جس کا دن رات تمہاری صورت دیکھتے
 گزرتا تھا اور آج تمہاری مدد کا محتاج ہو۔ اس کی خدمت کرو۔ خیرات کرو۔ قرآن پڑھو
 وہ بھی تو سمجھے کہ میری منت ٹھکانے لگی۔ مجھے میان اہم حرم کا حال اچھی طرح معلوم ہو
 جس طرح اہل دنیا کسی کا دل نہ توڑا خالق حقیقی انکا دل نہ توڑ لیا۔ مگر وہ تو جیسی

گزارنی تھی گزار گئے۔ لیکن تم کو ابھی بہت سی گزارنی ہے۔ نسیمہ یکم سب سے زیادہ اس کا لحاظ کرادے گی۔
 سبھو کہ دنیا سے ناپائیدار کی کسی حالت کو قرار نہیں کوشش ہے ہو کہ جب تک زندگی ہے۔ عزیز
 اقارب محلہ پڑوس اپنے ہوں یا فیر رشتہ دار ہوں یا جان بچان کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور جب
 رہائی کا وقت ہو تو دوبار حقیقی میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

(۳۲)۔

استانی جی کا خط ایک نشر تھا۔ جس نے صبح ہی صبح نسیمہ کے پہلے پھوٹے کو چھڑ دیا۔
 مواد بھرا ہی ہوا تھا ہاتھ لگانے کی دیر تھی پڑھتے ہی بے اختیار ہو گئی اندر کے کمرے میں چلا لگی
 پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں وہ ڈھائی گھنٹے بعد جا کر بچکی تھی تھی تو سوچنے لگی کہ سچ تو ہے
 جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب اس رونے دہونے اور نکر و رنج سے کیا حاصل کیا کروں ہر چند دل کو
 سمجھاتی ہوں مگر کسی خیال سے لیکن نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ کوئی میں انوکھی بیٹی ہوڑی
 ہوں اور کچھ میرے ہی سر سے باپک سایہ نیا نہیں اٹھا دنیا جہاں میں یہی ہوتا آیا ہے۔ خدا
 کی مرضی ہی تھی پوری ہوئی۔ اب میں قدرت کے انتظام میں بدل دینی والی کون۔ استانی
 جی نے کیسی بھی بات کہی تھی کہ حیات کو دفتر ان پڑ ہو۔ باپ کی محبت ہو تو ثواب پہنچاؤ مجھے
 اس کی تعمیل میں تو غدر نہیں۔ مگر ایک بات سبھو میں نہیں آتی۔ بزرگوں سے بھی سنا کہ ثواب
 میں بھی پڑھا کہ مرے کو ثواب پہنچتا ہے؟ خرچہ کس طرح۔ پھو بھی اماں سے
 چلکر پوچھوں۔

نسیمہ کو خبر ہوا ہونو مگر یہ خط اصل میں سنجیدہ اور استانی جی کی ملی بھگت تھی
 ڈاکے کا اگر آواز دینا تھا کہ وہ اندر بیٹھی بیٹھی یا ہرائی کن انکھیں سے ہنہ پڑھا اور لفافہ
 کی صورت دیکھتے ہی خط کا مضمون بھانپ گئی۔ نسیمہ ثواب کو دریافت کرنے
 آئی تو اس نے اس طرح جواب دینا شروع کیا

تم جانتی ہو یا ربی تعالیٰ خود تو کسی بندے کی عنایت یا عبادت کا محتاج

ہے نہیں۔ خیرات و زکوٰۃ مقرر کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ حاجت مند اس بہانہ سے اپنی حاجتیں رفع کریں جس طرح مالداروں کی ضرورتیں برآسانی پوری ہوتی ہیں۔ اسی طرح غنیمتوں کی بھی انکی نہ رہیں۔ اور وہ لوگ جن کے پاس ضرورت سے زیادہ ہے۔ دوسروں کی ضرورت کا بھی لحاظ کریں۔ اسی واسطے سب سے پہلے عزیز اقارب کی خدمت ہو تاکہ وہ غیروں کے دست نگر نہ ہوں۔ ہر شخص کے اوپر دنیا میں دو قسم کے حق ہیں ایک خدا کا جو کہ حقوق الہی کہتے ہیں اور ایک بندوں کا جسے حقوق العباد کہتے ہیں۔ میں پہلے بھی ایک دفعہ تم کو بتا چکی ہوں لیکن آج اس مسئلہ پر مفصل گفتگو کرتی ہوں تاکہ مسئلہ ثواب تمہاری سمجھ میں آجائے یوں سمجھو کہ ایک پانچ کو کوئی ضرورت پیش آئی۔ قدرت نے اس کو ان ذرائع سے محروم کر دیا جو اس کی ضرورت پوری ہونے میں مددگار ہوتے۔ اب اس کی ضرورت کا حق اس کے ہم جنسوں پر ہے۔ ایک شخص کو رحم آیا اور وہ مدد کرنے پر آمادہ ہوا۔ مگر چونکہ اس حق میں جو اس پر ہے تمام انسان شریک ہیں اور صرف ایک شخص اس حق کا محض ہمدردی کے طور پر ادا کرنا چاہتا ہے اور نہ سمجھتا ہے کہ انسانیت متقاضی ہے اس بات کی کہ میں اس کی مدد کروں۔ جہاں تک امکان میں ہر مدد دی اور یہ چاہا کہ اس کا ثواب میرے کسی عزیز کو ملے۔ اب یہ خیال کہ دینے والے نے ایک کوٹی دی اور مرنے والوں کو کبھی کوٹی پہنچی ٹھیک اس نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن پانچ کی خدمت ضائع الہی کا سبب ہوا اور حبیب کی رضا مندی حاصل ہوئی تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ وہ دینے والے کی خواہش پوری کرے اور اس کے اس عزیز کی جو ہر قسم کی مدد کا محتاج ہے۔ اپنی رحمت سے اعانت کرے اور یہ ناجیز شخصہ کسی دوسری صورت میں اس تک پہنچا دے۔

(۳۵)

جس طرح برف کی ساری سل گہل گھلا کر آخر کار پانی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح رنج اور صدمہ تحلیل ہوتے ہوئے ایک نشان باقی رہ جاتا ہے اسی جی کا خط چھوٹی کی تلقین نسیم

کو کچھ ایسی تسکین ہوئی کہ بظاہر غم کے کوئی آثار اس کے چہرہ سے نہ معلوم ہوتے تھے۔ البتہ صبح شام دونوں وقت دوپلے قرآن شریف و آدمیوں کا کھانا بلاناغہ باگپنا پہنچا ہوتی، اگر کوئی مستقل فرقہ حالت میں ہوا تو صرف یہ کہ مونس ہمارے رفیق و دوساڑ گزایا تھا ہسپتال جو کچھ بھی تھیں و کتابیں غرض معلومات مذہب میں جو تھوڑی بہت کی تھی وہ اس طرح پوری ہوئی۔

نسیم کے سکھر اپنے اور سلیقہ شکاری کی دھاک لگھرا کر حملہ کیا کہ نہ اور شہر میں کسی کی بندہ چکی تھی۔ جھوٹے ہیں ہی ہر طرف سے شادی کے چرچے ہونے لگے۔ بڑی بڑی رئیس ادیبوں اور امیر زادوں کو نسیم کے لانے کا ارمان تھا اور ایمان کی بات بھی یہ ہے کہ دین بھاگ اس گھر کے جس میں نسیم دین بنکر پہنچے۔

ایک دن نہیں بڑے بڑے گھرانوں کی بیویاں سینکڑوں ہزاروں کی جامدا لکھنے کو تیار تھیں۔ اور ہر منجھلی کے سسرال والوں نے مائے قافعوں کے ناک میں دم کر رکھا تھا گو سنجیدہ نے کئی دفعہ کہل کھلا صاف چاہے دیا۔ مگر کچھ عجیب قسم کے لوگ تھے کہ گھر کی مٹی لے ڈالی سنجیدہ کا انکار اس بچے سے نہ تھا کہ وہ پردیس میں بیٹی دینا گناہ سمجھتی ہو لڑکے کے گنہگار اس قابل نہ تھے کہ نسیم عیسیٰ بیوی کا خاندن ہوتا۔ روپیہ کی افراط و تفریط مگر سنجیدہ اس کی بھوک نہ تھی۔ یو عیسیٰ کا عیب اور ہزاروں نقصوں کا نقص بھی تھا کہ صاحبزادہ کی کل علمیت اردو کی دو چار کتابیں تھیں۔ ایسی جگہ تو لوگ اگر انہیں بچھاتے اور سونا لٹاتے تو سنجیدہ بیٹی دینے والی نہ تھی۔ جن صفتوں کا لڑکا اسے مطلوب تھا وہ علانیہ کہہ چکی تھی۔ اس پر منجھلی والوں کا اعتراف بالکل بے سود اور قطعی بیکار تھا۔ مجموعاً ایک دن صاف کہہ دیا۔ بیوی بھوکو کیوں پریشان کیا، کئی دفعہ کہ چکی کہ بھوکو روپیہ پسینہ چاہیے میں تو صرف لڑکا چاہتا تھا۔

(بیچ والی) تو پھر بیگم بگڑاتی کیوں ہو۔ کس برتن پر یہ شوشاں ایسے لڑکی میں

کیا لال لگے ہوئے ہیں علم علم۔ علم نہ ہوا۔ میرزا کوڑا کا نام جہاں ہوا۔ اسکا امتحان پاس ہو چکا
 امتحان پاس ہو۔ بس تو اصل نسل پڑی تو کچھ جیسے نہ رہی۔ تقدیر میں نوکری نہیں
 تو پاس کو بیٹھی چائنا کرنا۔ بڑے بڑے پاس والے جو تیاں چٹختے پھرتے ہیں اور کوئی
 بات تک نہیں پوچھتا۔

مشاطہ تو خدا معلیم کسی جلی اور کب کی بھری ہوئی تھی کہ گہر چڑھ کر آئی اور سر چڑھ کر لڑی
 اتفاق سے تند بھاو میں دونوں ہی ٹکٹی تھیں اور بھاو کو تو غصہ بھی آچلا تھا مگر سنجیدہ بھاری
 بھر کم تجربہ کار عورت ہوں نہ کرنے دی۔ جانتی تھی کہ اس کے منہ لگنا پرے سرے کی بے وقوفی
 اور حد وجہ کی نادانی ہے۔ کیوں اندھا نہ ہوتا اور کیوں دوبلائے۔ ایسی گہنی سادی کہ بھر ہی
 نہیں بیکہ کس کو رہی ہے۔ بڑھیا کچھ دیر تک اس توقع پر کہ شاید کچھ جو اسے منہ لگتی رہی مگر
 جب دیکھا کہ یہاں کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی تو برقع سر پر ڈال سیدھی ہوئی۔

لتنے بڑے شہر میں لوگوں کی کیا کمی۔ مگر انٹرنس پاس ہو رہیہ کی مستقل آمدنی بھدو نہیں
 ایسی تھیں کہ مال پورا ہونے آیا اور ایک بات ڈھنگ کی نہ چڑی۔ پیغام بیسیوں آئے مگر
 جو آیا وہ بے ٹکا۔ مالدار میں تو جاہل پڑے لکھے ہیں تو مفلس دانت کریدنے کو تو تکا تک نہیں
 دولت پور کے رئیس کا نام شکر تو ماں کے منہ میں پانی بھرا آیا اور منہ سے کہا بھی مگر سنجیدہ
 کچھ ایسی مستقل مزاج آدمی تھی کہ جو ایک دفعہ منہ سے کل گیا آخر تک اس پر اڑی رہی۔
 میرزا اہم مرحوم کے چچا زاد بھائی کا لڑکا قسیم تیرس کے سال بی۔ لے میں کامیاب
 ہو چکا ہو نہار بدو کے چکنے چکنے بات بھین ہی سے کچھ ایسا سیدھا اور نیک واقع ہو ا تھا
 کہ تمام جھگڑوں سے الگ تھلگ مدرسہ اور کتاب دے کے سو اتیسری چہرے سے واسطہ ہی
 نہ تھا جو دہویں برس میں انٹرنس کیا سو پلوں میں ایف۔ لے۔ اٹھارویں میں بی۔ اے
 نتیجہ کا نکلنا تھا کہ نائب تحصیلدار میں نام دیج ہو گیا اور اس سال مستقل جگہ مل گئی
 سنجیدہ کی نگاہ تو قسیم پر کبھی کی پڑ چکی تھی خصوصاً تقریب دالے اور تو وہ بیکہ دیکھا بالکل

لو ہو گئی کہ بکرا ذبح کرنے کے واسطے کنبہ ہی بھرنے زور لگایا مگر اس نے اپنے ہاتھ سے چھری پھری کسی نے مزید کسی نے کافر کسی نے لڑکی کسی نے بزدل غرض جو جس کے منہ میں آیا سب ہی کچھ بنایا مگر ذبح کرنا تو درکنار ذبح کے وقت کھڑا نہ ہو سکا۔

چونکہ سنجیدہ کا مذہب بھی تقریباً ہی تھا۔ اس لئے قسیم کی عورت تو اس کی نگاہ میں اس وقت سے سچی۔ جب وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اب تو بی۔ اے اوقائب تحصیلدار چٹپڑی اور دوڑو گرو بیٹی کی ماں سچی کیا مجال جو اشارہ یا کنایہ کبھی کسی کے آگے زبان پر لانی ہو۔ اور قسیم کی ماں نسیمہ کا انتظام خانہ داری اور اس کے خیالات سن سن کر سوجاں سے عاشق سچی۔ گوزبات پر نہ لانی مگر دل میں کہہ چکی سچی کہ اگر جان میں جان ہو تو بھابی جان سے بیٹی لوں اور لوں۔ سنجیدہ کی شہرطیس اس کے کان تک پہلے ہی پہنچ چکی تھیں اور اب تک اس کی خوشی غفلت نہ سچی بلکہ بیٹے کی نوکری کا انتظار۔ نائب تحصیلدار ہوتا تھا کہ وہ ایک وزپا خروٹے کی مٹھائی ساتھ لے صبح کی نماز سے فراغت پا سنجیدہ کے ہاں گن آئی نسیمہ تو سنستے ہی کمرے میں چلی گئی۔ چہو ترے پر دونوں گلے ملیں اور دھالان لڑا کہ سنتی ہوئی متھیں سنجیدہ آج کہ ہر رستہ بھول گئیں غنیمت ہے کہ شے کو توجی چاہا۔ میں تو ایک ایک سے خیر صلاح پوچھتی سچی۔

قسیم کی ماں۔ جی بجا ہو۔ دل چاہتا تھا تو میں ایسی کون سی ہزاروں کو س سچی۔ بچی اچھی ہے۔

سنجیدہ۔ ہاں خدا کا شکر ہے۔ آپ کی دعا سے اچھی طرح ہو۔

قسیم کی ماں۔ میرے آنے کی شرم میرے بڑے چوڑے کی لاج تھلے ہاتھ ہے فقط شے ہی نہیں آئی۔ غرض لیکر آئی ہوں قسیم کے عیوب اپنے دامن میں چھپاؤ اور اس کو غلامی میں قبول کرو۔ میں ہوں تو چھوٹی سی آدمی مگر یہ وعدہ کرتی ہوں کہ جب تک زندہ ہوں پاؤں ہو دوہو کر پیوں گی۔ زور نہیں بروستی نہیں مگر گیارہ ماں قبر ساتھ لجاؤ گی

میرا دل نہ توڑنا۔ لاؤ لپٹ کی باتیں تو مجھے آتی نہیں۔ تین ہزار روپیہ اسی نام کا ایک میسج الگ کہا ہر وہ حاضر ہے۔ یہی جوڑا چڑھا دیا۔ ہر وہ بیکرا آئی ہوں زندہ بنا کر بھیجو۔ میری طرف دیکھو اپنی طرف نہ دیکھو۔ آپا جان ہنسی کی بات نہیں ہر مجھے ہنسی میں اڑاؤ چھوٹا منہ بڑی بات تو حضور ہر مگر دنازہ پر آئی ہوں خالی نہ جاؤں گی۔

سجیندہ۔ ادھر کا خیال تم کو کہاں سے پیدا ہوا۔ کیوں زرِ رفعت میں گناہ کا پینڈ لگاتی ہو۔ کس بل پر ماں کروں۔ روپیہ پیسہ۔ ہنرِ سلیقہ شکل صورت کچھ بھی تو نہیں کیوں جھکوا لیکر شرمندہ کرتی ہو۔ غریبوں کی کہیت تو غریبوں میں ٹھیک ہوتی ہر قسم اللہ اس کی عمر دلا کرے اور تمہارا کچھ ٹھنڈا رکھے۔ جیسے تمہارا کچھ ویسے میرا لگ گیا کروں عقل کام نہیں کرتی۔ خیر ابھی انکار اقرار تو کچھ کرتی نہیں ہاں اتنی مہلت دو کہ اس کی ماں کا بھی عندیہ لے لوں۔

بظاہر تو سجیندہ نے پانی کے گے خوب پاڑا باندھی مگر دل کی کیفیت یہ تھی کہ قسم کا نام سنتے ہی سوکھے دھانوں میں پانی بڑ گیا۔ قسم کی ماں کسی ہی سیدھی اور بھولی کیوں ہو۔ ایسی بچہ بھی نہ تھی کہ معاملہ دوسرے ادھر ادھر میں ڈال چلتی ہوتی۔ سجیندہ کی گفتگو سن کر پہلے تو ہنسی اور پھر کہنے لگی۔

بجائی جان کا عندیہ کیا۔ اصل عندیہ تو تمہارا ہی۔ جہاں تم راعنی ہو وہاں وہ خوش اور اگر خیر ان ہی بردار و دار ہی تو وہ کون سے کالے کوسوں ہیں۔ جاتا بڑی بی ذرا بلانا۔ کل پندرہ دن کی چھٹی ہے۔ جس میں سے آج تین دن تو ہو ہی گئے۔ ان ہی بارہ دن میں سب کچھ کتنا دیر ناہی۔ ابھی مہلت مانگی۔

قیاس تو یہی کہتا ہے کہ سجیندہ ایسی جلدی ماں کرنے والی نہ تھی۔ اور اگر قسم کی ماں غیر ہوتی تو یقیناً برقعے پہنتے اور جیتیاں ٹوٹتیں۔ گواہی کرنی میں اس وقت بھی کسر نہ رکھی اور ہر چہند چاہا کہ کسی طرح اس وقت نالہ سے۔ مگر قسم کی ماں برابر کی سہیلی اور قریب کا رشتہ

ان لمبے بالوں میں کیا آنے والی تھی۔ صبح کی نماز پڑھ کر آئی اور ظہر کے بعد ہاں کو مارا اٹھی۔ شادی کیا ہستی پر سرسوں جمانی تھی کہ اس پر کوبات بٹھری اگلے پیر کو مباحی بنگل کو برات بدھ کی طاع بے بنیدہ کے دوران پیش اور سمجھدار ہونے سے انکار نہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اگر نسیم چاہتی تو بنیدہ ہی کے ہاتھوں شرفیاں مٹی کر دیتی۔ ایک سا کبار ہی میں جس کو کوئی گولڑوں کے مول نہ پوچھتا دو چار سو روپے اٹھ جانے کو بیڑی بات نہ تھے اور سچ یہ ہے کہ بنیدہ چمکی ہوئی تھی اس طرف تھی کہ تھوڑی بہت برات کی سو بھا ہو جائے مگر نسیم نے پھوپھی سے صاف صاف کہہ دیا کہ لمبی لمبی کشتیاں اور کچلے پھلے خوان بری بڑی گہر ڈنچیاں اور بھاری بھاری ٹلن سو اس کے کہ گلکار آنا ہوں اور کس کام کے۔ ہاں تانبے کے برتنوں کا مضائقہ نہیں وہ بھی ضرورت کے موافق اور حیثیت کے لائق یہ نہیں جو چیز نکلی تار بندہ گیا۔ برتنوں کی حامل تھوڑی ڈالنی ہی۔

یوں تو جس دن سے پہنچی مٹی بنی اسی دن سے گلہری کے گود ڈکی طرح ایک ایک چیز بنیخہ نے سینت سینت کر کہنی شروع کر دی تھی۔ مگر لکڑی کی چیزیں اس خیال سے کہ زیادہ دن ہو کر بے آب معلوم ہوں ابھی نہ لی تھیں۔ لیکن نقد پان سو روپے اس کام کے ٹوالگ رکھ چھوڑے تھے۔ نسیم کا یہ حال دیکھ کر اس کو کیا غرض پڑی تھی کہ گرمے اٹھاتی اور بیوقوف بنتی سو سو سو روپے میں لگن گہر ڈنچ کر کر کر کرے چار سو بچائے۔

جوڑوں کا ذکر آیا تو نو اسی کی معرفت پھوپھی کے کان میں بات ڈلوادی کہ وہاں بھی کہا بھیجئے۔ جو تھی کا جوڑا نہ کا جوڑی چاہیے نہ مصداقہ سے لپا۔ گولے تھے پس زیادہ رحم لگانا روپے کے چار آنے کرنے ہیں۔ اس کے بدلے زیور میں ایک چیز بڑھ جائے تو بہت اچھا۔ بیٹے والوں کا کیا ہرج تھا جوڑا معمولی کر سہلے بڑھائیے پہنچی کا عندیہ کچھ پھوپھی نے بھی دھکا کا جوڑا لفظ کر ڈالی سو روپے نقد حوالے کئے۔ جہیز کے جوڑوں میں بھی ایسی ہی کتر بیونت کر کر دو ہزار روپیہ کا ایک مکان لیسہ کے نام خرید لیا گیا زیادہ

زیادہ پانسو روپے اوپر لگے ہوں گے۔ پانسو کا کھانا دانہ۔ ایک ہزار کا زیور۔ چار ہزار کی شادی ایسی ہوئی کہ ادھی کی کوڑیاں بھی بیکار نہ گئیں۔

دو ار کا دن آیا تو پرنچلہ تک کی عورتیں گھر میں بھری تھیں اور کوئی ایسی تھی جس کی آنکھ میں آنسو اور لب پر دعا نہ ہو۔ خوش نصیب بھی تھی نسیم۔ بیٹی بیٹی تو ایسی بنی کہ نخلہ بھر کے دل میں گھر کیا اور بہونے کا وقت آیا تو پرنچلہ تک کے خوں آنسو لو اگئی چاروں طرف سے یہی صدائیں آ رہی تھیں الہی دو دوں نہلے پوتوں پہلے ماں اور پھوپھی کی توجہ کچھ کیفیت تھی وہ تھی ساٹھ ساٹھ پیٹھ پیٹھ برس کی بڑھیاں جنہوں نے اپنے ہاتھ سے بیٹیاں اندو امیاں تک کی بیاہ دیں کلیجہ سے لگا ڈا رہیں مارا کر رو رہی تھیں نسیم کی محبت نے کچھ ایسا گرویدہ کر لیا تھا کہ سنجیدہ کی بیٹی محلہ بھر کی بیٹی معلوم ہوتی تھی سمنہ ہونے کا اترنا تھا کہ نسیم کی طبیعت دفتہ بگڑ گئی۔ بیٹے بیٹے یہ خیال آیا کہ جس گھر میں بیٹی اور بڑی آج اس کا کو لا کو لا اور پا کھا پا کھا سب چھوٹے اور چودہ برس کا ساتھ ختم ہوا۔ عمر کا یہ حصہ ہلا یا بڑا ایسا گزرا تھا کہ اگر کیا افسوس یہ کہ جو کام کا وقت تھا وہ پورا ہوا آگے چل کر تو دنیا کے دہندے ہیں اور میں ہوں۔ بزرگوں کی خدمت کے دن تو یہی تھے۔ اب ہلا میں ان کی اطاعت کرنے کہاں آؤں گی اور تو اور پھوپھی ماں تک کو کئی دفعہ میں نے کیسے سخت جواب دیے کہ وہ میرا منہ دیکھ کر چپ ہو گئیں اب وہ کہاں اور میں کہاں؟ کیا ہمیشہ باتیں سننے کو میرے پاس بیٹھی ہیں۔ ایک پھوپھی ماں ہی پر کیا خدا معلوم کس کس کی شان میں کیا کیا گستاخی کی اور کس کس کے ساتھ کیسا کیسا برتاؤ کیا ہے نسیم ان ہی خیالات میں غلطان پڑی تھی کہ باہر سے کالج کی خیر آئی اور چاروں طرف سے مبارک سلامت کی دھوم دھام ہونے لگی سمنہ ہونے والی کا تھا خدا شرف کیا۔ اسی مصحف کے واسطے وہ لہا اندر آیا تو بنجیدہ نے بیویوں کو قرینے سے بٹھا کر کہا۔ میں اپنی بچی کو رخصت کرنے سے پہلے کچھ کہنا چاہتی ہوں گو آپ سب کو تعجب ہو گا کہ میں نوکری بات کر رہی ہوں اور مجھے جو کچھ کہنا تھا نہائی

میں کہتی تھیلیہ میں کہتی مگر مجھے اس محفل میں بہت سی لڑکیاں ایسی نظر آ رہی ہیں جنکو بہت جلد میکے سے رخصت ہونا پڑے۔ اس لئے میری یہ تقریر ایک پتھو دو کاج ہو جائیں گے۔

”نیمہ بیگم! آخر وہ دن آگیا جس کے دہڑکے میں میری ساری ساری رات آنکھوں میں کٹی ہوئی کل بات ہے کہ تم میری گود میں تھیں اور آج خدا کا شکر ہے کہ میں بنی بھی ہو چوہ ہر سال زمانہ خراب خیال ہو گیا۔ اس وقت جو کچھ میری کیفیت ہے اور جس دل سے میں تمکو رخصت کر رہی ہوں بیٹی والیوں ہی کے دل جان سکتے ہیں جو حالت تمہاری اس وقت ہو گی وہ میں خوب سمجھتی ہوں۔ کیونکہ تمہاری ہی طرح ایک دن میں بھی دلہن بنی تھی یاں جی چلہتے والی بہن بھائی جیسے پیار کرنے والے۔ غرض سولہ برس کے رفیق و شفیع سب کو چھوڑ چھاڑ ایک ایسے محلہ میں ایسی جہاں آج کھڑی ہوں گویا ابتدا میں دل صبر و گریہ لاگو رفتہ رفتہ وہ کچھ اور گہرا ہٹ سبھاٹی رہی۔ جوں جوں ن بڑھتے گئے طبیعت لگتی گئی میکے کا زمانہ زندہ کی کا کوئی حصہ تھا بلکہ کھیل کود کے دن تھے۔ غور سے دیکھو تو زندگی آج ہی شروع ہوئی اور میں اپنے ہاتھوں تمہارے کتہے پر ایک نئی ذمہ داری کا بوجھ کھیتی ہوں۔ اس گھر سے چھوٹ کر اب تم کو ایسا گھر آیا کرنا ہے جہاں حق ہمایاں کا جایہ کوئی نہیں جو ہے وہ نیا اور اجنبی۔ مگر سچ پوچھو تو زندگی میں تم کو جو کچھ کرنا ہے اس کا پہلا کام یہی ہے اور اصل دنیا وہی۔ گو فیڑوں کے دل میں گھر کرنا مشکل ہو مگر تھوڑی بہت ہمت کر دے گی تو بیڑا پار ہے۔ میں بھگت چکی اور جانتی ہوں کہ زناک بزناتے لوگ طرح طرح کی دلیاں بولیں گے گو ان کا رام کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھوڑی سی تکلف اٹھا کر عمر بھر راج کرنا سب سے پہلا مرحلہ ساس تندہ کرنا ہے۔ جنکو نادان لڑکیاں دوسرے ہی دن سے جان کا دشمن بنا لیتی ہیں۔ مگر مجھکو تمہاری دانشمندی اور دور اندیشی سے یقین ہے کہ تم اپنی ساس کی عزت مجھ سے زیادہ کرو گی۔ جس قدر تم نے میری اطاعت کی ہے میرا منہ نہیں کہ اس کی تعریف کروں آج اتنی ہی اطاعت کی توقع پر میں تم کو سسرال پہنچتی ہوں! نیمہ بیگم میں کہتی ہوں

اور سچ کہتی ہوں کہ اگر اس کی اطاعت میں غفلت نہ کی تو مسلسل میں بیٹھی حکومت کرو گی
ہاں چند نامزدیں تم کو بھی بھی ملیں گی جو ادھر ادھر کی باتیں لگا کر ادبیات کے قنگڑا بنا کر دلوں
میں فساد ڈالنے کی کوشش کریں۔ اسے البتہ ہوشیار رہنا اس سے زیادہ بد نصیبی کی اور
کون ہو سکتی ہے جو شادی ہوتے ہی ساس سسرال سے علیحدگی کی خواہشمند ہو۔ میری
سلئے میں ساس کی زندگی بہو کے واسطے ایک سرپوش یا جھاڑو کا بندھن ہے اور مجھے پورا
یقین ہے کہ تم اس نعمت کو ہمیشہ وقت کی نظر سے دیکھو گی۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں
کہ اس کے بعد جو شفقت چہر میری ساس کے دنیا میں اور کسی نے نہ کی۔ چند روز کی جہان کو
دیکھ نہ دنیا اودیا دیکھنا کہ ساس کی رضامندی مسلسل کی پہلی منزل ہے۔ یہ ہمہ جہت
لی تو تندرلوں کا سر کھینا بڑی بات نہیں۔

نسیم بیگم اب نیا گھر ہو گا اور تم ہو گی۔ نئی دنیا ہو گی اور تم ہو گی کو اپنے کا زمانہ
ختم ہوا۔ اور خدا کا شکر ہے یہ عزت و حرمت ختم ہوا۔ میں تو آج کیا کہی جیسے سے رو
رہی ہوں مگر تمہاری جدائی پر سارا حملہ آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہے۔ میری پیاری تن میں یہ وقت
تیرے رہنے کا نہیں میرا دل دیکھ نہ نسیم جیسی بیٹی جس کو کبھی دم بھر کے واسطے آنکھ سے
اوجھل نہ کیا۔ آج مجھ کو رقتا چھوڑا اپنا گھر الگ بسا رہی ہے۔

نسیم بیگم۔ میں تمہارے پاس نہ ہی ساتھ نہ ہی تم کہیں یہ کہیں یہی مگر جیت تک
جیتی ہوں میرا دل میرا خیال سب تم میں ہے۔ جانتی ہو یہ تکلیف یہ مصیبت میں نے کیوں
اپنے سر لی میں تم کو ایک ہر دست امتحان میں پہنچتی ہوں اور ایک اجنبی شخص کے ہاتھ میں
تمہارا ہاتھ اس امید پر دیتی ہوں کہ تم اپنی خدمت گزاری سلیقہ شعار سے اس کو رضامند
کر لو گی یہ شخص ہے جس کے اوپر تمہاری زندگی کا دار و مدار ہے جس کے ساتھ عمر بسر کرنی ہے
تم اس قدر دلوں ملکر دنیا میں ایک دم سمجھ جاؤ گے کہنے کو نہ دگر اصل میں ہر ایک بیچ میں
دونوں شریک ہر خوشی میں دونوں ساتھی۔ تمہارے جہیز میں جو ملے اور زیور تو خبر جیسی میری جہیز

اسکی اس کے موافق نے ہی میں مگر ایک بیش بہا رقم بھی ساتھ جا رہی ہو اور یہ وہ چیز ہو جس پر ہزاروں
دلا کہوں پہلا شرفیاں قربان۔ بتاؤ یہ کیا چیز ہو۔ یہ جو ہر شرافت و امیری وغیرہ پر تقدیر
رہیں مگر شرفیاں یا پلوں کی بیٹیاں ہر حال میں غاوند کے ساتھ خوش ہیں۔ نالتے کہیں بند
نکائیں اور بڑوں کی عزت ہاتھ سے نہ دیں۔ منہ ہونگا لائے جوئوں کی بیٹیاں جو کہیں بچوں کی لالچ
آج بھی جو ہر شرافت تمہارا بڑا جہیز رہا اور مجھ کو یقین ہو کہ چاہے تکلیف سے جان پر ہونے اور
نا تو کس دم ناک میں جلتے مگر اس جہر کو ہاتھ سے نہ دو گی اور جینک میں نہ ہوں کبھی تمہاری سنگت
بہرے کان کاٹ لیتی نہ کسی کی زبان تک۔ میری پردین سچی مسافر بیٹی۔ جہاں پہنچی میں تیری خدمت اچھی
ج نہ کر سکی۔ آہ نسیم لگ بھولے سے تربیت میں کوئی غفلت ہوئی یا کوئی تنبیہ ناگوار گزری ہو تو معاف کیجئے۔
نسیم گیم تمہارا بیچ چند مدد میں پہل جائیگا۔ مگر پھوپھی کے دل سے پوچھو جبکہ پھر اگر آج سونا ہو گیا۔
اتنا کہ لکھ سنجیدہ نے سمدھن کی طرف رخ کیا اور کہنے لگی۔

”لو یہ جو وہ برس کی امانت تہا ہے پھر ہو۔ صاحب اولاد ہو سیکر دکھے ہوئے دل کی مدد کرنا
خدا تم کو بھولی جاتی نصیب کے سے مگر میری بنگالے کی مینار اتوں میرے کلیجے پر سوئی اور سینہ پر لوٹی ہو۔
میرے بڑے پاپے کی لالچ رکھنا اور اگر کوئی بات خلاف مزاج ہو تو معاف کر دینا۔ کیا کہوں کیا کیا
بچی ستورہ جی اسی نے میں نے بھی پال پوس کر بڑا کیا تھا کہ تہا ہے ہاتھ میں ہاتھ سے اپنے ہاتھ جہاں خالی ہا
پوٹھیل سیم گیم آؤ چودہ برس کی کہلائی خدمت گزار بھوپتی اور برائے نام آکے کھجے سے لگو۔ ایسے اٹھ کر اپنے گھر مہاراد
ابوالعالمین ایہ بن باپ کی سچی نسیم جس کو آج میں تیرے توکل پر دعار کوئی ہوں تیرے
پسر ہو۔ ارحم الراحمین اس کٹھن منزل میں تھی۔ کھکا رہی۔ دنیا کی بہار اس کے واسطے موجود
ہو اور یہ زندگی جس کی اس وقت صبح ہو۔ عزت آبرو کے ساتھ بسر ہو جائے۔

وداع کا سماں یوں ہی دودا لگتا تھا۔ اس سنجیدہ کی تقریر پر چکیاں بند ہو گئیں۔ آرسی
صحف کے بعد سامان بھل کر باہر آیا۔ اور نسیم گیم گم سم ماں کو خاموش پھوپھی کو چہرہ ہالوں کو
رہتا چہرہ ظاہری اسباب کے ساتھ دعاؤں کا بھاری جہیز لیکر سسرال سدھاریں۔

